اسلامی علوم و معارف اور علمی ثقافتی افکار و عقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۱۷-۲۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء

خصوصی شمارہ

معارف نہج البلاغہ

کتاب نہج البلاغہ کا ایک تاریخی جائزہ

دور حاضر میں نہج البلاغہ کی اہمیت

نہج البلاغہ اور خدا شناسی

نہج البلاغہ کے مختلف خطبوں کا مختصر مطالعہ

خطبۂ معجزہ بلا الف

تعلیم و تربیت ارشادات علویہ کی روشنی میں

حضرت علیؑ کا پیغام مالک اشتر کے نام

نہج البلاغہ میں جنگی آداب و اخلاقیات

نہج البلاغہ میں علم و دانش کا تذکرہ

نہج البلاغہ کے ترجموں اور تبصروں کا اجمالی خاکہ

اثاث الفکر

سید جعفر رضا بلگرامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۱۷-۲۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء

خصوصی شمارہ

معارف نہج البلاغہ

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

http://newdelhi.icro.ir

ichdelhi@gmail.com

شمارہ: ۲۱۷-۲۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء

چیف ایڈیٹر: علی دہگاہی

ایڈیٹر: پروفیسر سیّد اختر مہدی رضوی

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔

مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔

راہ اسلام مقالات ومضامین کے انتخاب واصلاح وایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔ اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔

اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔ عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔

صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔

تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مآخذ ومدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔

مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔

راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے بشرطیکہ مآخذ کا ذکر کردیا جائے۔

پریس: الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔ پی

www.kitabmart.in

فہرست

شمارہ: ۲۱۷-۲۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء

نوٹ۔ مذکورہ فہرست میں صاحب قلم حضرات کے اسماء کو ''الفبا'' کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

اداریہ:

نہج البلاغہ وسیلۂ قرب الٰہی

نہج البلاغہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ملکوتی روح کی وہ گنگناہٹ والٰہی نغمہ سرائی ہے جس کے ذریعہ انہوں نے گہرے آفاقی وآسمانی مفاہیم کو زمینی ودنیوی زبان میں دنیای بشریت کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کردیا ہے تا کہ انسان آہستہ آہستہ اپنے معبود کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس کا تقرب حاصل کر سکے اور اس دنیا میں ایسی زندگی بسر کرے کہ اسے دنیا وآخرت دونوں حاصل ہو جائے۔ نہج البلاغہ انسانوں کیلئے ایسا منصوبہ بند پروگرام اور لائحہ عمل ہے جو بنی نوع انسان کو دنیا طلب لوگوں کے مکروفریب کی وجہ سے نہ ترک دنیا وگوشہ نشینی کی طرف راغب ہونے دے اور نہ دولت وثروت اندوزی جیسی آفت وپریشانی میں گرفتار ہونے دے۔ درحقیقت نہج البلاغہ قرآن کریم کی ایسی حقیقی تفسیر ہے جو درست سوچنے کی منطق سکھاتی ہے اور غلط ونادرست تفسیروں سے دور اور محفوظ بھی رکھتی ہے۔ دوسری عبارت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علیؑ کی معرفت اور ان سے عشق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ نہج البلاغہ اور علیؑ کی محبت کی وجہ سے قرآن سے لگاؤ اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور موجودہ معاشروں میں قرآن انسان کا بہترین ہمدم اور ساتھی ہے۔

بنیادی اعتبار سے نہج البلاغہ شناخت ومعرفت کی کتاب ہے۔ جب انسان اس کتاب کا عقل وفکر کی گہرائی وگیرائی کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے تو وہ خداشناسی، امام شناسی، معاد شناسی، دنیا شناسی جیسے علوم ومعارف پر مکمل دسترس حاصل کر لیتا ہے۔ پوری نہج البلاغہ ایسی اصطلاحوں سے مملو ہے جن میں سے ہر ایک انفرادی اور خصوصی معرفت کی حامل ہے مثلاً علم، عقل، فہم، حکمت، شعور، بصیرت، برہان، یقین، تفکر، تفقہ، تفہم، تدبر، ادراک، معرفت اور استدلال وغیرہ۔

درحقیقت خداشناسی، دنیا شناسی اور انسان شناسی کا یہ عدیم المثال خزانہ ایک مخصوص عصر وزمانہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو وقت وزمانہ کی حدود اور جغرافیائی سرحدوں کے دائرہ میں محدود نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ دنیا کے جس علاقے میں انسان اور انسانی سماج موجود ہے اسے اس کتاب میں موجود نورانی کلمات اور زندگی ساز درس کی ضرورت

بہرحال ہے ۔ اس کتاب میں موجود منقول درس کو ہر دور اور ہر زمانہ کے انسان کا سرنامۂ زندگی قرار دینا چاہئے اور سبھی لوگوں بالخصوص نوجوان نسل کو ارشادات نہج البلاغہ سے خصوصی لگاؤ رکھنا چاہئے کیونکہ آنحضرت کا کلام علم الٰہی پر مشتمل ہے اور اس سے کلام نبوی کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے۔

نہج البلاغہ ایسی معرکتہ الآرا علمی وادبی تخلیق ہے جس کے ساتھ زندگی بسر کی جانی چاہئے۔ ہر لمحہ اس کی تعلیمات کے سایہ میں سانس لینی چاہئے اور اسے اپنی روح کا ہمدم وساتھی بنالینا چاہئے۔ نبض اور قلب کی دھڑکن کو نہج البلاغہ کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہونا چاہئے تاکہ اس کتاب میں مندرج علوی پیغامات کو زندگی کی گہرائی میں جگہ دی جاسکے اور معنی ومفہوم کی سرزمین پر فتح حاصل کی جاسکے۔ حالانکہ معرفت علویہ کی اونچی چوٹی تک رسائی حاصل کرنا یہاں تک کہ تعلیمات نہج البلاغہ تک بھی رسائی حاصل کرنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اور ہم لوگوں کو اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ نہج البلاغہ میں زہدوتقویٰ ،عبادت ،عرفان ،حکمت ، فلسفہ ، پندوموعظہ ، شجاعت ومعرکہ آرائی اور سماجی ودیگر ذمہ داریوں کی جو وسیع دنیا آباد ہے اسمیں داخل ہونا ممکن نہیں ہے اور مختلف النوع علوم ومعارف کے اس لامحدود سمندر کی مکمل شناخت بھی مشکل ہے۔ اس رسالہ میں شامل مضامین ومقالات کے مؤلفین بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ وہ نہج البلاغہ کے تمام پہلوؤں کی تعریف وتوصیف میں پوری طرح کامیاب ہیں بلکہ ان کی حتی الامکان کوشش یہ ہے کہ مجلّہ راہ اسلام کے قارئین کرام مولای متقیان حضرت علی علیہ السلام کے اقوال وارشادات سے بیگانہ وناواقف نہ رہ جائیں بلکہ تمام مخاطبین اس عظیم وگرانقدر عارف سے حتی المقدور فائدہ اٹھاسکیں۔

اس ذخیرۂ دنیا وآخرت یعنی کتاب نہج البلاغہ کی تدوین ۴۰۰ھ میں سیدرضی کے ذریعہ عمل میں آئی جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ: حضرت امیر المومنینؑ کے خطبات اور اقوال وارشادات پر مشتمل ہے جس میں ۱۲۵ خطبات ، ۱۱۱ ارشادات ، ۴ اقوال اور ۱۲ دیگر خطبات وکلمات دعا شامل ہیں۔

دوسرا حصہ خطوط پر مشتمل ہے جس میں ۶۳ مکتوبات ، ۱۲ وصیت ونصیحت نامہ اور احکام وفرامین ہیں۔ اس کے علاوہ ایک دعا اور ایک عہد نامہ بھی ہے۔ ان احکام وفرامین کے درمیان مالک اشتر کے نام جاری کیا گیا فرمان غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جس میں حضرت علیؑ نے اسلامی حکومت کے مختلف پہلوؤں کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان میں سب سے چھوٹا مکتوب نمبر ۷۹ ہے

جس میں صرف دو سطروں میں بات مکمل ہوگئی ہے۔

تیسرا حصہ: کتاب نہج البلاغہ کا یہ حصہ ۴۸۰ مختصر کلمات پر مشتمل ہے۔

یہ سرمایہ جاوید حضرت علی علیہ السلام کے گہربار کلمات وارشادات سے منتخب کیا گیا ہے۔ اثروتاثیر اور زیبائی ودلکشی میں نہج البلاغہ کی ہر عبارت خصوصی اہمیت اور غیر معمولی افادیت کی حامل ہے۔ بظاہر یہ نثری مجموعہ ہے لیکن موزونیت کلام اور الفاظ کے درمیان موجود دلکش آہنگ وموسیقیت کی وجہ سے نظم جیسا لطف حاصل ہوتا ہے اور عبارت میں پیش کی گئی بات احساسات کی گہرائی میں اپنی جگہ بنالیتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت علی خود ارشادات فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان انسانی جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کے ذہن کے اختیار میں ہے۔ اگر ذہن میں جوش وخروش پیدا نہ ہو اور اپنی جگہ پر ٹھٹھک جائے تو زبان سے کوئی کام نہیں لیا جاسکتا ہے لیکن جب ذہن کھل جائے تو پھر وہ زبان کو مہلت نہیں دیتا یعنی زبان کو اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ بیشک ہم سپاہ سخن کے کمانڈر ہیں اور درخت سخن کی جڑیں ہمارے اندر اپنی جگہ بنا چکی ہیں اور اس کی شاخیں ہمارے ذہن میں لٹک رہی ہیں۔''

نہج البلاغہ اور حضرت علیؑ علیہ السلام کے اقوال وارشادات کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے صرف ایک میدان میں اپنے کمالات فن کا مظاہرہ نہیں کیا ہے بلکہ مختلف شعبوں میں اپنی جولانی طبع کا اظہار کیا ہے اور کلام کی اس وسعت وجامعیت کا راز صاحب کلام کی جامعیت میں مضمر ہے کیونکہ کلام، صاحب کلام کی روح کا نمائندہ ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی روح کسی خاص دنیا کے دائرہ میں محدود نہیں ہے بلکہ عرفان کی اصطلاح میں وہ مرد کامل کے بلند درجہ پر فائز ہیں اور مرد کامل کائنات کی جملہ عظمت وفضیلت کا حامل ہوتا ہے اور یہ روحانی خصوصیت حضرت علی علیہ السلام کے کلام میں بھی جلوہ گر دکھائی دیتی ہے چنانچہ الٰہیات وماورای طبیعت مباحث ومسائل کے ساتھ ہی ساتھ سلوک وعبادت، حکومت وعدالت، اہلبیت وخلافت، موعظہ وحکمت، دنیا پرستی، حماسہ وشجاعت، دعا ومناجات، سیاست وسماجیات، اسلام وقرآن، اخلاق وپاکیزگی نفس اور افراد وشخصیتوں کے سلسلے میں باقاعدہ بحث کی ہے اور ان تمام مضامین ومباحث کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ''راہ اسلام' کا یہ شمارہ حاضر خدمت ہے جس میں مولای متقیان کے ارشادات عالیہ کی مکمل وضاحت تو نہیں پیش کی جاسکی لیکن اس کی ہلکی سی جھلک پیش کرنے کی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ والسلام

حضرت علیؑ کا پیغام مالک اشتر کے نام

اسلامی علوم و معارف سے دلچسپی رکھنے والے ہر محقق و دانشمند کو بخوبی معلوم ہے کہ پیغمبرؐ اکرم اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان غیر معمولی باہمی انحصار و اعتماد پایا جاتا تھا کیونکہ دونوں ایک نور کے دو ٹکڑے تھے۔ خداوند عالم نے ان میں سے ایک کو شہر علم اور دوسرے کو باب العلم کے نام سے یاد فرمایا۔ پس ان کے مکتوبات، فرامین اور کلمات قصار پر مشتمل مجموعہ کلام ''نہج البلاغہ کو عدیم المثال علمی وادبی شاہکار کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ مولای متقیان کے مختلف فرامین میں سے حضرت مالک اشتر نخعی کے نام ان کا مفصل فرمان پیش کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ مالک اشتر مولای کائنات کے مخلصین میں ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جن کو دونوں طرح کے اوصاف و کمالات حاصل تھے۔ ایک طرف تو وہ علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری میں عدیم المثال تھے اور دوسری طرف شجاعت و ہمت میں بھی وہ یگانہ روزگار اور شجاع ترین عرب کا درجہ رکھتے تھے۔ حاکم مصر کی حیثیت سے محمد بن ابی بکر کے بدلے مالک اشتر کا تقرر اس امر کی علامت ہے کہ وہ محمد بن ابی بکر سے زیادہ محاسن و کمالات کے مالک تھے اور جن حالات کی اصلاح محمد بن ابی بکر کے بس میں نہ تھی ان کی اصلاح مالک اشتر کر سکتے تھے۔ ان کے منصب میں چار طرح کے کام شامل تھے۔ خراج کا جمع کرنا، دشمن سے جہاد کرنا، اہل مملکت کے حالات کی اصلاح کرنا اور شہروں کی تعمیر و ترقی و زمینوں کی آبادکاری یعنی کھیتی وغیرہ کا مکمل انتظام کرنا۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ تمام مذاہب کا احترام (سیکولوزم) اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت، مفلسوں اور ناداروں اور مزدوروں کے حقوق کی حفاظت، ذخیرہ اندوزی کے خلاف جہاد، صلاحیت کی بنیاد پر عہدوں کی سپردگی اور عوام کی رائے کو غیر معمولی اہمیت وغیرہ موجودہ زمانہ کی ایجاد ہے لیکن اس فرمان کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ مولای متقیان حضرت علیؑ نے آج سے چودہ سو برس قبل اپنے گورنر کو جو لائحہ عمل ارسال کیا تھا اس میں انہیں باتوں پر خصوصی تاکید فرمائی تھی اور کہا تھا کہ حاکم کو دوسروں پر حکومت سے قبل خود اپنے نفس اور اپنی خواہشات پر مسلط رہنا چاہئے کیونکہ نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے۔ اور رعایا کے ساتھ مہربانی، محبت اور نرمی حاکم

کا شعار ہونا چاہئے۔ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی طرف خصوصی توجہ کا مطالبہ کرتے ہوئے اپنے اسی فرمان میں مولای متقیان حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا تھا: ''مخلوق خدا کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض تمہارے دینی بھائی ہیں اور بعض خلقت میں تمہارے جیسے بشر یعنی انسانی بھائی ہیں۔''

جی ہاں! اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فرمان اس اسلامی نظام حکومت کا نچوڑ ہے جس میں حاکمیت مطلقہ تو خالق کائنات کو حاصل ہے اور قرآن وحدیث وسنت نبویؐ اور سیرت ائمہ اطہار کے سایہ میں تشکیل شدہ اسلامی حکومت کے سربراہوں کو عدل وانصاف ومساوات وبرابری کی بنیاد پر لوگوں کو راہ حق پر گامزن رہنے کی ہدایت کرنی ہے۔ وہ حکومتی نظام جو رحم کروتا کہ تم پر بھی رحم کیا جائے جیسے اصول کو بروی کار لاتے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ خدمت خلق کو حاکم کی اہم ذمہ داری سمجھتے ہوئے خوشنودی الٰہی کو مقصد حیات قرار دیتا ہے اور اگر مقصد وذات کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوجائے تو ذات کو اپنے پیروں کے نیچے رکھ کر مقصد کی حفاظت کرنا سکھاتا ہے کیونکہ مقصد کی کامیابی ذات کو کامیابی کی معراج عطا کردیا کرتی ہے۔ بہر حال فرمان کی ہمہ جہتی افادیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ فرمان ہے جو بندۂ خدا، امیر المومنین علیؑ نے مالک بن حارث اشترنخعی کے نام لکھا ہے جب انہیں خراج جمع کرنے، دشمن سے جہاد کرنے۔ حالات کی اصلاح کرنے اور شہروں کی تعمیر وترقی اور آبادکاری کے لئے مصر کا حاکم (گورنر) بنا کر روانہ کیا تھا۔

سب سے پہلا امر یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کو اختیار کرو اور جن فرائض وسنن کا اپنی کتاب میں حکم دیا ہے ان کا اتباع کرو کیونکہ کوئی شخص ان کے اتباع کے بغیر نیک بخت نہیں ہوسکتا ہے اور کوئی شخص ان کے انکار اور بربادی کے بغیر بد بخت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے دین خدا کی مدد کرتے رہنا کیونکہ خدائے عزاسمہ نے یہ ذمہ داری لی ہے کہ اپنے مددگاروں کی مدد کرے گا اور اپنے دین کی حمایت کرنے والوں کو عزت وشرف عنایت کرے گا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو کچل دو اور اسے منہ زوریوں سے روکے رہو کیونکہ نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے تاوقتیکہ پروردگار کا رحم شامل نہ ہوجائے۔ اس کے بعد اے مالک! یہ یاد رکھنا کہ میں نے تم کو ایسے علاقہ کی طرف بھیجا ہے جہاں عدل وظلم پر مبنی مختلف حکومتیں گذر چکی

ہیں۔ لوگ تمہارے معاملات کو اسی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس نظر سے تم ان کے اعمال کو دیکھ رہے تھے۔ پس ایسا نہ ہو کہ لوگ تمہارے بارے میں وہی کہیں جو تم دوسروں کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ نیک کردار بندوں کی شناخت اس ذکر خیر سے ہوتی ہے جو ان کے لئے لوگوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے لہٰذا تمہارا محبوب ترین ذخیرہ عمل صالح ہونا چاہئے۔ خواہشات کو روک کر رکھو اور جو چیز حلال نہ ہو اس کے بارے میں نفس کو صرف کرنے سے بخل کرو کیونکہ یہی بخل اس کے حق میں انصاف ہے چاہے اسے اچھا لگے یا برا۔ رعایا کے ساتھ مہربانی اور محبت و رحمت کو اپنے دل کا شعار بنالو اور خبردار ان کے حق میں پھاڑ کھانے والے درندہ کے مثل نہ ہو جانا کہ انہیں کھا جانے ہی کو غنیمت سمجھنے لگو۔ دیکھو! مخلوقات خدا کی دو قسمیں ہیں۔ بعض تمہارے دینی بھائی ہیں اور بعض خلقت میں تمہارے جیسے بشر ہیں جن سے لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں اور انہیں خطاؤں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور جان بوجھ کر یا دھوکے سے اُن سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا انہیں ویسے ہی معاف کر دینا جس طرح تم چاہتے ہو کہ پروردگار تمہاری غلطیوں سے در گذر کرے کیوں کہ تم ان سے بالاتر ہو اور تمہارا ولی امر تم سے بالاتر ہے اور پروردگار تمہارے ولی سے بھی بالاتر ہے اور اس نے تم سے ان کے معاملات کی انجام دہی کا مطالبہ کیا ہے اور اسے تمہارے لئے ذریعہ آزمائش بنا دیا ہے۔ خبردار! اپنے نفس کو اللہ کے مقابلہ پر نہ اتار دینا کیونکہ تمہارے پاس اس کے عذاب سے بچنے کی طاقت نہیں ہے اور تم اس کے عفو اور رحم سے بے نیاز بھی نہیں ہو۔ خبردار! کسی کو معاف کر دینے پر نادم نہ ہونا اور کسی کو سزا دے کر اکڑ نہ جانا۔ غیظ و غضب کے اظہار میں جلدی نہ کرنا اور اگر اس کے ٹال دینے کی گنجائش پائی جاتی ہو تو ٹال دینا۔ اور خبردار یہ نہ کہنا کہ مجھے حاکم بنایا گیا ہے لہٰذا میری شان یہ ہے کہ میں حکم دوں اور میری اطاعت کی جائے کیونکہ اس خیال کی وجہ سے دل میں فساد داخل ہو جائے گا، دین کمزور پڑ جائے گا اور انسان تغیرات زمانہ سے قریب تر ہو جائے گا۔ اگر کبھی اپنی سلطنت و حکومت کو دیکھ کر تمہارے دل میں عظمت و کبریائی اور غرور پیدا ہونے لگے تو پروردگار کے عظیم ترین ملک پر غور کرنا اور یہ دیکھنا کہ وہ تمہارے اوپر تم سے زیادہ قدرت رکھتا ہے پس اس طرح تمہاری سرکشی دب جائے گی۔ تمہاری طغیانی رک جائے گی اور تمہاری گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی۔

دیکھو خبردار! اللہ سے اس کی عظمت میں مقابلہ اور اس کے جبروت سے تشابہ کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ ہر جبار کو ذلیل کر دیتا ہے اور ہر مغرور کو پست بنا دیتا ہے۔ اپنی ذات، اپنے اہل و عیال اور

اپنی رعایا میں جن سے تمہیں تعلق خاطر ہے سب کے سلسلہ میں اپنے نفس اور اپنے پروردگار سے انصاف کرنا اگر ایسا نہ کروگے تو ظالم بن جاؤ گے اور جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرے گا اس کا دشمن بندے نہیں خود پروردگار ہوگا اور جس کا دشمن پروردگار ہوجائے گا اس کی ہر دلیل باطل ہوجائے گی اور وہ پروردگار کا مد مقابل شمار کیا جائے گا۔ جب تک اپنے ظلم سے باز نہ آجائے یا توبہ نہ کرلے۔ اللہ کی نعمتوں کی بربادی اور اس کے عذاب میں عجلت کا کوئی سبب ظلم پر قائم رہنے سے بڑا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مظلومین کی فریاد کا سننے والا ہے اور ظالموں کے لئے موقع کا انتظار کررہا ہے۔

تمہارے لیے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہئے جو حق کے اعتبار سے بہترین، انصاف کے اعتبار سے سب کو شامل اور رعایا کی مرضی سے اکثریت کے لئے پسندیدہ ہو کیونکہ عام افراد کی ناراضگی خواص کی رضا مندی کو بھی بے اثر بنادیتی ہے اور خاص لوگوں کی ناراضگی عام افراد کی رضا مندی کے ساتھ قابل معافی ہوجاتی ہے۔ رعایا میں خواص سے زیادہ حاکم پر خوشحالی میں بوجھ بننے والا اور بلاؤں میں کم سے کم مدد کرنے والا، انصاف کو ناپسند کرنے والا اور اصرار کے ساتھ مطالبہ کرنے والا، عطا کے مواقع پر کم سے کم شکریہ ادا کرنے والا اور نہ دینے کے موقع پر بمشکل عذر قبول کرنے والا اور زمانہ کے مصائب میں کم سے کم صبر کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ہی دین کا ستون ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں سامان دفاع عوام الناس ہی ہوتے ہیں لہٰذا تمہارا جھکاؤ انہیں کی طرف ہونا چاہئے اور تمہارا رجحان انہیں کی طرف ضروری ہے۔ رعایا میں سب سے زیادہ دور اور تمہارے نزدیک مبغوض اس شخص کو ہونا چاہئے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے عیوب کا تلاش کرنے والا ہو۔

اس لئے کہ لوگوں میں بہر حال کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور ان کی پردہ پوشی کی سب سے بڑی ذمہ داری حاکم پر ہے لہٰذا خبردار جو عیب تمہارے سامنے نہیں ہے اسکا انکشاف نہ کرنا۔ تمہاری ذمہ داری صرف عیوب کی اصلاح کردینا ہے اور غائبات کا فیصلہ کرنے والا پروردگار ہے۔ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کے ان تمام عیوب کی پردہ پوشی کرتے رہو بالکل اسی طرح جیسے اپنے عیوب کی پردہ پوشی کی پروردگار سے تمنا کرتے ہو۔ لوگوں کی طرف سے کینہ کی ہر گرہ کو کھول دو اور دشمنی کی ہر رسی کو کاٹ دو اور جو بات تمہارے لئے واضح نہ ہو اس سے انجان بن جاؤ اور ہر چغل خور کی تصدیق میں عجلت سے کام نہ لو کیونکہ چغل خور ہمیشہ خیانت کار ہوتا ہے چاہے وہ مخلصین ہی کے بھیس میں کیوں نہ آئے۔

مشاورت

دیکھو اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شامل نہ کرنا کہ وہ تم کو فضل وکرم کے راستہ سے ہٹادے گا اور فقر وفاقہ کا خوف دلاتا رہے گا اور اسی طرح بزدل سے مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ ہر معاملہ میں کمزور بنا دے گا۔ اور حریص سے بھی مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ ظالمانہ طریقہ سے مال جمع کرنے کو بھی تمہاری نگاہوں میں آراستہ کردے گا۔ یہ بخل، بزدلی اور طمع اگر چہ الگ الگ جذبات وخصائل ہیں لیکن ان سب کا قدر مشترک پروردگار سے سوءظن ہے جس کے بعد ان خصلتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

وزارت ومعاونت

دیکھو! تمہارے وزراء میں سب سے زیادہ بدتر وہ ہے جوتم سے پہلے اشرار کا وزیر رہ چکا ہے اور ان کے گناہوں میں شریک رہ چکا ہے۔ لہٰذا خبردار! ایسے افراد کو اپنے خواص میں شامل نہ کرنا کیونکہ یہ ظالموں کے مددگار اور خیانت کاروں کے بھائی ہیں اور تمہیں ان کے بدلے بہترین افراد مل سکتے ہیں جن کے پاس ان لوگوں کے جیسی عقل اور کارکردگی ہو لیکن ان کے جیسے گناہوں کے بوجھ اور خطاؤں کے انبار نہ ہوں۔ نہ انہوں نے کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہو اور نہ کسی گناہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا بوجھ تمہارے لئے ہلکا ہوگا اور یہ تمہارے بہترین مددگار ہوں گے۔ یہ لوگ تمہاری طرف محبت کا جھکاؤ اور اغیار سے انس والفت بھی نہ رکھتے ہوں گے۔انہیں لوگوں کو اپنے مخصوص اجتماعات میں اپنا مصاحب قرار دینا اور پھر ان میں بھی سب سے زیادہ حیثیت اسے دینا جوحق کے حرف تلخ کو کہنے کی زیادہ ہمت رکھتا ہو اور تمہارے کسی عمل میں تمہارا ساتھ نہ دے جسے پروردگار اپنے اولیاء کے لئے ناپسند کرتا ہو چاہے وہ تمہاری خواہشات سے کتنی زیادہ میل کیوں نہ کھاتی ہوں۔

مصاحبت

اپنا قریبی رابطہ اہل تقویٰ اور اہل صداقت سے رکھنا اور انہیں بھی اس امر کی تربیت دینا کہ بلا سبب تمہاری تعریف نہ کریں اور کسی ایسے بے بنیاد عمل کا غرور نہ پیدا کرائیں اور جوتم نے انجام نہ دیا ہو کیونکہ زیادہ تعریف سے غرور پیدا ہوتا ہے اور غرور انسان کو سرکشی سے قریب تر بنادیتا ہے۔

دیکھو خبردار! نیک کردار اور بد کردار تمہارے نزدیک یکساں نہ ہونے پائیں کیونکہ اس طرح نیک کرداروں میں نیکی سے بددلی پیدا ہوگی اور بدکرداروں میں بدکرداری کا حوصلہ پیدا ہوگا۔ ہر شخص کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا جس کے قابل اس نے اپنے کو بنایا ہے اور یاد رکھنا کہ حاکم کو رعایا سے حسن ظن کی اسی قدر توقع کرنی چاہئے جس قدر ان کے ساتھ احسان کیا ہے اور ان کے بوجھ کو ہلکا بنایا ہے اور ان کو کسی ایسے کام پر مجبور نہیں کیا ہے جو ان کے امکان میں نہ ہو۔ لہٰذا تمہارا برتاؤ اس سلسلہ میں ایسا ہی ہونا چاہئے جس سے تم رعایا سے زیادہ حسن ظن پیدا کرسکو کیونکہ یہ حسن ظن بہت سی اندرونی زحمتوں کو قطع کر دیتا ہے اور تمہارے حسن ظن کا بھی سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے بہترین سلوک کیا ہے۔

سب سے زیادہ بدظنی کا حقدار وہ ہے جس کا برتاؤ تمہارے ساتھ خراب رہا ہو۔ دیکھو کسی ایسی نیک سنت کو مت توڑ دینا جس پر اس امت کے بزرگوں نے عمل کیا ہے کیونکہ اسی سنت کے ذریعہ سماج میں الفت قائم ہوتی ہے اور رعایا کے حالات کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ دیکھو کسی ایسی سنت کو رائج نہ کر دینا جو گذشتہ سنتوں کے حق میں نقصان دہ ہو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا اجر اس کے لئے ہوگا جس نے سنت کو ایجاد کیا ہے اور گناہ تمہاری گردن پر ہوگا کہ تم نے اسے توڑ دیا ہے۔

ان مسائل کے بارے میں علماء کے ساتھ علمی مباحثہ اور حکماء کے ساتھ سنجیدہ بحث جاری رکھنا جن سے علاقہ کے امور کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ امور قائم ہیں جن سے گذشتہ افراد کے حالات کی اصلاح ہوئی ہے۔

عوام کے مختلف طبقات

یاد رکھو کہ رعایا کے بہت سے طبقات ہوتے ہین جن میں کسی ایک کی اصلاح دوسرے کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے اور کوئی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے۔ انہیں میں اللہ کے لشکر کے سپاہی ہیں اور انہیں میں عام اور خاص امور کے کاتب بھی۔ انہیں میں عدالت سے فیصلہ کرنے والے ہیں اور انہیں میں انصاف اور نرمی قائم کرنے والے افسران وعمال بھی۔ انہیں میں مسلمان اہل خراج اور کافر اہل ذمہ ہیں اور انہیں میں تجارت اور صنعت وحرفت والے افراد ہیں اور پھر انہیں میں فقراء و مساکین کا پست ترین طبقہ بھی شامل ہے اور سب کے لئے پروردگار نے ایک حصہ معین کر دیا ہے اور

اپنی کتاب میں فرائض یا اپنے پیغمبرؐ کی سنت میں اس کی حدیں قائم کردی ہیں اور یہ وہ عہد ہے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔

فوجی دستے حکم خدا سے رعایا کے محافظ اور والیوں یعنی حاکموں کی زینت ہیں۔ انہیں سے دین کی عزت ہے اور وہی امن وامان کے وسائل ہیں۔ رعایا کے امور کا قیام ان کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اور یہ دستے بھی قائم نہیں رہ سکتے ہیں جب تک وہ خراج نہ نکال دیا جائے جس کے ذریعہ دشمن سے جہاد کی طاقت فراہم ہوتی ہے اور جس پر حالات کی اصلاح میں اعتماد کیا جاتا ہے اور وہی ان کے حالات درست کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس کے بعد ان دونوں صنفوں کا قیام قاضیوں، عاملوں اور کاتبوں کے طبقہ کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ سب عہدوپیمان کو مستحکم بناتے ہیں۔ منافع کو جمع کرتے ہیں اور معمولی اور غیر معمولی معاملات میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ان کے بعد ان سب کا قیام تجار اور صنعت کاروں کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونہ وہ وسائل حیات کو فراہم کرتے ہیں۔ بازاروں کو قائم رکھتے ہیں اور لوگوں کی ضرورت کا سامان ان کی زحمت کے بغیر فراہم کردیتے ہیں۔

اس کے بعد فقراء ومساکین کا پست طبقہ ہے جو اعانت وامداد کا حقدار ہے اور اللہ کے یہاں ہر ایک کے لئے سامانِ حیات مقرر ہے اور ہر ایک کا والی پر اتنی مقدار میں حق ہے جس سے اس کے امر کی اصلاح ہوسکے اور والی اس فریضہ سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا جب تک ان مسائل کے حل کا اہتمام نہ کرے اور اللہ سے مدد طلب نہ کرے اور اپنے نفس کو حقوق کی ادائیگی اور اس راہ کے خفیف وثقیل پر صبر کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے لہٰذا لشکر کا سردار اسے قرار دینا جو اللہ، رسولؐ اور امامؑ کا سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ پاکدامن اور سب سے زیادہ برداشت کرنے والا ہو۔ غصہ کے موقع پر جلد بازی نہ کرتا ہو۔ عذر کو قبول کرلیتا ہو۔ کمزوروں پر مہربانی کرتا ہو۔ طاقتور افراد کے سامنے اکڑ جاتا ہو۔ بدخوئی اسے جوش میں نہ لے آئے اور کمزوری اسے بٹھا نہ دے۔

معاملات عامہ

پھر اس کے بعد اپنا رابطہ بلند خاندان، نیک گھرانے، عمدہ روایات والے اور صاحبان ہمت و شجاعت وسخاوت کرم سے مضبوط رکھو کیونکہ یہ لوگ کرم کا سرمایہ اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے

حالت کی اسی طرح دیکھ بھال رکھنا جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کے حالات پر نظر رکھتے ہیں دیکھو ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو انہیں اخلاص کی دعوت دے اور ان میں حسن ظن پیدا کرے اور خبردار بڑے بڑے کاموں پر اعتبار کر کے چھوٹی چھوٹی ضروریات کی نگرانی کو نظر انداز نہ کر دینا کیونکہ معمولی مہربانی کا بھی ایک اثر ہے جس سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اور بڑے کرم کا بھی ایک مقام ہے جس سے لوگ مستثنیٰ نہیں ہوسکتے ہیں۔

دفاع

اور دیکھو تمام سرداران لشکر میں تمہارے نزدیک سب سے زیادہ افضل اسے ہونا چاہئے جو فوجیوں کی امداد میں ہاتھ بٹاتا ہو اور اپنے اضافی مال سے ان پر اس قدر کرم کرتا ہو کہ ان کے پسماندگان اور متعلقین کے لئے بھی کافی ہوجائے تاکہ سب کا ایک ہی مقصد رہ جائے اور وہ ہے دشمن سے جہاد۔ اس لئے کہ ان سے تمہاری مہربانی ان کے دلوں کو تمہاری طرف موڑ دے گی۔ اور والیوں کے حق میں بہترین خنکی چشم کا سامان یہ ہے کہ ملک بھر میں عدل وانصاف قائم ہوجائے اور رعایا میں محبت والفت ظاہر ہوجائے اور یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک سینے سلامت نہ ہوں اور ان کی خیر خواہی مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ جب تک اپنے حاکموں کے گرد گھیرا ڈال کر ان کی حفاظت نہ کریں اور پھر ان کے اقتدار کو سر کا بوجھ نہ سمجھیں اور ان کی حکومت کے خاتمہ کا انتظار نہ کریں لہٰذا ان کی امیدوں میں وسعت دینا اور برابر کارناموں کی تعریف کرتے رہنا بلکہ عظیم لوگوں کے کارناموں کو شمار کرتے رہنا کہ ایسے تذکروں کی کثرت بہادروں کو جوش دلاتی ہے اور پیچھے ہٹ جانے والوں کو ابھار دیا کرتی ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد ہر شخص کے کارنامہ کو پہچانتے رہنا اور کسی کے کارنامہ کو دوسرے کے نامۂ اعمال میں نہ درج کردینا اور ان کا مکمل بدلہ دینے میں کوتاہی نہ کرنا اور کسی شخص کی سماجی حیثیت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے معمولی کام کو بڑا کام قرار دیدو یا کسی چھوٹے آدمی کے بڑے کارنامہ کو معمولی بنادو۔

جو امور مشکل دکھائی دیں اور تمہارے لئے مشتبہ ہوجائیں انہیں اللہ اور رسولؐ کی طرف پلٹا دو کیونکہ پروردگار نے جس قوم کو ہدایت دینا چاہی ہے اس سے فرمایا ہے کہ ’’ایمان والو! اللہ، رسولؐ اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد کسی شے میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور

رسول کی طرف پلٹادو۔'' تو اللہ کی طرف پلٹانے کا مطلب اس کی کتاب محکم کی طرف پلٹانا ہے اور رسولؐ کی طرف پلٹانے کا مقصد اس سنت کی طرف پلٹانا ہے جو امت کو جمع کرنے والی ہو، تفرقہ ڈالنے والی نہ ہو۔

قضاوت وعدالت

اس کے بعد لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ان افراد کا انتخاب کرنا جو رعایا میں تمارے نزدیک سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ اس اعتبار سے کہ نہ معاملات میں تنگی کا شکار ہوتے ہوں اور نہ جھگڑا کرنے والوں پر غصہ کرتے ہوں۔ نہ غلطی پر اڑ جاتے ہوں اور نہ حق کے واضح ہوجانے کے بعد اس کی طرف پلٹ کر آنے میں تکلف کرتے ہوں۔ نہ ان کا نفس لالچ کی طرف جھکتا ہو اور نہ معاملات کی تحقیق میں ادنیٰ فہم پر اکتفا کر کے مکمل تحقیق نہ کرتے ہوں۔ وہ شبہات میں توقف کرنے والے اور دلیلوں کو سب سے زیادہ اختیار کرنے والے ہوں۔ فریقین کی بحثوں سے اکتا نہ جاتے ہوں۔ اور نہ کسی کی تعریف سے مغرور ہوتے ہوں اور نہ کسی کے ابھارنے پر اونچے ہوجاتے ہوں۔ ایسے افراد یقیناً کم ہیں لیکن ہیں۔

اس کے بعد تم خود بھی ان کے فیصلوں کی نگرانی کرتے رہنا اور ان کے عطایا یعنی تنخواہ اور دیگر مفادات میں اتنی وسعت پیدا کر دینا کہ ان کی ضرورت پوری ہوجائے اور وہ لوگوں کے محتاج نہ رہ جائیں انہیں اپنے پاس ایسا مرتبہ اور مقام عطا کرنا جس کی تمہارے خواص بھی طمع نہ کرتے ہوں کیونکہ اس طرح وہ لوگوں کو ضرر پہنچانے سے محفوظ ہوجائیں گے مگر اس معاملہ پر بھی گہری نگاہ رکھنا کیونکہ یہ دین بہت دنوں اشرار کے ہاتھوں میں قیدی رہ چکا ہے جہاں خواہشات کی بنیاد پر کام ہوتا تھا اور مقصد صرف دنیا طلبی تھا۔

عمّال

اس کے بعد اپنے عاملوں کے معاملات پر بھی نگاہ رکھنا اور انہیں امتحان کے بعد کام سپرد کرنا اور خبردار تعلقات یا جانبداری کی بنا پر عہدہ نہ دے دینا کیونکہ یہ باتیں ظلم اور خیانت کے اثرات میں شامل ہیں۔ اور دیکھو ان میں جو بھی مخلص اور غیرتمند ہوں اور ان کو تلاش کرنا۔ جو اچھے گھرانے کے افراد ہوں اور وہ اسلام میں پہلے خدمات کر چکے ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ جوشیلے اخلاق، بے داغ اور

عزت والے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر فضول خرچی کی لالچ کم ہوتی ہے اور یہ انجام کار پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے بھی تمام اخراجات کا انتظام کردینا کیونکہ اس سے انہیں اپنے نفس کی اصلاح کا بھی موقع ملتا ہے اور وہ دوسروں کے اموال پر قبضہ کرنے سے بھی بے نیاز ہوجاتے ہیں اور پھر تمہارے امر کی مخالفت کریں یا امانت میں رخنہ پیدا کریں تو ان پر حجت بھی تمام ہوجاتی ہے۔

اس کے بعد ان عمال کے اعمال کی بھی تفتیش کرتے رہنا اور نہایت معتبر قسم کے اہل صدق وصفا کو ان پر جاسوسی کے لئے مقرر کردینا کیونکہ یہ طرز عمل انہیں امانتداری کے استعمال پر اور رعایا کے ساتھ نرمی کے برتاؤ پر آمادہ کرے گا۔ اور دیکھو اپنے مددگاروں سے بھی اپنے کو بچا کر رکھنا کیونکہ اگر ان میں کوئی ایک بھی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے جاسوس متفقہ طور پر یہ خبر دیں تو اس شہادت کو کافی سمجھ لینا اور اسے جسمانی اعتبار سے بھی سزا دینا اور جو مال حاصل کیا ہے اسے چھین بھی لینا اور سماج میں ذلت کے مقام پر رکھ کر خیانت کاری کے مجرم کی حیثیت سے روشناس کرانا اور ننگ و رسوائی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔

خراج

خراج اور مال گذاری کے بارے میں وہ طریقہ اختیار کرنا جو مالگذاروں کے حق میں زیادہ مناسب ہو کیونکہ اہل خراج کی ترقی وخوشحالی ہی میں سارے معاشرہ کی صلاح ہے اور کسی کے حالات کی اصلاح خراج کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے۔ لوگ سب کے سب اسی خراج کے بھروسے زندگی گذارتے ہیں۔ خراج میں تمہاری نظر مال جمع کرنے سے زیادہ زمین کی آبادکاری پر ہونی چاہئے کیونکہ مال کی جمع آوری زمین کی آبادکاری کے بغیر ممکن نہیں ہے اور جس نے آبادکاری کے بغیر مال گزاری کا مطالبہ کیا اس نے شہروں کو برباد اور بندوں کو تباہ کردیا، اس کی حکومت چند دنوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد اگر لوگ گرانباری، آفت ناگہانی، نہروں کی خشکی، بارش کی کمی، زمین کی غرقابی تباہی اور خشکی کی بناپر بربادی کی کوئی فریاد کریں تو ان کے خراج میں اس قدر تخفیف کردینا کہ ان کے امور کی اصلاح ہوسکے اور خبردار یہ تخفیف تمہارے نفس پر گراں نہ گزرے اس لئے کہ یہ تخفیف اور سہولت ایک ذخیرہ ہے جس کا اثر شہروں کی آبادی اور حکام کی زیب وزینت کی شکل میں تمہاری طرف ہی واپس آئے گا اور اس کے علاوہ تمہیں بہترین تعریف بھی حاصل ہوگی اور عدل

وانصاف کے پھیل جانے سے مسرت حاصل ہوگی۔ پھر ان کی راحت اور رفاہیت اور عدل وانصاف، نرمی وسہولت کی بنا پر جو اعتماد حاصل کیا ہے اس سے ایک اضافی طاقت بھی حاصل ہوگی جو بوقت ضرورت کام آسکتی ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ جن میں اعتماد وحسن ظن کے بعد ان پر اعتماد کروتو نہایت خوشی سے مصیبت کو برداشت کرلیتے ہیں اور اس کا سبب زمینوں کی آبادکاری ہی ہوتا ہے۔ زمینوں کی بربادی اہل زمین کی تنگدستی سے پیدا ہوجاتی ہے اور تنگدستی کا سبب حکام کے نفس کا ذخیرہ اندوزی کی طرف رجحان ہوتا ہے اور ان کی یہ بدظنی ہوتی ہے کہ حکومت باقی رہنے والی نہیں ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہیں۔

منشی وکاتب کا انتخاب

اس کے بعد اپنے منشیوں کی حالت پر نظر رکھنا اور اپنے امور کو بہترین افراد کے حوالے کرنا اور پھر وہ خطوط جن میں رموز سلطنت اور اسرار مملکت ہوں ان افراد کے حوالے کرنا جو بہترین اخلاق و کردار کے مالک ہوں اور عزت پاکر اکڑ نہ جاتے ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک دن وہ لوگوں کے سامنے تمہاری مخالفت کی جرأت پیدا کرلیں اور غفلت کی بنا پر لین دین کے معاملات میں تمہارے عمال کے خطوط کے پیش کرنے اور ان کے جوابات دینے میں کوتاہی سے کام لینے لگیں اور تمہارے لئے جو عہدو پیمان باندھیں اسے کمزور کردیں اور تمہارے خلاف اپنی سازباز کے توڑنے میں عاجزی کا مظاہرہ کرنے لگیں۔ دیکھو یہ لوگ معاملات میں اپنے صحیح مقام سے ناواقف نہ ہوں کیونکہ اپنی قدرومنزلت کا نہ پہچاننے والا دوسرے کے مقام ومرتبہ سے یقیناً زیادہ ناواقف ہوگا۔

اس کے بعد ان کا تقرر بھی صرف ذاتی ہوشیاری، خوش اعتمادی اور حسن ظن کی بنا پر نہ کرنا کیونکہ اکثر لوگ حکام کے سامنے بناوٹی کردار اور بہترین خدمات کے ذریعہ اپنے کو بہترین بنا کر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جب کہ اس کے پس پشت نہ کوئی اخلاص ہوتا ہے اور نہ امانتداری۔ پہلے ان کا امتحان لینا کہ تم سے پہلے والے نیک کردار حکام کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے پھر جو عوام میں اچھے اثرات رکھتے ہوں اور امانتداری کی بنیاد پر پہچانے جاتے ہوں انہیں کا تقرر کردینا کیونکہ یہ اس امر کی دلیل ہوگا کہ تم اپنے پروردگار کے بندۂ مخلص اور اپنے امام کے وفادار ہو۔ اپنے جملہ شعبوں کے لئے ایک ایک افسر مقرر کردینا جو بڑے سے بڑے کام سے مقہور نہ ہوتا ہو اور کاموں کی زیادتی پر

پراگندہ حواس نہ ہوجاتا ہو۔ اور یہ یادرکھنا کہ ان منشیوں میں جو بھی عیب ہوگا، اگر تم اس سے چشم پوشی کرو گے تو اس کا مواخذہ تمہیں سے کیا جائے گا۔

اس کے بعد تاجروں اور صنعت کاروں کے بارے میں نصیحت حاصل کرو، اور دوسروں کو ان کے ساتھ نیک برتاؤ کی نصیحت کرو چاہے وہ ایک مقام پر کام کرنے والے ہوں یا جابجا گردش اور جسمانی محنت کے ذریعہ روزی کمانے والے ہوں۔ اس لئے کہ یہی افراد منافع کا مرکز اور ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہی دور دراز مقامات، بحروبر، کوہ ومیدان ہر جگہ سے ان ضروریات کے فراہم کرنے والے ہوتے ہیں جہاں لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی ہے اور جہاں تک جانے کی لوگ ہمت نہیں کرتے ہیں۔ یہ وہ امن پسند لوگ ہیں جن سے فساد کا خطرہ نہیں ہوتا ہے اور ایسے صلح وآشتی والے ہوتے ہیں جن سے کسی شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

اپنے سامنے اور دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے ان کے معاملات کی نگرانی کرتے رہنااور یہ خیال رکھنا کہ ان میں بہت سے لوگوں میں انتہائی تنگ نظری اور بدترین قسم کی کنجوسی پائی جاتی ہے۔ یہ منافع کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور اونچے اونچے دام خود ہی معین کردیتے ہیں، جن سے عوام کو نقصان ہوتا ہے اور حکام کی بدنامی ہوتی ہے۔ لوگوں کو ذخیرہ اندوزی سے منع کرو کہ رسولؐ اکرم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ خرید وفروخت میں سہولت ضروری ہے جہاں عادلانہ میزان کے بموجب وہی قیمت معین ہو جس سے خریدار یا بیچنے والے کسی فریق پر ظلم نہ ہو۔ اس کے بعد تمہارے منع کرنے کے باوجود اگر کرئی شخص ذخیرہ اندوزی کرے تو اسے سزادو لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

اس کے بعد اللہ سے ڈرو، اس پسماندہ طبقہ کے بارے میں جو ایسے مساکین، محتاج فقراء اور معذور افراد کا طبقہ ہے جن کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس طبقہ میں مانگنے والے بھی ہیں اور غیرت دار بھی ہیں جن کی صورت خود سوال ہے۔ ان کے جس حق کا اللہ نے تمہیں محافظ بنایا ہے اس کی حفاظت کرو اور ان کے لئے بیت المال اور ارض غنیمت کے غلات میں سے ایک حصہ مخصوص کردو کیونکہ ان کے دور افتادہ کا بھی وہی حق ہے جو قریب والوں کا ہے اور تمہیں سب کا نگراں بنایا گیا ہے لہٰذا خبردار کہیں غرور وتکبر تمہیں ان کی طرف سے غافل نہ بنادے کیونکہ تمہیں بڑے کاموں کے مستحکم کردینے کی وجہ سے چھوٹے کاموں کی بربادی سے معاف نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا نہ اپنی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانا اور نہ غرور کی بناپر ان کی طرف سے اپنا منھ موڑنا۔ جن لوگوں کی رسائی تم تک نہیں ہے اور

انہیں نگاہوں نے گرادیا ہے اور شخصیتوں نے حقیر بنادیا ہے ان کے حالات کی دیکھ بھال بھی تمہارا ہی فریضہ ہے۔ لہٰذا ان کے لئے متواضع اور خوف خدا رکھنے والے معتبر افراد کو مخصوص ومقرر کردو جو تم تک ان کے معاملات کو پہنچاتے رہیں اور تم ایسے اعمال انجام دیتے رہو جن کی بنا پر روز قیامت پیش پروردگار معذور کہے جاسکو کیونکہ یہی لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں اور پھر ہر ایک کے حقوق کو ادا کرنے میں پیش پروردگار اپنے کو معذور ثابت کرو۔

یتیموں اور ضعیف العمر یعنی بوڑھوں کے حالات کی بھی نگرانی کرتے رہنا کیونکہ ان کا کوئی وسیلہ نہیں ہے اور یہ سوال کرنے کے لئے کھڑے بھی نہیں ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا خیال رکھنا حکام کے لئے بڑا سنگین مسئلہ ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے حق تو سب کا سب ثقیل ہی ہے۔ البتہ کبھی کبھی پروردگار اسے ہلکا قرار دے دیتا ہے ان اقوام کے لئے جو عاقبت کی طلبگار ہوتی ہیں اور اس راہ میں اپنے نفس کو صبر کا خوگر بناتی ہیں اور خدا کے وعدہ پر اعتماد کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

اور دیکھو صاحبان ضرورت کے لئے ایک وقت معین کردو جس میں اپنے کو ان کے لئے خالی کرلو اور ایک عمومی مجلس میں بیٹھو۔ اس خدا کے سامنے متواضع رہو جس نے پیدا کیا ہے اور اپنے تمام نگہبان، پولیس، فوج، اعوان وانصار سب کو دور بٹھادو تاکہ بولنے والا آزادی سے بول سکے اور کسی طرح کی لکنت کا شکار نہ ہو کیونکہ میں نے رسول اکرمؐ سے خود سنا ہے کہ آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ ''وہ امت پاکیزہ کردار نہیں ہوسکتی جس میں کمزور کو آزادی کے ساتھ طاقتور سے اپنا حق لینے کا موقع نہ دیا جائے۔''

اس کے بعد ان سے بدکلامی یا عاجزی کلام کا مظاہرہ ہو تو اسے برداشت کرو اور دل تنگی اور غرور کو دور رکھو تاکہ خدا تمہارے لئے رحمت کے ابواب کشادہ کردے اور اطاعت کے ثواب کو لازم قرار دے دے جسے جو کچھ دو خوشگواری کے ساتھ دو اور جسے منع کرو اسے خوبصورتی کے ساتھ ٹال دو۔

اس کے بعد تمہارے معاملات میں بعض ایسے معاملات بھی ہیں جنہیں تمہیں خود براہ راست انجام دینا ہے۔ جیسے حکام کے ان مسائل کے جوابات جن کے جوابات محرر حضرات نہ دے سکیں یا لوگوں کی ان ضروریات کو پورا کرنا جن کے پورا کرنے سے تمہارے مددگار جی چراتے ہوں۔ دیکھو ہر کام کو اسی کے دن مکمل کردینا کہ ہر دن کا اپنا کام ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے اور پروردگار کے روابط کے لئے بہترین وقت کا انتخاب کرنا جو تمام اوقات سے افضل اور بہتر ہو۔ اگرچہ تمام ہی اوقات اللہ

کے لئے شمار ہو سکتے ہیں اگر انسان کی نیت سالم رہے اور رعایا اس کے طفیل خوشحال ہو جائے۔

اور تمہارے وہ اعمال جنہیں صرف اللہ کے لئے انجام دیتے ہو ان میں سے سب سے اہم کام ان فرائض کا قیام ہو جو صرف پروردگار کے لئے ہوتے ہیں۔ اپنی جسمانی طاقت میں سے رات اور دن دونوں وقت ایک حصہ اللہ کے لئے قرار دینا اور جس کام کے ذریعہ اس کی قربت چاہتے ہو اسے مکمل طور سے انجام دینا اس میں نہ کوئی رخنہ پڑنے پائے اور نہ کوئی نقص پیدا ہو، چاہے بدن کو کسی قدر زحمت کیوں نہ ہو جائے۔ جب لوگوں کے ساتھ جماعت کی نماز ادا کرو تو نہ اس طرح پڑھو کہ لوگ بیزار ہو جائیں اور نہ اس طرح کہ نماز برباد ہو جائے اس لئے کہ لوگوں میں بیمار اور ضرورتمند افراد بھی ہوتے ہیں۔ اور میں نے یمن کی مہم پر جاتے ہوئے حضور اکرمؐ سے دریافت کیا تھا کہ نماز جماعت کا انداز کیا ہونا چاہئے تو آپ نے فرمایا تھا کہ کمزور ترین آدمی کے اعتبار سے نماز ادا کرنا اور مومنین کے حال پر مہربان رہنا۔

اس کے بعد یہ بھی خیال رہے کہ اپنی رعایا سے دیر تک الگ نہ رہنا کیونکہ حکام کا رعایا سے پس پردہ رہنا ایک طرح کی تنگ دلی پیدا کرتا ہے اور ان کے معاملات کی اطلاع نہیں ہو پاتی ہے اور یہ پردہ داری انہیں بھی ان چیزوں کے جاننے سے روک دیتی ہے جن کے سامنے یہ حجابات قائم ہو گئے ہیں اور اس طرح بڑی چیز چھوٹی ہو جاتی ہے اور چھوٹی چیز بڑی ہو جاتی ہے۔ اچھا برا بن جاتا ہے اور برا اچھا ہو جاتا ہے اور حق باطل سے مخلوط ہو جاتا ہے۔ اور حاکم بھی بالآخر ایک بشر ہے وہ پس پردہ امور کی اطلاع نہیں رکھتا ہے اور نہ حق کی پیشانی پر ایسے نشانات ہوتے ہیں جن کے ذریعہ صداقت کے اقسام کو غلط بیانی سے الگ کر کے پہچانا جا سکے۔

اور پھر تم دو میں سے ایک قسم کے ضرور ہو گے۔ یا ایسے شخص کی طرح ہو گے جس کا نفس حق کی راہ میں بذل وعطا پر مائل ہے تو پھر تمہیں واجب حق عطا کرنے کی راہ میں پردہ حائل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کریموں جیسا عمل کیوں نہیں انجام دیتے ہو۔ اگر تم بخل کی بیماری میں مبتلا ہو گے تو بہت جلد لوگ تم سے مایوس ہو کر خود ہی اپنے ہاتھ کھینچ لیں گے اور تمہیں پردہ ڈالنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی حالانکہ لوگوں کی اکثر ضروریات وہ ہیں جن میں تمہیں کسی طرح کی زحمت نہیں ہے جیسے کہ کسی ظلم کی فریاد اور کسی معاملہ میں انصاف کا مطالبہ۔

اس کے بعد یہ بھی خیال رہے کہ ہر والی وحاکم کے کچھ مخصوص اور راز دار قسم کے افراد ہوتے

ہیں جن میں خود غرضی، دست درازی اور معاملات میں بے انصافی پائی جاتی ہے لہٰذا خبردار ایسے افراد کے فساد کا علاج ان اسباب کے خاتمہ سے کرنا جن سے یہ حالات پیدا ہوتے ہیں۔ اپنے کسی بھی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو کوئی جاگیر مت بخش دینا اور اسے تم سے کوئی ایسی توقع نہ ہونی چاہئے کہ تم کسی ایسی زمین پر قبضہ دے دو جس کے سبب آبپاشی یا کسی مشترک معاملہ میں شرکت رکھنے والے افراد کو نقصان پہونچ جائے کیونکہ اپنے مصارف بھی دوسرے کے سر ڈال دے اور اس طرح اس معاملہ کا مزہ اس کے حصہ میں آئے اور اس کی ذمہ داری دنیا اور آخرت میں تمہارے ذمہ رہے۔

اور جس پر کوئی حق عائد ہو اس پر اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری ڈالو چاہے وہ تم سے نزدیک ہو یا دور اور اس مسئلہ میں اللہ کی راہ میں صبر و تحمل سے کام لینا، چاہے اس کی زد تمہارے قرابتداروں اور خاص افراد ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ اور اس سلسلہ میں تمہارے مزاج پر جو بار آئے اسے آخرت کی امید میں برداشت کر لینا کیونکہ اس کا انجام بہتر ہوگا۔

اور اگر کبھی رعایا کو یہ خیال ہو جائے کہ تم نے ان پر ظلم کیا ہے تو ان کے سامنے اپنے عذر کا اظہار کرو اور اسی ذریعہ سے ان کی بدگمانی کا علاج کرو کیونکہ اس میں تمہارے نفس کی تربیت بھی ہے اور رعایا پر نرمی کا اظہار بھی۔ نیز اس میں وہ عذر خواہی بھی ہے جس کے ذریعہ تم رعایا کو راہ حق پر چلانے کا مقصد بھی حاصل کر سکتے ہو۔

دیکھو خبردار! کسی ایسی دعوت صلح کا انکار نہ کرنا جس کی تحریک دشمن کی طرف سے ہو اور جس میں مالک کی رضا مندی پائی جاتی ہو کیونکہ صلح کے ذریعہ فوجوں کو قدرے سکون مل جاتا ہے اور تمہارے نفس کو بھی افکار سے نجات مل جائے گی اور شہروں میں بھی امن و امان کی فضا قائم ہو جائے گی۔ البتہ صلح کے بعد دشمن کی طرف سے مکمل طور پر ہوشیار رہنا کیونکہ کبھی کبھی وہ تمہیں غافل بنانے کے لئے تم سے قربت اختیار کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں مکمل ہوشیاری سے کام لینا اور کسی حسن ظن میں نہ رہنا اور اگر اپنے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ کرنا یا اسے کسی طرح کی پناہ دینا تو اپنے عہد کی پاسداری و وفاداری کے ذریعہ کرنا اور اپنی ذمہ داری کو امانتداری کے ذریعہ محفوظ بنانا اور اپنے قول و قرار کی راہ میں اپنے نفس کو سپر بنا دینا کیونکہ اللہ کے فرائض میں ایفائے عہد جیسا کوئی فریضہ نہیں ہے جس پر تمام لوگ خواہشات کے اختلاف اور افکار کے تضاد کے باوجود متحد ہیں۔ اور اس کا مشرکین نے بھی اپنے معاملات میں لحاظ رکھا ہے کیونکہ عہد شکنی کے نتیجہ میں تباہیوں کا اندازہ کر لیا

ہے۔ تو خبردار تم اپنے عہد و پیمان سے غداری نہ کرنا اور اپنے قول و قرار میں خیانت سے کام نہ لینا اور اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہ کر دینا۔

اس لئے کہ اللہ کے مقابلہ میں جاہل و بدبخت کے علاوہ کوئی جرأت نہیں کرتا ہے اور اللہ نے عہد و پیمان کو امن و امان کا وسیلہ قرار دیا ہے جسے اپنی رحمت سے تمام بندوں کے درمیان عام کر دیا ہے اور ایسی پناہ گاہ بنا دیا ہے جس کے دامن حفاظت میں پناہ لینے والے پناہ لیتے ہیں اور اس کے جوار میں منزل کرنے کے لئے تیزی سے قدم آگے بڑھاتے ہیں لہٰذا اس میں کوئی جعل سازی، فریب کاری اور مکاری نہ ہونی چاہیے۔ اور کوئی ایسا معاہدہ نہ کرنا جس میں تاویل کی ضرورت پڑے اور معاہدہ کے پختہ ہو جانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرنا اور عہد الٰہی میں تنگی کا احساس غیر حق کے ساتھ وسعت کی جستجو پر آمادہ نہ کر دے کیونکہ کسی امر کی تنگی پر صبر کر لینا اور گشائش حال اور بہترین عاقبت کا انتظار کرنا اس غداری سے بہتر ہے جس کے اثرات خطرناک ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف سے جواب دہی کی مصیبت گھیر لے اور دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو جائیں۔

دیکھو خبردار! ناحق خون بہانے سے پرہیز کرنا اس سے زیادہ عذاب الٰہی سے قریب تر اور پاداش کے اعتبار سے شدید تر اور نعمتوں کے زوال و زندگی کے خاتمہ کے لئے مناسب تر کوئی سبب نہیں ہے اور پروردگار روز قیامت اپنے فیصلہ کا آغاز خونریزیوں کے معاملہ سے کرے گا۔ لہٰذا خبردار اپنی حکومت کا استحکام ناحق خونریزی کے ذریعہ نہ کرنا کیونکہ یہ بات حکومت کو کمزور اور بے جان بنا دیتی ہے بلکہ اسے تباہ کر کے دوسروں کی طرف منتقل کر دیتی ہے اور تمہارے پاس نہ خدا کے سامنے اور نہ میرے سامنے عمداً قتل کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے اور اس میں زندگی کا قصاص بھی ثابت ہے البتہ اگر دھوکے سے اس غلطی میں مبتلا ہو جاؤ اور تمہارا تازیانہ، تلوار یا ہاتھ سزا دینے میں اپنی حد سے آگے بڑھ جائے کیونکہ کبھی کبھی گھونسہ وغیرہ بھی قتل کا سبب بن جاتا ہے۔ تو خبردار تمہیں سلطنت کا غرور اتنا اونچا نہ بنا دے کہ تم خون کے وارثوں کو ان کا حق خونبہا بھی ادا نہ کرو۔ اور دیکھو اپنے نفس کی خود پسندی پر بھروسہ بھی نہ کرنا اور تمہیں زیادہ تعریف کا شوق نہ پیدا ہو جائے کیونکہ یہ سب کچھ شیطان کو موقع فراہم کرنے کے بہترین وسائل ہیں جن کے ذریعہ وہ نیک کرداروں کے عمل کو ضائع اور برباد کر دیا کرتا ہے۔

اور خبردار رعایا پر احسان نہ جتانا اور جو سلوک کیا ہے اسے زیادہ سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرنا یا ان

سے کوئی وعدہ کرکے اس کے بعد وعدہ خلافی بھی نہ کرنا یہ طرز عمل احسان کو برباد کردیتا ہے اور زیادتی عمل کا غرور حق کی نورانیت کو فنا کردیتا ہے اور وعدہ خلافی خدا اور بندگان خدا دونوں کے نزدیک ناراضگی کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ '' اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم کوئی بات کہو اور پھر اس کے مطابق عمل نہ کرو''

اور خبردار وقت سے پہلے کاموں میں جلدی نہ کرنا اور وقت آجانے کے بعد سستی کا مظاہرہ نہ کرنا اور بات سمجھ میں نہ آئے تو جھگڑا نہ کرنا اور واضح ہوجائے تو کمزوری کا اظہار نہ کرنا۔ ہر بات کو اس کی جگہ رکھو اور ہر امر کو اس کے معینہ وقت پر انجام دو۔

دیکھو جس چیز میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں اسے اپنے ساتھ مخصوص نہ کرلینا اور جو حق نگاہوں کے سامنے واضح ہوجائے اس سے غفلت نہ برتنا کیونکہ دوسروں کے لئے یہی تمہاری ذمہ داری ہے اور عنقریب تمام امور سے پردے اٹھ جائیں گے اور تم سے مظلوم کا بدلہ لے لیا جائے گا اپنے غضب کی تیزی، اپنی سرکشی کے جوش، اپنے ہاتھ کی جنبش اور اپنی زبان کی کاٹ پر قابو رکھنا اور ان تمام چیزوں سے اپنے کو اس طرح محفوظ رکھنا کہ جلد بازی سے کام نہ لینا اور سزا دینے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ غصہ ٹھہر جائے اور اپنے اوپر قابو حاصل ہوجائے اور اس امر پر بھی اختیار اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا ہے جب تک پروردگار کی بارگاہ میں واپسی کا خیال زیادہ سے زیادہ نہ ہوجائے۔

تمہارا فریضہ ہے کہ ماضی میں گذر جانے والی عادلانہ حکومت اور فاضلانہ سیرت کو یاد رکھو، رسولؐ اکرم کے آثار اور کتاب خدا کے احکام کو نگاہ میں رکھو اور جس طرح ہمیں کرتے دیکھا ہے اسی طرح ہمارے نقش قدم پر چلو اور جو کچھ اس عہد نامہ میں ہم نے بتایا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ میں نے تمہارے اوپر اپنی حجت کو مستحکم کردیا ہے تاکہ جب تمہارا نفس خواہشات کی طرف تیزی سے بڑھے تو تمہارے پاس کوئی عذر نہ رہے اور میں پروردگار کی وسیع رحمت اور ہر مقصد کے عطا کرنے کی عظیم قدرت کے وسیلہ سے یہ سوال کرتاہوں کہ مجھے اور تمہیں ان کاموں کی توفیق دے جن میں اس کی مرضی ہو اور ہم دونوں اس کی بارگا میں اور بندوں کے سامنے عذر پیش کرنے کے قابل ہوجائیں۔ ہم لوگ بندوں کی بہترین تعریف کے حقدار ہوں اور علاقوں میں بہترین آثار چھوڑ کر جائیں۔ نعمت کی فراوانی اور عزت کے روز افزوں اضافہ کو برقرار رکھ سکیں اور ہم دونوں کا خاتمہ

سعادت اور شہادت پر ہو کہ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانے والے ہیں سلام ہو رسولؐ خدا اور ان کی طیب و طاہر آل پر۔ اور سب پر سلام بے حساب۔

❀❀❀

علوی افکار و عقائد کی روشنی میں زہد و زاہد

ڈاکٹر اردشیر منظمی

حضرت علیؑ کی ذات والا صفات کی طہارت پر ''آیت تطہیر''[۱] گواہ ہے ''آیہ ولایت''[۲] جن کا طلایہ پھر رہی ہے، خدا کی خوشنودی کی خاطر ''شب ہجرت''[۳] آپ نے اپنا نفس پیغمبر پر قربان کردیا۔ آپ ایسے قرآن ناطق ہیں جو صرف حامل اور مجری قرآن نہیں بلکہ خود حقیقت قرآن ہیں آپ میں اور قرآن میں جدائی نہیں ہے ''علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض''[۴] علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں۔

پاک و پاکیزہ امام کو پاک و پاکیزہ افراد ہی پہچانتے ہیں کیوں کہ آپ بھی ''لا یمسّهٗ الاّ المطهّرون'' کی جنس سے ہیں (پاکیزہ افراد کے علاوہ کسی دوسرے کا ہاتھ اس تک نہیں پہونچ سکتا جو آپ کی معرفت نہیں رکھتا اسے قرآن کی معرفت بھی نہیں ہے۔ اگر اسے معرفت ہوتی تو امام کو ''صراط مستقیم'' کہہ کر پکارتا۔ آپ کے فرزند بھی صراط مستقیم ہیں ''یا بن الصراط المستقیم''[۵] یعنی اے فرزند صراط مستقیم!

اسی وجہ سے آپ کی شخصیت کی معرفت کا دارومدار کسی خاص رخ پر نہیں ہے۔ آپ کے وجود کے مختلف پہلو ہیں جس کے رعب ودبدبہ سے میدان جنگ میں بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہوجاتا ہے وہی رحم وکرم کا ایسا بحر بیکراں ہے جو اشک یتیم دیکھ کر طلاطم میں آجاتا ہے، اس کا دل پریشان ہوجاتا ہے۔ میدان ادب وبیان میں جس کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ وہ ایسا زاہد نیم شب بھی ہے جو دنیا کے تمام علائق سے بے نیاز ہوکر کوفہ میں ایک خشک روٹی پر دن گذار دیتا ہے۔

اگر ''کلام'' انسان کی روح کا آئینہ دار'' ہوتا ہے تو پھر یہ سمجھنے کی بات ہے کہ یکتا پرستوں کے اس امام کی روح کیسی تھی جس نے مختلف قسم کے بے شمار عوالم کا مطالعہ کیا اور اس کے ناچیز انعکاس کو الفاظ کے دامن میں سمودیا جس کی تفسیر اور تاویل کی ضرورت ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر علیؑ نے نہج البلاغہ خود تحریر کیا ہوتا تو پھر ابن ابی الحدید کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ علیؑ کا

کلام قرآن سے فروتر ہے؟! کیا رسول خدا نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ''علیؑ قرآن ناطق ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن ان سے جدا ہے۶''

فخر عرب وعجم نے اپنے چاہنے والوں کو یہ اچھی طرح بتادیا ہے کہ عالم کا کون سا حصہ قابل دید ہے۔ نہج البلاغہ وہ دور بین ہے جس سے انسان ہدایت زیادہ بہتر طریقہ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ یہ نور کئی گنا اضافہ کے ساتھ نظر آتا ہے۔۷ امامؑ نے ایک انسان کے وجودی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے'' آل اللہ'' کا فکری پہلو ایسا عالمی اور آفاقی منشور ہے جو قیامت تک ''نیک انسان'' پیدا کرسکتا ہے۔

اہل توحید کے پیشوا نے یہ بات اچھی طرح سکھادی ہے کہ انسان کے اندر ایمان کے ذریعہ دین نازل ہوتا ہے۔ زہد ایمان کا ایک پایہ ہے''الایمان علی اربع دعائم علی الصبر والیقین والعدل والجھاد، فالصبر علی اربع شعب: علی الشوق والشفق والزھد الترقب (نہج البلاغہ حکمت ۳۰) ایمان کے چارستون ہیں صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ صبر کے ان چارستونوں کی چارشاخیں ہیں۔ اشتیاق، خوف، دنیا سے بے اعتنائی اور موت کا انتظار۔۸

امامؑ کے قول کے مطابق زہد، اسلام کا ایک رکن ہے اور سنت نبوی کا وجود زہد اختیار کرنے میں مضمر ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان جب تک دنیا سے رخ نہیں موڑتا ہے اس وقت تک سنت نبوی اور علوی کی اقتدا نہیں کرسکتا'' ولقد کان فی رسول اللہ کاف لک فی الاسوۃ۔ ودلیل لک علی ذم الدنیا وعیبھا و کثرۃ مخازیھا، مساویھاء (نہج البلاغہ خطبہ ۱۶۰) بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی سنت کو نمونہ قرار دینا کافی ہے اور دنیا کے عیب اس کی رسوائی اور خرابی پر تمہارے لئے دلیل بھی موجود ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ زہد پر تسلط کے بغیر دینداری حاصل نہیں ہوسکتی۔ حضرت علیؑ نے واضح انداز میں زہد کی ترویج وتبلیغ فرمائی ہے۔ آپ کی ذات جس صفت سے متصف ہے آپ کے احباب میں اتنی شدت سے وہ صفت نظر نہیں آتی۔ خدا کا منشاء تو یہ ہے کہ امام کے احباب میں بھی یہ باتیں نظر آئیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آپ نے اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں کو زہد کی تربیت کا بہترین نمونہ قرار دیا۔ نہج البلاغہ میں دس۹ انبیا کا ذکر آیا ہے ان میں سے چار شخصیتوں یعنی موسیٰ، داؤد، عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کو زہد کے بہترین نمونے کے طور پر منتخب کیا گیا ہے۔

www.kitabmart.in

ان شخصیتوں میں دوسری نیکیاں اور اچھی صفتیں بھی موجود تھیں لیکن آپ نے ان صفات حسنہ سے زہد ہی کا انتخاب فرما کر اسلامی معاشرہ کو اس کی طرف متوجہ کیوں فرمایا؟ کیا اس کے سوا کوئی دوسری وجہ بھی ہے کہ اسلامی اور علوی معاشرہ کو ہر زمانہ میں زہد اختیار کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔

ایسے سوالات زہد کی شناخت اور اس کی تاسی کے لئے منطقی طور پر بے حد ضروری ہیں۔ ایک طرف تو یہ انبیاء ایک دینی معاشرہ کے پیشوا اور رہبر بھی ہیں جو ایک بڑے معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں اس کی مدیریت کے فرائض انجام دیتے ہیں اس میں نمایاں طور پر موجود ہوتے ہیں اور دوسری طرف زہد، ترک دنیا اور گوشہ گیری کی اعلیٰ مثال بھی ہیں اور اپنے پیروکاروں کو اس کی ترغیب بھی دلاتے ہیں، یہ اجتماع ضدین ہے اجتماع نقیضین نہیں ہے۔

زہد

لغت میں زہد کے معنیٰ ''ترک دنیا اور دنیا سے بے رغبتی'' ۱۰ بیان کئے گئے ہیں۔ استاد دھخدا کے بیان کئے ہوئے یہ معنیٰ ترجمہ سے بلند زہد کی تعریف بیان کرتے ہیں اس میں باطنی معنی پر توجہ مرکوز کی گئی ہے کیوں کہ زہد کے بنیادی معنی ترک اور چشم پوشی کے ہیں۔

عرب کہتے ہیں زَهَدَ وَزَهِدَ وَ زَهُدَ فی الشئی: یعنی اس نے اس چیز کو ترک کردیا اس شئے سے اس کا میلان ہٹ گیا۔ اس نے چشم پوشی کی۔ تزہد وہ پارسا ہوگیا، عابد، زاہد اور گوشہ گیر ہوگیا۔ ۱۱

ڈاکٹر ابراہیم انیس کہتے ہیں'' زهد فیه وعنه: اعرض عنه، وترک لاحتقاره او لتحرجه اولقلته ۱۲ ''یعنی اس نے اس چیز سے دوری اختیار کی۔ اسے حقیر یا بے قیمت یا کم سمجھ کر چھوڑ دیا۔

راغب اصفہانی کا بھی تقریباً یہی خیال ہے'' زهد، الزهید الشئی القلیل والزاهد فی الشئی الراغب عنه والراضی منه بالزهید ای القلیل ''۱۳ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کسی چیز سے روگردانی کرے، بے رجحان ہو اور کم پر جوش ہوجائے وہ زہد ہے۔

اس طرح زہد کے معنی کسی چیز سے چشم پوشی اور اسے ترک کردینا ہے رفتہ رفتہ اس پر عمل کے نتیجہ میں اس کے اندر خصوصی معنی پیدا ہوگئے کیونکہ جب مومنین نے دنیا سے بے رغبتی کا اظہار

کیا تو اس معنیٰ کو اس کا مصداق مل گیا۔ جیسا کہ ہم بعد میں ملاحظہ کریں گے۔ زہد'' تارک دنیا'' کے نام سے مشہور ہوا اسی وجہ سے ڈاکٹر ابراہیم انیس نے زہد کے معنی بیان کرنے کے فوراً بعد فرمایا ''یقال زهد فی الدنیا ترک حلالها مخافةً حسابه و ترک حرامها مخافة عقابها ''۱۴ حساب کے خوف سے اس کے حلال کو ترک کردیا اور عذاب کے خوف سے اس کے حرام کو ترک کردیا۔

تمام عرفانی اور دینی باتیں جب جغرافیائی اور تاریخی حیثیتوں کی زد میں آتی ہیں تو انہیں نقصان پہونچتا ہے ان کی معنوی حیثیت بدل دی جاتی ہے اور بہت سے افراد صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کرپاتے اسی معنوی اور دینی مفہوم کی تحریف کی زد میں لفظ زہد بھی آگیا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ لغوی اعتبار سے زہد کے معنی ترک کردینے کے ہیں اور اصطلاح میں'' دنیا سے رخ موڑ لینے اور دنیا ترک کردینے کو زہد کہتے ہیں''۱۵ لیکن اسی ترک دنیا کے مفہوم کی بنا پر اسے غلط معنی پہنادیا گیا ہے حالانکہ'' دینی فکر میں ترک دنیا کا مفہوم ،نفسانی رابطہ اور پست باتوں سے ترک تعلق کا نام زہد ہے۔ کام، کوشش ، جدوجہد نشاط اور شادمانی کے ترک کو زہد نہیں کہا جاتا۱۶''

اس بنا پر اسلامی زہد رہبانیت سے الگ ایک شئے ہے کیوں کہ '' لوگوں سے رشتہ منقطع کرکے عبادت میں مصروف ہوجانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔۱۷'' لیکن خدا تک پہونچنے کے لئے دنیا کی لذتوں کو ترک کردینے کا نام زہد ہے اس وجہ سے اس کا مکمل رخ توحید کی طرف ہے کیونکہ عمل میں دوگانگی کی بنا پر رہبانیت میں توحید کی مخالفت ہوتی ہے۔ رہبانیت کے لغوی معنیٰ خوف کے ہیں۔ اس دنیا سے خوف ہوتا ہے نہ کہ خدا سے، اور یہ شرک فعلی ہے یعنی خدا یا خلق ، یا امور خدا یا امور دنیا، ان دونوں کا ایک دوسرے کے پہلو میں قرار پانا عمل اور عقیدہ میں ایک طرح کا شرک ہے۔

خدا ہی جو دنیا اور بندوں کے امور کا مدبر اور انہیں معین کرتا ہے۔ کیا خدائے آسمان و زمین کے صفات میں تقدیر و تدبیر نہیں ہے؟ لہٰذا خدا کے فرمان کے مطابق دنیا ومافیہا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونا عین توحید اور زہد ہے۔ قرآن میں لفظ دنیا ہمیشہ لفظ آخرت سے پہلے آیا ہے۔ اس تقدم وتاخیر کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا راستہ اس دنیا کے اندر سے گذرتا ہے، کنارے کنارے دنیا سے الگ یہ راستہ نہیں نکلتا۔ کیا پیغمبرؐ خدا نے اعتکاف ، نماز روزہ تہجد اور تزہد کا مظاہرہ نہیں کیا اور کیا اسی کے ساتھ ساتھ، قضاوت ، فتویٰ جہاد، اور خمس وزکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کا کام انجام نہیں دیا ؟ کیا مولا علیؑ نے پاؤں میں پرانی جوتی پہن کر مشک بھرنے کا کام کرنے کے بعد نان خشک پر گذر بسر نہیں کیا۔ لیکن

اسی کے ساتھ ساتھ کیا وہ زمین کے بہت بڑے حصہ کے اسلامی فرماں روا نہیں تھے؟ اگر خدا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ۱۸؎ تو وہ دنیا میں بھی تجلی ریز ہے اور دوسری طرف باطن کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس بنا پر دنیا و آخرت میں جدائی کرنا حقیقی توحید کے منافی ہے۔

صدر اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد زہد کے سلسلہ میں مسلمانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اہل صفہ

۲۔ خوارج

۳۔ صوفی حضرات

اہل صفہ زیادہ دنوں باقی نہیں رہے شاید ان کی تربیت کا مقصد اسلام کے ظہور کے آغاز میں اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنا اور عالمی اسلامی حکومت کی تشکیل تھا۔ اس تحکیم کے بعد وہ اسلامی معاشرہ کا جزء بن گئے ان میں سے کچھ افراد تو اس منزل پر پہونچ گئے کہ تاریخ اسلام جن کی قابل قدر خدمات کی مرہون منت ہے۔ خوارج کے رشد کا باعث ان کا اظہار زہد تھا۔ ان کی ظاہری شریعتی چال دیکھ کر کوئی ان سے مبارزہ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ مولا علیؑ نے کہا کہ وہ صاحب بصیرت نہیں تھے دین سے خارج ہونے کی بنا پر ید اللہ کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہونچے۔ تیسرا گروہ صوفی حضرات کا ہے۔ انہوں نے زہد کو حب کے ساتھ ملادیا اور مذکورہ بالا دونوں جماعتوں کی بہ نسبت ان میں سے بہت سے افراد کو زیادہ زندگی ملی۔ لیکن اس گروہ میں کچھ ایسے شخص دنیا بیزار تجرد کی زندگی گزارنے والے تکلیف سے بری نظر آئے جنہیں شدید نقصان پہونچا اور وہ غروب ہوکر رہ گئے۔

زہد کے تعارف کی سعی بلیغ، نفس علیؑ اور اصحاب علیؑ میں اس کی عملی شکل نے مولا علیؑ کی کوششوں کو تاریخ میں زہد حقیقی کا شاہکار بنادیا آپ نے زہد کا سچا نمونہ پیش کیا اور انحرافی زہد سے ہمیشہ برسرپیکار رہے آپ کے اقوال میں عالمی منشور بن کر زہد کے نمونے ہمیشہ تجلی ریز رہے ہیں۔

ولی کی زبان پر لفظ ''زہد''

بعض مفکرین وعلماء کا خیال ہے کہ نہج البلاغہ میں موعظہ کی غرض سے تقویٰ کے بعد زہد کا سب سے زیادہ تذکرہ موجود ہے ۱۹؎ حضرت علیؑ کی طرف سے مفہوم زہد کے سلسلہ میں اتنی صراحت

اور اصرار بے وجہ نہیں ہے۔ جب ہم دین اور دنیا کو ایک ترازو پر رکھ کر تولیں گے تب ہمیں امام کی بات سمجھ میں آئے گی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وحی کی زبان میں دنیا کی مذمت زہد کا ایک بنیادی ستون ہے۔ آیئے دنیا سے وابستگی اور دلبستگی کی مذمت ''ولی خدا'' کی زبان سے سنی جائے۔

"فی صفة الدنیا: مااصف من دار اولها عناء وآخرها فناء، فی حلالها حساب وفی حرامها عقاب من استغنیٰ فیها فتن ومن افتقر فیها حزن ومن ساعاها فاتته ومن قعد عنها وَاتته ومن ابصر بها بصرته ومن البصر الیها اعمته'' (نہج البلاغہ خطبہ ۸۲)

ہم اس گھر کے بارے میں کیا کہیں جس کا آغاز رنج ومشقت اور جس کا انجام فنا ہے۔ اس کے ہر حلال میں حساب اور ہر حرام میں عتاب اور سزا ہے۔ اس میں جسے مال ومتاع مل جائے وہ آزمائش اور امتحان میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ اور جو نیاز مندو تہی دست ہو وہ غم واندوہ میں مبتلا ہوجاتا ہے جو دنیا حاصل کرنے کے لئے دوڑتا ہے وہ محروم رہ جاتا ہے اور جو اسے حاصل نہیں کرنا چاہتا اس کے لئے وہ رام ہوجاتی ہے جو اسے چشم بصیرت سے دیکھتا ہے دنیا اسے بینا کردیتی ہے اور جو اس میں سرگرم ہوجاتا ہے دنیا اسے امور خیر کے لئے نابینا بنادیتی ہے۔

دنیا کے بارے میں ایسے نظریات ''زہد اسلامی'' کی زمین ہموار کرتے ہیں۔ زہد کے مفہوم میں دنیا کی سمائی کی کتنی گنجائش ہے اس کا بیان بہت تفصیل چاہتا ہے لیکن میں اتنا کہہ دینا کافی سمجھتاہوں کہ قرآن میں دنیا کی جو مذمت کی گئی ہے وہ اس کی رنگینیوں (زخارف) سے وابستگی اور دلبستگی کی مذمت ہے ورنہ قرآن وحدیث میں ارتقاء اور کمال نفس کے لئے دنیا کے سلسلے میں بڑے اہم اور قیمتی جملے موجود ہیں۔ خود یہی جملہ ''من ابصر بها بصر ته'' نمونہ کے طور پر مولا علیؑ کا وہ جملہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو علاء بن زیاد حارثی کی عیادت کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا (نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۹)

جب دنیا سے سابقہ ہوگا تو زہد کا اسلامی مفہوم سامنے آئے گا۔ اس وقت انسان کا نفس نگرانی کے فرائض انجام دیگا لیکن یہ نگرانی اتنی باریکی سے ہوگی کہ دنیا اور اس کی نعمتوں سے جائز اور مشروط حد تک استفادہ کیا جائے گا اور اس کا بقدر ضرورت استعمال ہوگا۔ مولا علیؑ نے مفہوم زہد واضح کرتے ہوئے اس کے حدود کا بڑے اچھے انداز میں تعین فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے'' ایها النّاس' الزهاده قصر الامل والشکر عند النعم والورع عند المحارم (نہج البلاغہ خطبہ ۸۱) دامن

آرزو کو سمیٹنا نعمت کے موقع پر شکر بجالانا اور حرام کے مقابل پارسائی اختیار کرنا زہد ہے۔

امام زاہد بن نے زہد کی تین منزلیں بیان کی ہیں۔

۱۔ آرزووں کو گھٹانا

۲۔ شکر نعمت

۳۔ پرہیزگاری

مذکورہ بالا ستونوں پر زہد کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ تین الگ الگ مراتب ہیں جو صرف ایک منفرد مفہوم پر دلالت نہیں کرتے البتہ ایسی چیزیں پہلی نظر میں سخت محسوس ہوتی ہیں اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں دوسرے مقام پر اس سے آسان انداز میں زہد کی تعریف کی ہے جس کی روشنی میں خدا اور معصوم کے کلام کا ربط بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے آپ کا ارشاد ہے۔ الزهد كله بين كلمتين من القرآن قال الله سبحانه، لِكيلا تاسوا علىٰ مافاتكم ولاتفرحوا بمآ اتاكم (حدید ۲۳) نہج البلاغہ حکمت ۴۴۲۔ قرآن کے دو جملوں میں زہد بیان کردیا گیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے کہ جو شئے تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرنا اور جو تمہیں مل جائے اس پر خوش نہ ہونا۔ اس معنیٰ میں قرآن نے صریحی طور پر دنیا کی مذمت کی ہے لہٰذا زہد حرام بھی ہے اور زہد مباح بھی۔

”زاہد“ ولی خدا کے قول کی روشنی میں

حضرت علی نے اپنے کلام میں زہد کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کے نمونے بھی بیان کردئے ہیں تاکہ فقہا ”فقہ زہد“ کے ساتھ مومنین تک اس مرتبہ کی معرفت پہونچا دیں۔ آپ نے چار گروہوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ، اسلام میں زہد کا سب سے بڑا نمونہ ہیں۔

۲۔ اہل کتاب کی نظر میں تین محترم پیغمبروں حضرت موسیٰ، حضرت داوٗد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی زندگی درحقیقت زاہدانہ زندگی تھی۔

۳۔ زہد پر اہلبیت کی خصوصی توجہ خاص کر مولائے کائنات حضرت علیؑ کی زندگی۔

۴۔ اصحاب امیر المومنین میں سے بعض افراد مثلاً مالک اشتر، سلمان فارسی اور ابوذر غفاری

وغیرہ کی زاہدانہ زندگی۔

پیغمبر اسلام اور اہل بیت علیہم السلام تو معصوم تھے لیکن ان کے علاوہ حضرت علیؑ کے اصحاب بھی مکارم اخلاق میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ ان میں سے سلمان فارسی کا مرتبہ دوسرے تمام اصحاب اور پیروکاروں سے بلند ہے آپ زاہدانہ اخلاق میں اپنے ہم مرتبہ افراد سے بالاتر تھے۔ ''سلمان میں زہد کے تمام مراتب موجود تھے۔''[۲۰]

حضرت علیؑ کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ اس گروہ سے اخلاق اور زہد کا ظہور ایک ایسا تربیتی سلسلہ ہے جسے خداوند عالم نے قائم کیا تھا۔ پیغمبرؐ کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ ''آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک آپ کے ساتھ لگادیا گیا تھا جو شب وروز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں پر لے چلتا تھا'' (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲)

لہٰذا زہد کے نمونے کے طور پر حضرت کا انبیاء کو پیش کرنا بہت مناسب ہے تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہوجائے۔

حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۶۰ میں انبیاء کے قالب میں زہد کے عظیم الشان نمونے پیش کئے ہیں ابتدا میں حمد وثنائے الٰہی کرتے ہوئے اپنی عقیدت اور عرض ادب کا اظہار فرماتے ہیں۔ ''حمدا یملأ ماخلقت ویبلغ ما اردت'' ایسی حمد جو کائنات کو بھردے جو تونے چاہا ہے اس کی حد تک پہونچ جائے۔

پھر اس کے بعد اس انسان کو نصیحت فرماتے ہیں جس کی نظر محض دنیا پر ہے اور اس سے دل لگا بیٹھا ہے۔ ''وکذالک من عظمت الدنیا فی عینہ وکبرموقعھا فی قلبہ آثر ھا علی اللّٰہ تعالیٰ فانقطع الیھا وصار عبدالہ''۔ اور یوں ہی جس کی نظر میں دنیا عظمت پالیتی ہے اور اس کے دل میں اس کی عظمت ووقعت بڑھ جاتی ہے تو وہ اسے اللہ پر ترجیح دینے لگتا ہے اور اس کی طرف رخ کرلیتا ہے اور اسی کا بندہ ہوکر رہا جاتا ہے۔

دنیا کے دھوکہ اور فریب میں آجانے والوں کو امام نے ہوشیار کیا ہے کہ وہ ہوش وحواس سے کام لیں۔ اپنے کانوں کو کھلا رکھیں اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ والوں کا یہ شیوا نہیں ہے۔ زہد اور دنیا ومافیہا سے اعراض اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ امام نے توحید کی بحث کے فوراً بعد دنیا طلبی کی ہجو فرمائی ہے۔ جیسا کہ امام کے ارشاد میں ہمیں نظر آتا ہے کہ ''وہ اللہ پر دنیا کو ترجیح دینے لگتا ہے'' خاص کر ایسی دنیا

طلبی سچی توحید کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے بلا فاصلہ زہد کا روشن اور درخشاں چہرہ پیش کردیا تاکہ حاکم وفرمانروا پرہیزگاری اور پارسائی اختیار کریں اور ''راہ توحید'' پر چلنے والوں کی رہبری ہوجائے۔

۱۔ پہلا نمونہ پیغمبر اعظم کی ذات اقدس ہے ''تمہارے لئے رسول کا قول وعمل پیروی کے لئے کافی ہے اور دنیا کے نقص وعیب، اس کی برائیوں اور رسوائیوں کی کثرت دکھانے کے لئے ان کی ذات رہنما ہے۔ اس لئے کہ پیغمبرؐ کے لئے دنیا کے دامن کو سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کے لئے اس کی وسعتیں مہیا کردی گئیں ۔ دنیا کی چھاتی سے آپ نے دودھ نہیں پیا اور اس کی آرائشوں سے آپ کا رخ موڑ دیا گیا۔ انہوں نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا اور اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا وہ دنیا میں سب سے زیادہ شکم تہی کی حالت میں سیر کرنے والے اور خالی پیٹ رہنے والے تھے ... رسولؐ خدا زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے غلاموں کی طرح سادگی سے بیٹھتے تھے اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے اپنے ہاتھ سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے...آپ دنیا سے بھوکے نکل کھڑے ہوئے اور آخرت میں سلامتی کے ساتھ پہونچ گئے''۔

۲۔ دوسرا نمونہ حضرت موسیٰؑ ہیں۔ جنہوں نے اللہ سے کہا کہ پالنے والے تو مجھ پر جو نعمت بھی نازل کرے گا میں اس کا محتاج ہوں (قصص ۲۴)

خدا کی قسم موسیٰؑ نے صرف بھوک برطرف کرنے کے لئے روٹی کا سوال کیا تھا کیوں کہ وہ زمین سے اگنے والی سبزی کھاتے، لاغری اور جسم پر گوشت نہ ہونے کے سبب ان کے پیٹ کی نازک جلد سے وہ سبزی دکھائی دیتی تھی۔

۳۔تیسرا نمونہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں ''اگر تم چاہتے ہو تو تیسری مثال حضرت داؤدؑ کی سامنے رکھ لو وہ صاحب زبور اور اہل جنت کے قاری ہیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کی ٹہنیوں کی ٹوکریاں بنایا کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ تم میں سے کون شخص انہیں بیچ کر میری دستگیری کریگا۔ پھر اس سے جو قیمت ملتی اسی سے جو کی روٹی کھا کر قناعت کرتے تھے۔

۴۔ چوتھا نمونہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ ''اگر تم عیسیٰؑ کے بارے میں سننا چاہتے ہو تو سنو وہ سر کے نیچے پتھر کا تکیہ رکھتے، سخت اور کھردرا لباس پہنتے، نان خشک کھاتے تھے۔ سالن کی جگہ بھوک اور رات کے چراغ کی جگہ چاند اور سردیوں میں سایہ کے بجائے ان کے سر پر زمین کے

مشرق ومغرب کا سائبان ہوتا تھا اور زمین جو گھاس پھوس چوپایوں کے لئے اگاتی تھی وہ ان کے لئے پھل پھول کی جگہ تھی۔ نہ ان کی بیوی تھی جو انہیں دنیا کے جھمیلوں میں فریفتہ کرتی۔ نہ بال بچے تھے کہ ان کے لئے فکر واندوہ کا سبب بنتے۔ نہ مال ومتاع تھا کہ ان کی توجہ موڑتا اور نہ کوئی طمع تھی کہ انہیں رسوا کرتی، ان کی سواری ان کے دونوں پاؤں اور خادم ان کے دونوں ہاتھ تھے۔

حضرت علیؑ نے بڑے حسین اور دلچسپ انداز میں برگزیدگان خدا کے ذریعہ آسمانی زہد کا مفہوم سمجھایا اور اسلامی معاشرہ کو یہ سبق دیا کہ علوی معاشرہ کا نقشہ خاصان خدا کے زہد کے نمونہ کی بنیاد پر تیار کیا جائے تاکہ وہ معاشرہ ہر طرح کی تڑک بھڑک اور شیطانی اخراجات سے محفوظ رہ کر راہ خدا پر چلتا رہے۔

حاشیہ:

۱۔ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡراً (احزاب : ۳۳۔ ۳۳) اے اہل بیتؑ خدا کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تم کو ہر رجس وکثافت سے دور رکھے اور تمہیں ہر عیب سے پاک وپاکیزہ رکھے۔

۲۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ وَالَّذِیۡنَ آمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ رَاکِعُوۡن (المائدہ: ۵۵۔ ۵) تمہارا ولی امر صرف خدا اس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (عامہ اور خاصہ کا اتفاق ہے کہ اس سے حضرت علیؑ مراد ہیں۔)

۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِی نَفۡسَہُ ابۡتِغَاءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَؤُفٌ بِالۡعِبَادِ (البقرہ : ۲۰۷ ۔ ۲) کچھ لوگ ایسے ہیں (مراد حضرت علیؑ ہیں) جو اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے لئے بیچ دیتے ہیں خدا ایسے بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ (شب ہجرت علیؑ نے پیغمبر کے بستر پر لیٹ کر آپ کی جان بچائی)

۴۔ محمد مہدی علی قلی، سیمائے نہج البلاغہ، ص ۱۸ منقول از سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی جلد ۲ ص ۴۱۴

۵۔ شیخ عباس قمی، کلیات مفاتیح الجنان، دعای ندبہ

۶۔ محمد مہدی علی قلی، سیمائے نہج البلاغہ ص ۱۵

۷۔ مصطفیٰ دلشاد تہرانی، ارباب امانت ص ۱۱

۸۔ نہج البلاغہ، ترجمہ استاد علی اصغر فقیہی، صبحی صالح کا نسخہ

۹۔ ۱۔ حضرت آدمؑ، ۲۔ حضرت ابراہیمؑ، ۳۔ حضرت اسماعیلؑ، ۴۔ حضرت اسحاقؑ، ۵۔ حضرت موسیٰؑ
۶۔ حضرت ہارونؑ ۷۔ حضرت داؤد، ۸۔ حضرت سلیمانؑ ۹۔ حضرت عیسیٰ ۔ ۱۰۔ حضرت محمدؐ

۱۰۔ دہخدا، لغت نامہ لفظ زہد

۱۱۔محمد بندر ریگی ،ترجمہ منجد الطلاب ، لفظ زہد

۱۲۔ابراہیم انیس المعجم الوسیط جلد ۱، لفظ زہد کے ذیل میں

۱۳۔ الراغب ، الاصفہان ، مفردات الفاظ القرآن، لفظ زہد کے ذیل میں

۱۴۔ ابراہیم انیس المعجم الوسیط ، جلد لفظ زہد کے ذیل میں

۱۵۔ الشریف الجرجانی ، التعریفات، لفظ زہد کے ذیل میں

۱۶۔ دلشاد تہرانی ، رہزنان دین ص ۹۳

۱۷۔مطہری، سیری در نہج البلاغہ ص ۲۱۶

۱۸۔ھو الاول والآخر والظاھر والباطن (الحدید:۳۔۵۷)

۱۹۔مطہری ، سیری در نہج البلاغہ ص ۲۱۰

۲۰۔ قاسمی ، جواد، الگوہای اخلاق در نہج البلاغہ ص ۱۲

مدارک:

۱۔ اصفہانی ، الراغب ، العلامہ ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بہ الراغب الاصفہانی ،مفردات الفاظ القرآن تصحیح ابراہیم شمس الدین، دار الکتب العلمیہ ، بیروت الطبقہ الاولیٰ ،۱۴۱ ہجری قمری لبنان

۲۔ انیس ڈاکٹر ابراہیم ، المکتبہ الاسلامیہ استنبول ،ترکی

۳۔ بندر ریگی، محمد، ترجمہ منجد الطلاب ، انتشار اسلامی ، طبع چہارم ۱۳۶۴ ہجری شمسی تہران ، ایران

۴۔ الجرجانی ، السید الشریف ابی الحسن علی بن محمد بن الحسینی الحنفی ۸۱۶ ہجری ، التعریفات ، دار الکتاب العلمیہ ، الطبقہ الاولیٰ ، ۱۴۲۰ ھ ق، بیروت ، لبنان

۵۔ دلشاد تہرانی، مصطفیٰ ، رہزنان دین ،انتشارات دریا، طبع چہارم، ۱۳۷۹ ہجری شمسی ،تہران، ایران

۶۔دلشاد تہرانی، رہزنان دین، انتشارات دریا ، طبع دوم ۱۳۸۲ شمسی ،تہران ایران مصطفیٰ

۷۔دہخدا ، علی اکبر لغت نامہ، انتشارات دانشگاہ تہران مطبوعہ اوّل ۱۳۷۳ ہجری شمسی ، تہران ، ایران

۸۔علی قلی ، محمد مہدی ، سیمای نہج البلاغہ، نشر تاریخ وفرہنگ مطبوعہ سوم ۱۳۸۰ ، تہران ، ایران

۹۔ فقیہی ، علی اصغر ، نہج البلاغہ، اساس نسخہ صبحی صالح ، انتشارات مشرقین ، مطبوعہ اول۔ ۱۳۸۰ قم، ایران

۱۰۔قمی شیخ عباس ، مفاتیح الجنان ، ترجمہ استاد الہی قمشہ ای، نشر مومنین ، طبع دوازدہم ، ۱۳۸۴ ہجری شمسی ، قم ، ایران

۱۱۔ مطہری ، مرتضیٰ ، سیری در نہج البلاغہ ، انتشارات صدرا ، مطبوعہ ششم ۱۳۶۸ ، ایران

❊❊❊

نہج البلاغہ اور خدا شناسی

جاوید اقبال قزلباش

موجودہ صدی کو علم و آگہی اور ذہن و شعور کی بیداری سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیرت انگیز تلخ حقیقت ہے کہ مادی ترقی کی دوڑ میں انسان اپنی حقیقی راہ و روش سے منحرف ہوتا چلا جارہا ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دور حاضر میں خداشناسی اور معرفت الٰہی کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔ دین شناسی اور اخلاقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ آزادی کے نام پر بے بند و باری اور اختلاط مرد و زن کی زمین ہموار کی جارہی ہے۔ عریانیت و برہنگی کے اس انسانیت سوز ماحول میں راہ نجات کی نشاندہی اور نابودی کے کگار پر کھڑی ہوئی انسانی دنیا کی ہدایت و رہنمائی ایک امر لازمی ہے اور اس کام کے لئے مولای متقیان کے خطبات و مکتوبات اور گرانقدر و موعظانہ و مختصر کلمات سے بہتر کچھ نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ مشہور و معروف جملہ سبھی لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔ میرے معبود! تیرے اور ہمارے درمیان جو پردے حائل ہیں اگر وہ درمیان سے ہٹالئے جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ (ادارہ)

آج انسانیت کفر و نفاق و ارتداد و فسوق و عصیان کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ ایک طرف سائنسی اور مادی ترقی کا گراف بلندترین سطح پر پہنچ چکا ہے اور اپنی سائنسی ترقی پر انسان ناز و فخر و مباہات کر رہا ہے تو دوسری طرف جہالت اور ظلم کا دور دورہ ہے۔ انسان مشرق کا ہو کہ مغرب کا جتنا آج اپنے تیئں آج غیر محفوظ اور خود کو خارزار خطر میں محسوس کر رہا ہے کبھی بھی اس کی ایسی حالت نہ تھی۔

وہ مادی ترقی جو خداشناسی کے بغیر ہو اس سے ویٹنام، افغانستان، عراق، بوسنیا، کشمیر اور گوانتاناموبے جیسے المیے جنم لیتے ہیں۔ صرف معنوی اقدار ہی انسان کی حفظ و بقا کے ضامن ہیں۔ آج کا انسان معنویت اور خداشناسی کی مخالف سمت میں سرپٹ دور سے دور بھاگے جارہا ہے جس سے وہ بہیمیت اور حیوانیت کی عمیق پاتال میں اتر آیا ہے۔ بنیادی انسانی اقدار، دینی نظریات، اعمال صالحہ ایک سراب اور خواب بن رہے ہیں۔ آج کا انسان جتنا اپنے ہم نوع سے ڈرتا ہے اتنا شاید وہ شیروں بھیڑیوں اور تمام دیگر درندوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ اسی لئے شاعر کو کہنا پڑا:

بات دوراں کی میں کرتا ہوں صرف زور قلم میں کرتا ہوں
خوف و دہشت کا دور آیا ہے سایۂ آدمی سے ڈرتا ہوں
دشت حیرت میں ایسے پھرتا ہوں روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں

یہی معنوی اقدار سے دوری ہے جس نے تہذیبوں کے درمیان جنگ جیسے نظریات کو جنم دیا اور آج روئے زمین پر ہر طرف خون بہتا نظر آرہا ہے۔ انسان کا خون، مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کا خون! استعماری حملوں سے بہتا ہوا خون!

مادی مفادات کے لئے اندھے بہرے اور دیوانے لٹیرے انسانیت پر چڑھ دوڑے ہیں اور ہر طرف خون بہا رہے ہیں۔ درندگی کے ان مظاہر پر انسانیت شرمسار ہے اور آدمیت، حمیت، غیرت، عفت جیسی صفات کسی کونے میں منہ چھپائے رو رہی ہیں۔ غرض انفرادی اور معاشرتی ہر دو سطوح پر ہر طرح کی برائیاں، مفاسد اور معائب خداناشناسی ہی کا شاخسانہ ہیں۔ ایک طرف تو ہماری معاشرتی اقدار کا ڈھانچہ شکست و ریخت کا شکار ہے اور دوسری طرف بزرگوں، مدرسوں، اساتذہ اور والدین کا مثبت تعمیری کردار گئے دنوں کی بات ہوگئی ہے۔

اسکولوں، مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فنی، طبیعی علوم اور انگریزی کا چرچا ہے جب کہ اساتذہ مثبت تعمیری اخلاقی رول ادا کرنے سے عاری ہوچکے ہیں۔ رہے والدین وہ اس مادی انحطاط پذیر دور میں معاشی مشکلات اور مشغولیات کے شکنجے میں کچھ اس طرح سے کسے جاچکے ہیں کہ ماں باپ دونوں ہی کولہو کے بیل کی طرح صبح سے رات تک کام کرکے اپنی اور اپنے بچوں کی دو وقت کی روٹی مشکل سے حاصل کرپاتے ہیں۔ شام ڈھلے یا رات گئے گھر کو لوٹ آنے والے اس حد تک خستہ و درماندہ ہوچکے ہوتے ہیں کہ بچوں کی شکلوں کی طرف دیکھنے کی بھی انہیں ہمت و فرصت نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ ان کی تربیت اور آرائش اخلاق کی طرف متوجہ ہوں۔ ایسی صورتحال میں الٰہی اقدار کی طرف توجہ اور ان کا فروغ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟ آج ملت اسلامی پر مادی و معنوی فقر لد چکا ہے۔ جب کہ دوسری قومیں اس حد تک گرفتار شومی روزگار نہیں ہیں۔ ان کے پاس وقت ہے، سرمایہ ہے، فرصت اور تحقیق کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے میں مسلم اقوام کو خدا ناشناسی کے اس دور میں الٰہی فکروں کے احیا کے لئے ان تمام منابع کی طرف توجہ کرنی چاہئے جن کی طرف توجہ اساسی اور حیاتیاتی اہمیت کی حامل ہے۔ ان منابع میں قرآن و حدیث نبوی کے بعد سرفہرست ''نہج البلاغہ'' کے

وہ ایمان افروز خطبے ہیں جو امیر المومنین حضرت علیؑ نے باب مدینۃ العلم کے عنوان سے دنیا کے سامنے پیش کئے اور یہ معادن علم رہتی دنیا تک مسلمانوں ہی کے لئے نہیں عالم بشریت کے لئے انقلابی فکر، تحرک، خداشناسی، اخلاقیات، قواعد معاشرت وحکومت، علم وتعلم کے سرچشمے کے طور پر انسانی فلاح کی تمام اقدار کو روشن اور منور کرتے رہیں گے۔

یہ خطبات معاشرے میں خداشناسی اور معارف الٰہیہ کی ترویج و احیا میں مددگار و معاون ہوں گے اور اگر ان خطبات کو مختلف سطوح پر تعلیمی نصاب میں شامل کرلیا جائے تو اس سے ملکی سطح پر ایسا فکری اور معاشرتی انقلاب آ سکتا ہے کہ مثبت اسلامی اور اخلاقی اقدار کا احیاء اور ہر قسم کے جرائم کی بیخ کنی ہوجائے گی اور انسانی رویوں میں سدھار آ جائے گا۔ علما، دانشوروں، خطیبوں، اہل قلم اور شعرا و ادبا کے لئے تو یہ خطبے نسخے اکسیر ہیں۔ یہ ان کے کلام اور بیان میں وہ ندرت، زور اور صداقت پیدا کریں گے جو معاشرے کی عمومی فلاح کی ضمانت ہوگی۔ حکام اور مقتدر شخصیات کے علاوہ صحافیوں، عدلیہ کے معزز ارکان اور بیوروکریسی کے لئے بھی ان کا مطالعہ نفع بخش ہوگا کیونکہ خدا کی معرفت ہی تمام انسانی اعمال کا مدار ومحور ہے۔

حق اور حقیقت کے متلاشی جانتے ہیں کہ توحید کائنات کی سب سے عظیم اور اٹل حقیقت ہے۔ ابتدائے آفرینش ہی سے تمام مخلوقات اسی کی جستجو میں سرگرداں رہی ہیں۔ یہ تلاش انسانی فطرت کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور اسی لئے اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام" یعنی تمام کے تمام مولود فطری طور پر اسلام ہی پر ہوتے ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین توحیدی پیغام لے کر مبعوث ہوئے اور تمام ادیان کی ابتدائی شکل توحید ہی پر مبنی تھی جسے بعد میں ان کے پیروکاروں نے شرک و بدعت کی آمیزش کرکے بدہیئت کردیا۔ کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تو کہیں ان کی والدہ ماجدہ کو خدا کا ہمسر قرار دے کر تثلیث کا عقیدہ ایجاد کیا گیا۔

ادیان عالم سے بھی پہلے توحید کا تصور قرآن کے مطابق انسان کی خلقت سے پہلے اس کے وجدان میں ودیعت کردیا گیا تھا۔ اسی لئے انسان فطرتاً خدا جو اور خداپرست ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے: "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِی آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ـ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَکَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ (سورہ اعراف ۱۷۳ و ۱۷۴)

یعنی اے رسولؐ! وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد کو پشتوں سے باہر نکال کر ان کی اولاد سے خود ان کے سامنے اقرار کرالیا اور پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، تو سب کے سب بولے ہاں کیوں نہیں ہم اس کے گواہ ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں تم قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے یا یہ کہہ دو کہ (ہم کیا کریں) ہمارے تو باپ داداؤں ہی نے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے کہ ان کے بعد (دنیا میں آئے) تو کیا تو ہمیں ان لوگوں کے جرم کی سزا میں ہلاک کرے گا جو پہلے ہی باطل کر چکے تھے؟

یہ عالم بشریت کی توحید شناسی سے متعلق ابتدائی Back feeding یا تغذیہ معنوی ہے جو روز الست کو انجام پایا اور اسی کی بنیاد پر انسان دنیا میں زندگی بھر اپنے خدا یعنی خالق کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے اور اسی تلاش کی راہیں طے کرتے ہوئے کمال کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا نقطۂ کمال مطلق ذات خداوند تعالیٰ ہے جس کو پالینے کی وہ زندگی بھر جستجو اور سعی کرتا ہوا ارتقائی مدارج طے کرتا چلا جاتا ہے اور انسانی زندگی کی یہی منہاج اور روش ہے۔ حدیث کے مطابق: کل مولود و یولد علی فطرۃ الاسلام" ہر انسان دنیا میں آتا ہے تو وہ اسلام ہی کی فطرت پر ہوتا ہے جب کہ ماحول یا گھرانہ اسے نصرانی، یہودی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ گویا خداپرستی اور توحید شناسی اللہ کی طرف سے اور گمراہی اور کجروی ماحول کی عطا کردہ ہے اور چونکہ خدا نے اجمالاً فطرت میں انسان کو توحیدی بنایا ہے لہٰذا قیامت کے دن کسی نفس کی خدا پر حجت نہیں ہوگی بلکہ خدا کی حجت سب پر قائم ہوگی۔ توحید چونکہ کائنات میں سب سے اہم موضوع ہے اس لئے انسان کی فطرت میں اسے ودیعت کردیا گیا ہے۔ مگر توحید شناسی اور معرفت خدا کا حق ادا کرنا مخلوق اول ہی کا حصہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ "ما عرف اللّٰہ الا انا و علیؑ و ما عرفنی الا اللّٰہ و علیؑ و ماعرف علیؑ الا اللّٰہ و انا"[1] یعنی خدا کو کسی نے نہیں پہچانا مگر میں نے اور علیؑ نے اور مجھے کسی نے نہیں پہچانا مگر اللہ اور علیؑ نے اور علیؑ کو کسی نے نہیں پہچانا سوائے اللہ اور میرے۔

قرآن معرفت خدا کا حقیقی سرچشمہ ہے

عقائد کے نقطۂ نظر سے قرآن کے بیشتر مفاہیم و مطالب توحید سے متعلق ہیں، بلکہ اس کا سورۂ اخلاص تو انہیں مطالب سے مختص ہے۔ چنانچہ اس کی تلاوت کا ثواب ایک تہائی قرآن کی تلاوت

کے ثواب کے برابر ہے۔ تمام کے تمام پیغمبر دنیا میں خداشناسی اور معرفت عقیدۂ توحید کے لئے مبعوث ہوئے اور انھوں نے "قولوا لا الہ الا اللّٰہ تفلحوا" کا پیغام عام کیا۔ یعنی لا الہ الا اللّٰہ کہو اور فلاح پاجاؤ۔ گویا فلاح انسانیت عقیدۂ توحید میں مضمر ہے۔ قرآن کا پہلا سورہ حمد معرفت خدا سے انسان کو سرشار کردیتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں جگہ جگہ شرک اور مشرکین کی مذمت اور توحید کا وصف آیا ہے۔

کلمہ توحید کی عظمت

تمام کے تمام اعمال میں ریا کا شائبہ ہوسکتا ہے مگر کلمہ "لا الہ الا اللّٰہ" مومن کے قلب کی گہرائی سے نکلتا اور عمل کا یہ حصہ براہ راست بلند ہوتا ہے جب کہ باقی تمام اعمال فرشتوں کے ذریعے مرتفع ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہ قول خدا ہے کہ "الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ"[۲] اور اس کی بارگاہ تک اچھی باتیں (کلمہ لا الہ الا اللّٰہ) بلند ہوکر پہنچتی ہیں اور اچھے کاموں کو وہ خود بلند فرماتا ہے۔

توحیدی تصورات اور ادعیہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحیدی تصورات کا ایک اور عظیم الشان سرچشمہ اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے مختلف مجموعے ہیں جن میں سرفہرست ''صحیفۂ علویہ'' اور ''صحیفۂ سجادیہ'' ہیں۔ ان دعاؤں میں خداوند تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی صفات کے ایسے بیان موجود ہیں جو انسان کو توحیدی تصورات اور معرفت ربانی سے سرشار کردیتے ہیں۔ وہ خدا کی حمد ویسے ہی کرتے ہیں جیسی کہ خود خدا نے بیان کی ہے اور جس کے وہ لائق اور سزاوار ہے۔

یہ معرفت خدا اور توحید کے وہ زلال و شفاف سرچشمے ہیں جن سے معارف الٰہیہ کے پیاسے صدیوں سے سیراب ہوتے رہے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔

علوم و معارف نہج البلاغہ

نہج البلاغہ کے مترجم حجۃ الاسلام مفتی جعفرحسین مرحوم کتاب کے مقدمے میں اس کا تعارف کچھ اس انداز میں کراتے ہیں: نہج البلاغہ علوم و معارف کا وہ گران بہار سرمایہ ہے جس کی اہمیت وعظمت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور ہر عہد کے علما و ادبا نے اس کی بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ یہ صرف ایک ادبی شاہکار ہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کا الہامی صحیفہ، حکمت واخلاق کا سرچشمہ اور معارف ایمان وحقائق تاریخ کا ایک انمول خزانہ ہے جس کے گوہر آب دار علم وادب کے دامن کو زرنگار

بنائے ہوئے ہیں اور اپنی چمک دمک سے جو ہر شناسوں کو محو حیرت کیے ہوئے ہیں۔ افصح العرب کے آغوش میں پلنے والے اور آب وحی میں ڈھلی ہوئی زبان چوس کر پروان چڑھنے والے نے اس میں بلاغت کلام کے وہ جوہر دکھائے کہ ہر سمت سے فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

یہ نثر اس دور کی نثر ہے جب عربوں کی طاقت وجوش گفتار صرف نظم تک محدود تھی۔ ریگزار عرب پر بستر لگا کے آزادی کی فضا میں پُر بہار زندگی گزارنے والے فرزندان صحرا شعر ونظم اور تخیل ومحاکات کے لازوال نقوش تو چھوڑ گئے مگر جہاں جہاں تک نثر کا تعلق ہے ان کے جیب ودامن میں کوئی ایسا گوہر شاہوار نہ تھا جسے بطور تفاخر پیش کرتے اور اہل عالم کو اپنے مقابلے میں للکارتے۔ دامن اسلام میں اگرچہ قرآن کریم ایسا عربی نثر کا زندہ معجزہ موجود ہے مگر اسے اپنے قائل کی عظمت وجلالت اور اعجازی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے انسانی کلام کے مقابلے میں نہیں لایا جاسکتا۔ اسی طرح پیغمبرؐ کے اقوال وارشادات اگرچہ معنوی لحاظ سے وسیع اور ہمہ گیر ہیں مگر لفظی اعتبار سے وہ اختصار بداماں ہیں۔ چنانچہ پیغمبرؐ اکرم کا ارشاد "اوتیت جوامع الکلم" اس کا شاہد ہے کہ آپ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مطالب سمیٹ لیتے تھے۔ اسی لئے آپ کے خطب ومکاتیب مختصر ہوتے تھے۔

یہ باب مدینۃ العلم ہی کی ذات تھی جس نے علم وحکمت کے بند دروازے کھولے، نطق وفصاحت کے پرچم لہرائے اور علمی ذوق کو پھر سے زندہ کیا۔ باوجودیکہ آپ کا دور سکون واطمینان سے یکسر خالی تھا اور ہوس اقتدار کی فتنہ سامانیوں نے اسے اپنی جولا نگاہ بنا رکھا تھا مگر ان رات دن کی لڑائیوں، چپقلشوں کے باوجود آپ نشر علوم ومعارف کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ آپ نے کبھی تلوار کی جھنکار اور خون کی بارش میں علم وحکمت کے رموز بتائے اور کبھی ذہنی الجھاؤ اور افکار کے ہجوم میں ارشاد وہدایت کے فرائض سرانجام دیئے۔ چنانچہ اس مجموعہ کے خطب ومکاتیب میں دو چار خطبوں اور ایک آدھ خط کے علاوہ تمام تحریریں اسی دور کی تخلیق ہیں کہ جب آپ ظاہری خلافت پر ایک دن بھی اطمینان ودلجمعی سے نہ بیٹھ سکے تھے۔ یہ بلاغت کے رگ وپے میں سرایت کر جانے کا نتیجہ ہے کہ اس انتشار اور پراگندگی خاطر کے باوجود نہ کلام میں انتشار وبرہمی پیدا ہوئی، نہ عبارت کے تسلسل وہم آہنگی میں فرق آنے پایا، یہی نہیں بلکہ ہر موقع پر اسلوب بیان کی ایک رنگی اپنے

خصوصی امتیازات کے ساتھ برقرار رہتی ہے۔

امیر المومنینؑ نے علمی حقائق کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ علم کے نشو ونما میں بھی پورا حصہ لیا اور عربی نثر کو نہ صرف حد کمال تک پہنچایا بلکہ فلسفیانہ نظر وفکر کو ادبی لطافتوں میں سمو کر ایک نئے طرز تحریر کی داغ بیل ڈالی، جس کی اس زمانہ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ فلسفہ وحکمت کے حقائق اور الٰہیات کے دقیق مسائل کو اس طرح بیان کرنا کہ کلام کی بلاغت، بیان کی ندرت اور طرز ادا کی لطافت میں کہیں جھول نہ آئے بہت دشوار ہے، کیونکہ ہر فن کا ایک خاص لب ولہجہ، خاص پیرایہ اور خاص طریقہ بیان ہوتا ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ علمی مطالب میں نہ بلیغانہ تعبیرات کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ان میں اعلیٰ معیار بلاغت کو باقی رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ ٹھوس حقائق کی وادی میں بلاغت کو ڈھونڈھنا بیکار ہے۔ فقہی عبارتیں کلام و جدل کی تحریریں اور علمی وفنی تعبیریں اسلوب بلاغت سے میل نہیں کھاتیں۔

اہل فن کے ذہنوں میں جو مخصوص تعبیرات محفوظ ہوتی ہیں وہ انہی کو دہرانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ اگر اپنے بیان میں شعریت لانا بھی چاہیں تو ہر پھر کے وہی الفاظ اور وہی تعبیریں ہوں گی جو ان کی زبانوں پر چڑھ کر منجھ چکی ہیں، لیکن امیر المومنینؑ کے کلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ اس میں ادب کی سحر انگیزی اور علم وحکمت کی باریک نگاہی دونوں جمع ہوگئی ہیں اور کسی پہلو میں بھی کمزوری کا شائبہ تک نہیں آنے پاتا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ وہ پہلے مفکر اسلام ہیں جنہوں نے خداوند عالم کی توحید اور اس کے صفات پر عقلی نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں وہ علم الٰہیات میں نقش اول بھی ہیں اور حرف آخر بھی۔ ان کی بلند نظری ومعنی آفرینی کے سامنے حکما و متکلمین کی ذہنی رسائیاں ٹھٹک کر رہ جاتی ہیں اور نکتہ رس طبیعتوں کو عجز و نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو مخلوقات کی نیرنگیوں سے خالق کی صنعت آفرینیوں پر استدلال کیا ہی جاتا ہے لیکن جس طرح مولای متقیان حضرت علیؑ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی اور پست سے پست مخلوق میں نقاش فطرت کی نقش آرائیوں کی تصویر کھینچ کر صانع کے کمال صنعت اور اس کی قدرت وحکمت پر دلیل قائم کرتے ہیں وہ ندرت بیان اور اعجاز کلامی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

ان خطبات و نگارشات میں جہاں ما بعد الطبیعاتی ونفسیاتی مسائل کے علاوہ اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اصول، عدل و دادخواہی کے حدود، حرب وضرب کے ضوابط اور عمال ومحصلین زکوٰۃ کے لئے ہدایات نمایاں حیثیت رکھتی ہیں، وہاں ایک ایسا مکمل و جامع دستور حکومت بھی ان صفحات کی زینت ہے جس

کی افادیت اس ترقی یافتہ دور میں بھی مسلم ہے کہ جب سیاست مدنی کے اصول اور جمہوری اور غیر جمہوری حکومتوں کے آئین منضبط ہو چکے ہیں۔ یہ صرف نظریاتی چیز نہیں بلکہ ایک عملی لائحہ ہے، جس پر مسلمانان عالم بڑی آسانی سے عمل پیرا ہوکر دنیوی و اخروی ارتقا کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکتے ہیں۔

نہج البلاغہ میں جہاں ترک دنیا کی تعلیم ہے اس سے رہبانیت قطعاً مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان دنیوی سرور سامان پر بھروسہ نہ کر بیٹھے کہ یہ صبح ہے تو شام نہیں اور شام ہے تو صبح نہیں اور اس کی کامرانیوں اور دلفریبیوں میں کھو کر حیات بعد الممات سے غافل نہ ہو جائے۔ یہ مقصد نہیں کہ اس کی نعمتوں اور آسائشوں سے کلیۃً دستبردار ہو جائے۔ وہ انہیں حد اعتدال میں استعمال کر سکتا ہے۔

نہج البلاغہ اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اس کے مختصر جملے اور ضرب الامثال اخلاقی شائستگی، خود اعتمادی، حق گوئی اور حقیقت شناسی کا بہترین درس دیتی ہے۔ اس کے ہر ہر فقرہ میں قرآن و حدیث کی روح اور اسلام کی صحیح تعلیم مضمر ہے۔ کیونکہ بقول شاعر:

علیؑ ہیں قاری قرآں حقیقت میں مگر قرآں — ہوا یہ راز بھی ہم پر عیاں نہج البلاغہ میں
رہے گا سلسلہ عرفان کا جاری قیامت تک — کہ ہر خطبہ ہے بحر بے کراں نہج البلاغہ میں

ذیل میں ہم نے نہج البلاغہ سے چند ایسے خطبوں کا انتخاب پیش کیا ہے جو خدا شناسی اور معرفت توحید کے سرچشمے اور مرقعات ہیں اور حق و حقیقت کے آئینہ دار یہ خطبے ہر دور سے زیادہ اس دور کے لوگوں کے لئے حیاتیاتی اہمیت کے حامل ہیں جس میں خداشناسی کے فقدان کی بنا پر ہر طرف خون بہہ رہا ہے۔ مذہب کی غلط توجیہات اور تاویلات سامنے آرہی ہیں۔ انسانی حقوق کا کوئی تصور نہیں رہا چونکہ انسان اور خدا کے درمیان رابطہ دن بدن کمزور اور ضعیف ہوتا چلا جارہا ہے۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے، نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پاسکتی ہیں، اور نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال ذات کی کوئی حد نہیں۔ نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں، نہ اس کی ابتدا کے لئے کوئی وقت ہے جسے شمار میں لایا جاسکے نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہو۔

دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے، کمال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے، کیونکہ ہر

صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی، جس نے دوئی پیدا کی اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزا کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا، اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کردی اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کرلیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں موجود ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے نہ جسمانی اتصال کی طرح وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے نہ جسمانی دوری کے طور وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آفات کا محتاج نہیں۔ وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی۔ وہ یگانہ ہے اس لئے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہوجائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بیتاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا، بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا۔

خدا کی جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ ہمارا خدائے بزرگ و برتر ہمیشہ سے عین علم رہا حالانکہ معلوم ابھی کتم عدم میں تھا اور عین سمع و بصر رہا حالانکہ نہ کسی آواز کی گونج بلند ہوئی تھی اور نہ کوئی دکھائی دینے والی چیز تھی، اور عین قدرت رہا حالانکہ قدرت کے اثرات قبول کرنے والی کوئی شے نہ تھی۔ پھر جب اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم معلومات پر پوری طرح منطبق ہوا خواہ وہ سنی جانے والی صدائیں ہوں یا دیکھی جانے والی چیزیں ہوں اور مقدور کے تعلق سے اس کی قدرت نمایاں ہوئی۔ ۳

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے۔ اس کے ظاہر و ہویدا ہونے کی نشانیاں اس کے وجود کا پتہ دیتی ہیں گو دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتا۔ پھر بھی دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کرسکتی اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو

نہیں پاسکتا۔ وہ اتنا بلند اور قریب سے قریب ہے کہ کوئی شے اس سے قریب تر نہیں ہے نہ اس کی بلندی نے اسے مخلوقات سے دور کردیا ہے اور نہ اس کے قریب ہونے نے اسے دوسروں کی سطح پر لاکر ان کے برابر کردیا ہے۔ اس نے عقلوں کو اپنی صفتوں کی حد و نہایت پر مطلع نہیں کیا اور ضروری مقدار میں معرفت حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے پردے بھی حائل نہیں کئے۔ وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اس طرح کی شہادت دیتے ہیں کہ زبان سے انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے جو مخلوقات سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں، اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ ۴۹

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی ایک صفت سے دوسری صفت کو تقدم نہیں کہ وہ آخر ہونے سے پہلے اول اور ظاہر ہونے سے پہے باطن رہا ہو۔ اللہ کے علاوہ جسے بھی ایک کہا جائے گا، وہ قلت و کمی میں ہوگا۔ اس کے سوا ہر باعزت ذلیل اور ہر قوی کمزور و عاجز اور ہر مالک مملوک اور ہر جاننے والا سیکھنے والے کی منزل میں ہے۔ اس کے علاوہ ہر قدرت و تسلط والا کبھی قادر ہوتا ہے، اور کبھی عاجز اور اس کے علاوہ ہر سننے والا خفیف آوازوں کے سننے سے قاصر ہوتا ہے اور اونچی اور گرجدار آوازیں اپنی گونج سے اسے بہرہ کردیتی ہیں اور دور کی آوازیں اس تک نہیں پہنچتی ہیں، اور اس کے ماسوا ہر دیکھنے والا مخفی رنگوں اور لطیف جسموں کے دیکھنے سے نابینا ہوتا ہے۔ کوئی ظاہر اس کے علاوہ باطن نہیں ہوسکتا اور کوئی باطن اس کے سوا ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اس نے اپنی کسی مخلوق کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ اپنے اقتدار کی بنیادوں کو مستحکم کرے یا زمانے کے عواقب و نتائج سے اسے کوئی خطرہ تھا۔ یا کسی برابر والے کے حملہ آور ہونے یا کثرت پر اترانے والے شریک یا بلندی میں ٹکرانے والے مدمقابل کے خلاف اسے مدد حاصل کرنی تھی بلکہ یہ ساری مخلوقات بندگی کا درجہ رکھتی ہیں۔

وہ دوسری چیزوں میں سمایا ہوا نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ان کے اندر ہے اور نہ ان چیزوں سے دور ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ان چیزوں سے الگ ہے۔ ایجاد خلق اور تدبیر عالم نے اسے خستہ و درماندہ نہیں کیا، اور نہ (حسب منشا) چیزوں کے پیدا کرنے سے عجز اسے دامن گیر ہوا ہے، اور نہ اسے اپنے فیصلوں اور اندازوں میں شبہ لاحق ہوا ہے۔ بلکہ اس کے فیصلے مضبوط، علم محکم، اور احکام قطعی ہیں۔ مصیبت کے وقت بھی اسی کی آس رہتی ہے اور نعمت کے وقت بھی اس کا ڈر لگا رہتا ہے۔

(خطبہ ۶۳ ص ۱۹۰)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو یکتا و لاشریک ہے۔ وہ اول ہے اس طرح کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ وہ آخر ہے یوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی کسی صفت سے وہم و گمان باخبر نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی کسی کیفیت میں دلوں کا عقیدہ جم سکتا ہے، نہ اس کے اجزا ہیں کہ ان کا تجزیہ کیا جا سکے اور نہ قلب و چشم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

خدا کے بندو! مفید عبرتوں سے پند و نصیحت اور کھلی ہوئی دلیلوں سے عبرت حاصل کرو، اور مؤثر خوف دہانیوں سے اثر لو، اور مواعظ و افکار سے فائدہ اٹھاؤ، کیونکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ موت کے پنجے تم میں گڑ چکے ہیں اور تمہاری امید و آرزو کے تمام بندھن ایک دم ٹوٹ چکے ہیں۔ سختیاں تم پر ٹوٹ پڑی ہیں اور (موت کے) چشمہ پر کہ جہاں اترا جاتا ہے، تمہیں کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے، اور ہر نفس کے ساتھ ایک ہنکانے والا ہوتا ہے، اور ایک شہادت دینے والا۔ ہنکانے والا اسے میدان حشر تک ہنکا کر لے جائے گا اور گواہ اس کے حملوں کی شہادت دے گا۔ ۵

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو نظر آئے بغیر جانا پہچانا ہوا ہے اور سوچ بچار میں پڑے بغیر پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اس وقت بھی دائم و برقرار تھا جب کہ نہ برجوں والا آسمان تھا نہ بلند دروازوں والے حجاب تھے، نہ اندھیری راتیں، نہ ٹھہرا ہوا سمندر نہ لمبے چوڑے راستوں والے پہاڑ، نہ آڑی ترچھی پہاڑی راہیں اور نہ یہ بچھے ہوئے فرشوں والی زمین اور نہ کس بل رکھنے والی مخلوق تھی۔ وہی مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کا وارث ہے اور کائنات کا معبود اور ان کا رازق ہے۔ سورج اور چاند اس کی منشا کے مطابق (ایک ڈھرّے پہ) بڑھے جانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں جو ہر نئی چیز کو فرسودہ اور دور کی چیزوں کو قریب کر دیتے ہیں۔ اس نے سب کو روزی بانٹ رکھی ہے۔ وہ سب کے عمل و کردار اور سانسوں کے شمار تک کو جانتا ہے۔ وہ چوری چھپی نظروں اور سینے کی مخفی نیتوں اور صلب میں ان کے ٹھکانوں اور شکم میں ان کے سونپے جانے کی جگہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، یہاں تک کہ ان کی عمریں اپنی حد و انتہا کو پہنچ جائیں۔ وہ ایسی ذات ہے کہ رحمت کی وسعتوں کے باوجود اس کا عذاب دشمنوں پر سخت ہے، اور عذاب کی سختیوں کے باوجود دوستوں کے لئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ جو اسے دبانا چاہے اس پر قابو پالینے والا، اور جو اس سے ٹکر لینا چاہے اسے تباہ و برباد کرنے والا اور جو اس کی مخالفت کرے اسے رسوا و ذلیل کرنے والا، اور جو اس سے دشمنی برتے اس پر غلبہ پانے والا ہے۔ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جو کوئی اس

نصبِ امام بندوں کے متعلق کرنے کی خرابیاں

جولوگ وجوب نصب امام بندوں کے متعلق کرتے ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ بندوں سے دفع ضرر کے لئے امام کی ضرورت ہے اور دفع ضرر خود بندوں پر واجب ہے۔لہٰذا نصب امام بھی بندوں پر واجب ہے۔اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ امامت کے دافع ضرر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن جس ضرر کے دفع کے لئے امامت کی ضرورت ہے۔وہی ضرر اس وقت لازم آتا ہے۔جب یہ وجوب بندوں کے متعلق کردیا جائے۔نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار ملا طاہر فتنی ملل ونحل شہرستانی میں حضرت عمرؓ کا یہ قول موجود ہے:

اِنَّ بَیْعَۃَ اَبِی بَکْرٍ کَانَتْ فلتة وقی اللّٰہُ شَرّھا

ابوبکر کی بیعت ایک اتفاقی وناگہانی واقعہ تھا جس کے شر سے اللہ نے بچالیا۔

نیز ملل ونحل شہرستانی میں ہے:

واعظم خلاف بین الامّۃ خلاف الامامۃ
اذماسلّ سیف قطّ علی قاعدۃ دینیّۃ
کماسلّ علی الامامۃ.

اُمت میں سب سے بڑا اختلاف امامت کا اختلاف ہے اس لیے کہ اتنی خون ریزی کسی قاعدہ دینیہ کے متعلق نہیں ہوئی۔جتنی خون ریزی امامت کے متعلق ہوئی۔

امامت کے متعلق خون ریزی کا سبب صرف یہ تھا کہ بندوں نے فریضہ نصب امام کو اپنا فریضہ سمجھ لیا تھا۔نصب امام من جانب اللہ ہونے میں نہ مسلمانوں

ختم ہوسکتا ہے، اور اس کے پاس پھر بھی انعام و اکرام کے اتنے ذخیرے موجود رہیں گے جنہیں لوگوں کی مانگ ختم نہیں کرسکتی، اس لئے کہ وہ ایسا فیاض ہے، جسے سوالوں کا پورا کرنا مفلس نہیں بنا سکتا، اور گڑگڑا کر سوال کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بخل پر آمادہ نہیں کرسکتا۔ اے اللہ کی صفتوں کو دریافت کرنے والو دیکھو! کہ جن صفتوں کا تمہیں قرآن نے پتہ دیا ہے ان میں تم اس کی پیروی کرو اور اسی کے نور ہدایت سے کسب ضیا کرتے رہو اور جو چیزیں کہ قرآن میں واجب نہیں اور نہ سنت پیغمبر و ائمہ ہدیٰ میں ان کا نام و نشان ہے اور صرف شیطان نے اس کے جاننے کی تمہیں زحمت دی ہے۔ اس کا علم اللہ ہی کے پاس رہنے دو اور یہی تم پر اللہ کے حق کی آخری حد ہے اور اس بات کو یاد رکھو کہ علم میں راسخ و پختہ لوگ وہی ہیں جو غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی ساری چیزوں کا اجمالی طور پر اقرار کرتے اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تفسیر و تفصیل نہیں جانتے ہیں اور یہی اقرار انہیں غیب پر پڑے ہوئے پردوں میں درانہ گھسنے سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے اور اللہ نے اس بات پر ان کی مدح کی ہے کہ جو چیز ان کے احاطۂ علم سے باہر ہوتی ہے وہ اس کی رسائی سے اپنے عجز کا اعتراف کرلیتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کی حقیقت سے بحث کرنے کی تکلیف نہیں دی اس میں تعمق و کاوش کے ترک ہی کا نام رسوخ رکھا ہے۔ بس اسی پر اکتفا کرو اور اپنے عقل کے پیمانہ کے مطابق اللہ کی عظمت کو محدود نہ بناؤ ورنہ تمہارا شمار ہلاک ہونے والوں میں قرار پائے گا۔

وہ ایسا قادر ہے کہ جب اس کی قدرت کی انتہا معلوم کرنے کے لئے وہم اپنے تیر چلا رہا ہو اور فکر ہر طرح کے وسوسوں کے ادھیڑبُن سے آزاد ہوکر اس کی قلمرو مملکت کے گہرے بھیدوں پر آگاہ ہونے کے درپے ہو اور دل اس کی صفتوں کی کیفیت سمجھنے کے لئے والہانہ طور پر دوڑ پڑے ہوں اور ذات الٰہی کو جاننے کے لئے عقلوں کی جستجو و تلاش کی راہیں حد بیان سے زیادہ دور تک چلی گئی ہوں، تو اللہ اس وقت جب وہ غیب کی تیرگیوں کے گڑھوں کو عبور کر رہی ہوتی ہیں ان سب کو ناکامیوں کے ساتھ پلٹا دیتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس طرح منہ کی کھا کر پلٹتی ہیں، تو انہیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بے راہ رویوں سے اس کی معرفت کی کھوج نہیں کی جاسکتی اور نہ فکر پیماؤں کے دلوں میں اس کی عزت کی تمکنت و جلال کا ذرا سا شائبہ آ سکتا ہے۔ وہ وہی ہے کہ جس نے مخلوقات کو ایجاد کیا بغیر اس کے کہ کوئی مثال اپنے سامنے رکھتا اور بغیر اس کے کہ اپنے سے پہلے کسی اور خالق و معبود کی بنائی ہوئی چیزوں کا چربہ اتارتا۔ اس نے اپنی قدرت کی بادشاہت اور ان عجیب چیزوں کے واسطہ سے کہ

جن میں اس کی حکمت و دانائی کے آثار منہ سے بول رہے ہیں، اور مخلوق کے اس اعتراف سے کہ وہ اپنے رکنے تھمنے میں اس کے سہارے کی محتاج ہے ہمیں وہ چیزیں دکھائی ہیں کہ جنہوں نے قہراً دلیل قائم ہو جانے کے دباؤں سے اس کی معرفت کی طرف ہماری راہنمائی کی ہے، اور اس کی پیدا کردہ عجیب و غریب چیزوں میں اس کی کاریگری کے نقش و نگار اور حکمت کے آثار نمایاں اور واضح ہیں۔ چنانچہ ہر مخلوق اس کی ایک حجت اور ایک برہان بن گئی ہے۔ چاہے وہ خاموش مخلوق ہو مگر اللہ کی تدبیر و کارسازی کی ایک بولتی ہوئی دلیل ہے اور ہستی صانع کی طرف اس کی رہنمائی ثابت و برقرار ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری ہی مخلوق سے ان کے اعضا کے الگ الگ ہونے اور تیری حکمت کی کارسازیوں سے گوشت و پوست میں ڈھکے ہوئے ان کے جوڑوں کے سروں کے ملنے میں تشبیہ دی، اس نے اپنے چھپے ہوئے ضمیر کو تیری معرفت سے وابستہ نہیں کیا اور اس کے دل کو یہ یقین چھو کر بھی نہیں گیا کہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ گویا اس نے پیروکاروں کا یہ قول نہیں سنا جو اپنے مقتداؤں سے بیزاری چاہتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ''خدا کی قسم! ہم تو قطعاً ایک کھلی ہوئی گمراہی میں تھے کہ جب ہم سارے جہان کے پالنے والے کے برابر تمہیں ٹھہرایا کرتے تھے، وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تجھے دوسروں کے برابر سمجھ کر اپنے بتوں سے تشبیہ دیتے ہیں اور اپنے وہم میں تجھ پر مخلوقات کی صفتیں جڑ دیتے ہیں، اور اپنے خیال میں اس طرح تیرے حصے بخرے کرتے ہیں جس طرح مجسم چیزوں کے جوڑ بند الگ الگ کئے جاتے ہیں اور اپنی عقلوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق تجھے مختلف قوتوں والی مخلوقات پر قیاس کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری مخلوقات میں سے کسی کے برابر جانا اس نے تیرا ہمسر بنا ڈالا، اور تیرا ہمسر بنانے والا تیری کتاب کی محکم آیتوں کے مضامین اور ان حقائق کا جنہیں تیری طرف کے روشن دلائل واضح کر رہے ہیں، منکر ہے۔ تو وہ اللہ ہے کہ عقلوں کی حد میں گھر نہیں سکتا کہ ان کی سوچ بچار کی زد پر آکر کیفیات کو قبول کرے اور نہ ان کے غور و فکر کی جولانیوں میں تیری ذات سمائی ہے کہ تو محدود ہو کر ان کے فکری تصرفات کا پابند بن جائے۔

اس نے جو چیزیں پیدا کیں ان کا ایک اندازہ رکھا مضبوط و مستحکم، اور ان کا انتظام کیا عمدہ و پاکیزہ، اور انہیں ان کی سمت پر اس طرح لگایا کہ نہ وہ اپنی آخری منزل کی حدوں سے آگے بڑھیں اور نہ انھوں نے منزل منتہا تک پہنچنے میں کوتاہی کی۔ جب انہیں اللہ کے ارادے پر چل پڑنے کا حکم دیا گیا، تو انھوں نے سر تابی نہیں کی اور وہ ایسا کر ہی کیونکر سکتی تھیں جب کہ تمام امور اسی کی مشیت و

ارادہ سے صادر ہوئے ہیں۔ وہ گوناگوں چیزوں کا موجد ہے بغیر کسی سوچ بچار کی طرف رجوع کئے اور بغیر طبیعت کی کسی جولانی کے کہ جسے دل میں چھپائے ہو اور بغیر کسی تجربہ کے کہ جو زمانہ کے حوادث سے حاصل کیا ہو اور بغیر کسی شریک کے کہ جو ان عجیب و غریب چیزوں کی ایجاد میں اس کا معین و مددگار رہا ہو، چنانچہ مخلوق بن بنا کر مکمل ہوگئی اور اس نے اللہ کی اطاعت کے سامنے سر جھکا دیا اور فوراً اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بڑھی۔ اسے اس کے راستے میں نہ کسی دیر کرنے والے کی سی سست رفتاری دامن گیر ہوئی اور نہ کسی حیل و حجت کرنے والے کی سی سستی اور ڈھیل حائل ہوئی۔ اس نے ان چیزوں میں ہم رنگی وہم آہنگی پیدا کی اور نفسوں کے رشتے (بدنوں سے) جوڑ دیے اور انہیں مختلف جنسوں پر بانٹ دیا جو اپنی حدوں، اندازوں، طبیعتوں اور صورتوں میں جدا جدا ہیں۔ یہ تو ایجاد مخلوق ہے کہ جس کی ساخت اس نے مضبوط کی ہے اور اپنے ارادے کے مطابق اسے بنایا اور ایجاد کیا۔

اسی خطبے کا ایک جز آسمان کے وصف میں ہے: اس نے بغیر کسی چیز سے وابستہ کئے آسمان کے شگافوں کے نشیب و فراز کو مرتب کر دیا اور اس کی دراڑوں کی کشادگیوں کو ملا دیا اور انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیا اور اس کے احکام کو لے کر اترنے والوں اور خلق کے اعمال کو لے کر چڑھنے والوں کے لئے اس کی بلندیوں کی دشوار گذاری کو آسان کر دیا۔ ابھی وہ آسمان دھوئیں ہی کی شکل میں تھے، کہ اللہ نے انہیں پکارا تو (فورا) ان کے تسموں کے رشتے آپس میں متصل ہوگئے۔ اس نے ان کے بند دروازوں کو بستہ ہونے کے بعد کھول دیا اور ان کے سوراخوں پر ٹوٹے ہوئے تاروں کے نگہبان کھڑے کر دیئے تاکہ وہ انہیں اپنے زور سے روک دیں کہ کہیں وہ ہوا کے پھیلاؤ میں ادھر ادھر نہ ہو جائیں، اور انہیں مامور کیا کہ وہ اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے اپنے مرکز پر ٹھہرے رہیں۔ اس نے فلک کے سورج کو دن کی روشن نشانی اور چاند کو رات کی دھندلی نشانی قرار دیا اور انہیں ان کی منزلوں پر چلایا اور ان کی گذرگاہوں میں ان کی رفتار مقرر کر دی تاکہ ان کے ذریعہ سے شب و روز کی تمیز ہو سکے اور انہی کے اعتبار سے برسوں کی گنتی اور دوسرے حساب جانے جا سکیں، پھر اس نے آسمانی فضا میں اس فلک کو آویزاں کیا اور اس میں اس کی آرائش کے لئے ننھے منے موتیوں ایسے تارے اور چراغوں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے آویزاں کئے اور چوری چھپے کان لگانے والوں شیاطین پر ٹوٹتے ہوئے تاروں کے تیر چلائے اور ستاروں کو اپنے جبر و قہر سے ان کے ڈھرے پر لگایا کہ کوئی ثابت رہے اور کوئی سیار۔ کبھی اتار ہو اور کبھی ابھار، اور کسی میں نحوست ہو اور

کسی میں سعادت۔

پھر اللہ سبحانہ نے اپنے آسمانوں میں ٹھہرانے اور اپنی مملکت کے بلند طبقات کو آباد کرنے کے لئے فرشتوں کی عجیب وغریب مخلوق پیدا کی۔ ان سے آسمان کے وسیع راستوں کا گوشہ گوشہ بھر دیا اور اس کی فضا کی وسعتوں کا کونا کونا چھلکا دیا، اور ان وسیع اطراف کی پہنائیوں میں تسبیح کرنے والے فرشتوں کی آوازیں قدس و پاکیزگی کی چار دیواریوں، اور عظمت کے گہرے حجابوں اور بزرگی و جلال کے سرپردوں میں گونجتی ہیں اور اس گونج کے پیچھے جس سے کان بہرے ہوجاتے ہیں تجلیات نور کی اتنی فراوانیاں ہیں کہ نگاہوں کو اپنے تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ ناکام و نامراد ہوکر اپنی جگہ ٹھہری رہتی ہیں۔ اللہ نے ان فرشتوں کو جدا جدا صورتوں اور الگ الگ پیمانوں پر پیدا کیا ہے۔ وہ بال و پر رکھتے ہیں اور اس کے جلال وعزت کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور مخلوق میں جو اس کی صفتیں اُجاگر ہوئی ہیں انہیں اپنی طرف نسبت نہیں دیتے اور نہ یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسی شے کو پیدا کرسکتے ہیں کہ جس کے پیدا کرنے میں خداوند تعالیٰ منفرد و یکتا ہے، بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں جو کسی بات کے کہنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اللہ نے انہیں وہاں اپنی وحی کا امانتدار اور اپنے اوامر ونواہی کی امانتوں کا حامل بنا کر رسولوں کی طرف بھیجا ہے اور شک وشبہات کے خدشوں سے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ تو ان میں سے کوئی بھی اس کی رضا جوئی کی راہ سے کترانے والا نہیں، اور اس نے اپنی توفیق و اعانت سے ان کی دستگیری کی، اور خضوع و خشوع کی عجز وشکستگی سے ان کے دلوں کو ڈھانپ دیا، اور تسبیح و تقدیس کی سہولتوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے، اور اپنی توحید کے نشانوں پر ان کے لئے روشن مینار نصب کئے۔ نہ گناہوں کی گرانباریوں نے انہیں دبا رکھا ہے نہ شب و روز کی گردشوں نے ان پر سواری کے لئے پالان ڈالے ہیں، اور نہ شکوک وشبہات نے ان کے ایمان کے استحکام پر تیر چلائے ہیں اور نہ ان کے یقین کی پختگیوں پر ظنون و اوہام نے دھاوا بولا ہے، اور نہ ان ک درمیان کبھی کینہ وحسد کی چنگاریاں بھڑکی ہیں، اور نہ حیرانی وسراسیمگی ان کے دلوں میں سرایت کی ہوئی معرفت اور ان کے سینے کی تہوں میں جمی ہوئی عظمت خداوندی و ہیبت جلال الٰہی کو چھین سکی ہے، نہ کبھی وسوسوں نے ان پر دندان آز تیز کیا ہے کہ ان کے فکروں کو زنگ وتکدر سے آلودہ کردیں۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے پیدا کردہ بوجھل بادلوں اور اونچے پہاڑوں کی بلندیوں اور گھٹاٹوپ اندھیروں کی سیاہیوں کی صورتوں میں ہیں،

اور ان میں کچھ وہ ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ کی حدوں کو چیر کر نکل گئے ہیں، تو وہ سفید جھنڈوں کے مانند ہیں جو فضا کی وسعت کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہیں اور ان پھریروں کے آخری سرے تک ایک ہلکی ہوا چل رہی ہے جو انہیں روکے ہوئے ہے۔ ان فرشتوں کو عبادت کی مشغولیت نے ہر چیز سے بے فکر بنادیا اور ایمان کے ٹھوس عقیدے ان کے لئے اللہ کی معرفت کا وسیلہ بن گئے ہیں اور یقین کامل نے اوروں سے ہٹا کر اسی سے ان کی لو لگادی ہے۔ اللہ کی طرف کی نعمتوں کے سوا کسی غیر کے عطا و انعام کی انہیں خواہش ہی نہیں ہوتی۔ انھوں نے معرفت کے شیریں مزے چکھے ہیں اور اس کی محبت کے سیراب کرنے والے جام سے سرشار ہیں، اور ان کے دلوں کی تہہ میں اس کا خوف جڑ پکڑ چکا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لمبی چوڑی عبادتوں سے اپنی سیدھی کمریں ٹیڑھی کرلی ہیں اور ہمہ وقت اسی کی طلب میں لگے رہنے کے باوجود ان کے تضرع و عاجزی کے ذخیرے ختم نہیں ہوتے اور قرب الٰہی کی بلندیوں کے باوجود خوف و خشوع کے پھندے ان کے گلے سے نہیں اترتے۔ نہ ان میں کبھی خود پسندی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے گذشتہ اعمال کا زیادہ خیال کرنے لگیں اور نہ جلال پروردگار کے سامنے ان کے عجز و انکسار نے یہ موقع آنے دیا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو بڑا سمجھ سکیں۔ ان میں مسلسل تعب اٹھانے کے باوجود بھی سستی نہیں آنے پاتی اور نہ ان کی طلب و رغبت میں کبھی کمی پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کی توقعات سے روگرداں ہوجائیں اور نہ مسلسل مناجاتوں سے ان کی زبان کی نوکیں خشک ہوتی ہیں اور نہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ وہ دوسرے اشغال کی وجہ سے تضرع و زاری کی آوازوں کو دھیما ہی کرلیں اور نہ عبادت کی صفوں میں ان کے شانے آگے پیچھے ہوتے ہیں، اور نہ وہ آرام و راحت کی خاطر اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرکے اپنی گردنوں کو ادھر سے ادھر کرتے ہیں، نہ ان کی کوششوں کے عزم پر غفلت کی نادانیاں حملہ آور ہوتی ہیں، اور نہ ان کی (بلند) ہمتوں میں فریب دینے والے وسوسوں کا گذر ہوتا ہے۔ انھوں نے احتیاج کے دن کے لئے صاحب عرش کو اپنا ذخیرہ بنا رکھا ہے اور جب دوسرے لوگ مخلوقات کی طرف اپنی خواہشوں کو لے کر بڑھتے ہیں تو یہ بس اسی سے لو لگاتے ہیں۔ وہ اس کی عبادت کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتے۔ انہیں عبادت کا والہانہ شوق کسی اور طرف لے جانے کے بجائے ان کی قلبی امید و بیم کے انہیں سرچشموں کی طرف لے جاتا ہے، جن کے سوتے کبھی موقوف نہیں ہوتے۔ خوف کھانے کی وجوہ ختم نہیں ہوتیں کہ وہ اپنی کوششوں میں سستی کریں اور نہ دنیا کی طمعوں نے انہیں جکڑ رکھا ہے کہ وہ دنیا کے لئے وقتی کوششوں کو اپنی اس جد و جہد

پر ترجیح دیں اور نہ انھوں نے اپنے سابقہ اعمال کو کبھی بڑا سمجھا ہے اور اگر بڑا سمجھتے تو پھر امیدیں خوف خدا کے اندیشوں کو ان کے صفحۂ دل سے مٹادیتیں، اور نہ شیطان کے ورغلانے سے ان میں باہم اپنے پروردگار کے متعلق کبھی کوئی اختلاف پیدا ہوا، اور نہ ایک دوسرے سے کٹنے اور بگاڑ پیدا کرنے کی وجہ سے پراگندہ ومتفرق ہوئے اور نہ آپس میں حسد رکھنے کے سبب سے ان کے دلوں میں کینہ و بغض پیدا ہوا اور نہ شک وشبہات میں پڑنے کی وجہ سے تتر بتر ہوئے اور نہ پست ہمتوں نے ان پر کبھی قبضہ کیا۔ وہ ایمان کے پابند ہیں۔ انہیں اس کے بندھنوں سے کجی، روگردانی، سستی یا کاہلی نے کبھی نہیں چھڑایا۔ سطح آسمان پر خال کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ یا تیزی سے تگ ودو کرنے والا ملک نہ ہو۔ پروردگار کی اطاعت کے بڑھنے سے ان کے علم میں زیادتی ہی ہوتی رہتی ہے اور ان کے دلوں میں اس کی عزت کی عظمت وجلالت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

اللہ نے زمین کو تہ وبالا ہونے والی مہیب لہروں اور بھرپور سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں کے اوپر پاٹا جہاں موجیں موجوں سے ٹکرا کر تھپیڑے کھاتی تھیں اور لہریں لہروں کو ڈھکیل کر گونج اٹھتی تھیں اور اس طرح پھین دے رہی تھیں جس طرح مستی وہیجان کے عالم میں نر اونٹ۔ چنانچہ اس متلاطم پانی کی طغیانیاں زمین کے بھاری بوجھ کے دباؤ سے فرو ہوگئیں اور جب اس نے اپنا سینہ اس پر ٹیک کر اسے روندا تو سارا جوش خروش ٹھنڈا پڑگیا اور جب اپنے شانے ٹکا کر اس پر لوٹی، تو وہ ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ رام ہوگیا۔ کہاں تو اس کی موجیں دندنا رہی تھیں کہ اب عاجز وبے بس ہوکر تھم گیا، اور ذلت کی لگاموں میں اسیر ہوکر مطیع ہوگیا۔ اور زمین اس طوفان خیز پانی کے گہراؤ میں اپنا دامن پھیلا کر ٹھہر گئی اور اس کے اٹھلانے اور سر اٹھانے کے غرور اور تکبر سے ناک اوپر چڑھانے اور بہاؤ میں تفوق وسربلندی دکھانے کا خاتمہ کردیا اور اس کی روانی کی بے اعتدالیوں پر ایسے بند باندھے کہ وہ اچھلنے کودنے کے بعد (بالکل بے دم) ہوکر ٹھہر گیا۔ اور جست وخیز کی سرمستیاں دکھا کر تھم گیا۔ جب اس کے کناروں کے نیچے پانی کی طغیانی کا زور وشور سکون پذیر ہوا اور اس کے کاندھوں پر اونچے اونچے اور چوڑے چکلے پہاڑوں کا بوجھ لد گیا تو اللہ نے اس کی ناک کے باسوں سے پانی کے چشمے جاری کردیئے جنہیں دور دراز جنگلوں اور کھدے ہوئے گڑھوں میں پھیلا دیا اور پتھروں کی مضبوط چٹانوں اور بلند چوٹیوں والے پتھریلے پہاڑوں سے اس کی حرکت میں اعتدال پیدا کیا۔ چنانچہ اس کی سطح کے مختلف حصوں میں پہاڑوں کے ڈوب جانے اور اس کی گہرائیوں کی تہ میں

گھس جانے اور اس کے ہموار حصوں کی بلندیوں اور پست سطحوں پر سوار ہو جانے کی وجہ سے اس کی تھرتھراہٹ جاتی رہی۔ اللہ نے زمین سے لے کر فضائے بسیط تک پھیلاؤ اور وسعت رکھی اور اس میں رہنے والوں کے لئے سانس لینے کو ہوا مہیا کی، اور اس میں بسنے والوں کو ان کی تمام ضروریات کے ساتھ ٹھہرایا۔ پھر اس نے چٹیل زمینوں کو جن کی بلندیوں تک نہ چشموں کا پانی پہنچ سکتا ہے اور نہ نہروں کے نالے وہاں تک پہنچنے کا ذریعہ رکھتے ہیں یونہی نہیں رہنے دیا بلکہ ان کے لئے ہوا پر اٹھنے والی گھٹائیں پیدا کیں جو مردہ زمین میں زندگی کی لہریں دوڑا دیتی ہیں اور اس سے گھاس پات اگاتی ہیں۔ اس نے ابر کی بکھری ہوئی چمکیلی ٹکڑیوں اور پراگندہ بدلیوں کو ایک جا کر کے ابر محیط بنایا اور جب اس کے اندر پانی کے ذخیرے حرکت میں آگئے اور اس کے کناروں میں بجلیاں تڑپنے لگیں اور برق کی چمک سفید ابروں کی تہوں اور گھنے بادلوں کے اندر مسلسل جاری رہی تو اللہ نے انہیں موسلادھار برسنے کے لئے بھیج دیا۔ اس طرح کہ اس کے پانی سے بھرے ہوئے بوجھل ٹکڑے زمین پر منڈلا رہے تھے اور جنوبی ہوائیں انہیں مسل مسل کر برسنے والے مینہ کی بوندیں اور ایکدم ٹوٹ پڑنے والی بارش کے جھالے برسا رہی تھی۔ جب بادلوں نے اپنا سینہ ہاتھ پیروں سمیت زمین پر ٹیک دیا اور پانی کا سارا لدا لدایا بوجھ اس پر پھینک دیا تو اللہ نے افتادہ زمینوں سے سرسبز کھیتیاں اگائیں اور خشک پہاڑوں پر ہرا بھرا سبزہ پھیلا دیا۔ زمین بھی اپنے مرغزاروں کے بناؤ سنگار سے خوش ہو کر جھومنے لگی اور ان شگوفوں کی اوڑھنیوں سے جو اسے اوڑھا دی گئی تھیں اور ان شگفتہ و شاداب کلیوں کے زیوروں سے جو اسے پہنا دیئے گئے تھے، اترانے لگی۔ اللہ نے ان چیزوں کو لوگوں کی زندگی کا وسیلہ اور چوپایوں کا رزق قرار دیا۔ اسی نے زمین کی سمتوں میں کشادہ راستے نکالے، اور اس کی شاہراہوں پر چلنے والوں کے لئے روشنی کے مینار نصب کئے۔ جب اللہ نے فرش زمین بچھا لیا اور اپنا کام پورا کر لیا تو آدم علیہ السلام کو دوسری مخلوق کے مقابلے میں برگزیدہ ہونے کی وجہ سے منتخب کر لیا اور انہیں نوع انسانی کا فرد اول قرار دیا، اور انہیں اپنی جنت میں ٹھہرایا جہاں دل کھول کر ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور جس سے منع کرنا تھا اس سے پہلے ہی خبردار کر دیا، اور یہ بتا دیا کہ اس کی طرف قدم بڑھانے میں عدول حکمی کی آلائش ہے اور اپنے مرتبہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے، لیکن جس چیز سے انہیں روکا تھا انھوں نے اسی کا رخ کیا جیسا کہ پہلے ہی سے ان کے علم میں تھا۔ چنانچہ توبہ کے بعد انہیں جنت سے نیچے اتار دیا تا کہ اپنی زمین کو ان کی اولاد سے آباد کرے اور ان کے ذریعے بندوں پر حجت

پیش کرے۔ اللہ نے آدم کو اٹھا لینے کے بعد بھی اپنی مخلوق کو ایسی چیزوں سے خالی نہیں رکھا جو اس کی ربوبیت کی دلیلوں کو مضبوط کرتی رہیں اور بندوں کے لئے اس کی معرفت کا ذریعہ بنی رہیں اور یکے بعد دیگرے ہر دور میں وہ اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسالت کے امانتداروں کی زبانوں سے حجت کے پہنچانے کی تجدید کرتا رہا یہاں تک کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ وہ حجت پوری طرح تمام ہوگئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرایا جانا اپنے نقطۂ اختتام کو پہنچ گیا۔

اس نے روزیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ کسی کے لئے انہیں زیادہ کیا ہے اور کسی کے لئے کم اور اس کی تقسیم میں کہیں تنگی رکھی ہے اور کہیں فراخی، اور یہ بالکل عدل کے مطابق تھا۔ اس طرح کہ اس نے جس جس صورت میں چاہا امتحان لیا رزق کی آسانی یا دشواری کے ساتھ مال دار اور فقیر کے شکر اور صبر کو جانچا۔ پھر اس نے رزق کی فراخیوں کے ساتھ فقر و فاقہ کے خطرے اور اس کی سلامتیوں میں نت نئی آفتوں کے دغدغے اور فراخی و وسعت کی شادمانیوں کے ساتھ غم و غصہ کے گلوگیر پھندے بھی لگا رکھے ہیں۔ اس نے زندگی کی مختلف مدتیں مقرر کی ہیں۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے کر دیا ہے اور ان مدتوں کی رسیوں کی موت سے گرہ لگا دی ہے اور وہ موت ان کو کھینچے لئے جاتی ہے اور ان کے مضبوط رشتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی ہے۔

وہ بھید چھپانے والوں کی نیتوں، کھسر پھسر کرنے والوں کی سرگوشیوں مظنون اور بے بنیاد خیالوں، دل میں جمے ہوئے یقینی ارادوں، پلکوں کے نیچے کنکھیوں کے اشاروں، دل کی تہوں اور غیب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے اور ان آوازوں کا سننے والا ہے جن کو کان لگا کر سننے کے لئے کانوں کے سوراخوں کو جھکنا پڑتا ہے۔ وہ چیونٹیوں کے موسم گرما کے مسکنوں اور حشرات الارض کے موسم سرما بسر کرنے کے مقاموں سے آگاہ ہے اور پسر مردہ عورتوں کے درد بھرے نالوں کی گونج اور قدموں کی چاپ کا سننے والا ہے اور سبز پتیوں کے غلافوں کے اندر دو نیم خولوں میں پھلوں کے نشو و نما پانے کی جگہوں اور پہاڑوں کی کھوؤں اور اور ان کے نشیبوں، وحشی جانوروں کی پناہ گاہوں اور درختوں کے تنوں اور ان کے چھلکوں میں مچھروں کے سر چھپانے کے سوراخوں اور شاخوں میں پتیوں کے پھوٹنے کی جگہوں اور صلب کی گذرگاہوں میں نطفوں کے ٹھکانوں اور زمین سے اٹھنے والے ابر کے لکوں اور آپس میں جڑے ہوئے بادلوں اور تہ بہ تہ جمے ہوئے ابروں سے ٹپکنے والے بارش کے قطروں سے باخبر ہے، اور ریگ بیابان کے ذرّے جنہیں بادبگولوں نے اپنے دامنوں سے

اڑایا ہے اور وہ نشانات جنہیں بارشوں کے سیلابوں نے مٹا ڈالا ہے اس کے علم میں ہیں۔ وہ ریت کے ٹیلوں پر زمین کے کیڑوں کے چلنے پھرنے اور سربلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر بال و پر رکھنے والے طائروں کے نشیمنوں اور گھونسلوں کی اندھیاریوں میں چہچہانے والے پرندوں کے نغموں کو جانتا ہے اور جن چیزوں کو سیپیوں نے سمیٹ رکھا ہے اور جن چیزوں کو دریا کی موجیں اپنے پہلو کے نیچے دبائے ہوئے ہیں اور جن کو رات کی تاریک چادروں نے ڈھانپ رکھا ہے اور جن پر دن کے سورج نے اپنی کرنوں سے نور بکھیرا ہے، اور جن پر کبھی ظلمت کی تہیں جم جاتی ہیں، اور کبھی نور کے دھارے بہہ نکلتے ہیں ان کو پہچانتا ہے۔ وہ ہر قدم کا نشان، ہر چیز کی حس و حرکت، ہر لفظ کی گونج، ہر ہونٹ کی جنبش، ہر جاندار کا ٹھکانہ، ہر ذرے کا وزن اور ہر جاندار مخلوق کی سسکیوں کی آواز اور جو کچھ بھی اس زمین پر ہے، سب اس کے علم میں ہے۔ وہ درختوں کا پھل ہو یا ٹوٹ کر گرنے والا پتہ یا نطفے یا منجمد خون کا ٹھکانا اور لوتھڑا یا اس کے بعد بننے والی مخلوق اور پیدا ہونے والا بچہ ان چیزوں کے جاننے میں اسے کلفت و تعب اٹھانی نہیں پڑی اور نہ اسے اپنی مخلوق کی حفاظت میں کوئی رکاوٹ درپیش ہوئی اور نہ اسے احکام چلانے اور مخلوقات کا انتظام کرنے سے سستی اور تھکن لاحق ہوئی بلکہ اس کا علم تو ان چیزوں کے اندر تک اترا ہوا ہے اور ایک ایک چیز اس کے شمار میں ہے۔ اس کا عدل ہمہ گیر اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے اور اس کے ساتھ وہ اس کے شایان شان حق کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔

اے خدا! تو ہی توصیف و ثنا اور انتہائی درجہ تک سراہے جانے کا مستحق ہے۔ اگر تجھ سے امیدیں باندھی جائیں، تو تو بہترین سرچشمہ امید ہے۔ تو نے مجھے ایسی قوت بیان بخشی ہے کہ جن سے میں تیرے علاوہ کسی کی مدح اور ستائش نہیں کرتا، اور میں اپنی مدح کا رخ کبھی ان لوگوں کی طرف نہیں موڑنا چاہتا جو ناامیدیوں کا مرکز اور بدگمانیوں کے مقامات ہیں۔ میں نے اپنی زبان کو انسانوں کی مدح اور پروردہ مخلوق کی تعریف و ثنا سے ہٹالیا ہے۔ بار الہا! ہر ثنا گستر کے لئے اپنے ممدوح پر انعام و اکرام اور عطا و بخشش پانے کا حق ہوتا ہے میں تجھ سے امید لگائے بیٹھا ہوں کہ تو رحمت کے ذخیروں اور مغفرت کے خزانوں کا پتہ دینے والا ہے۔ خدایا! یہ تیرے سامنے وہ شخص کھڑا ہے، جس نے تیری توحید و یکتائی میں تجھے منفرد مانا ہے اور ان ستائشوں اور تعریفوں کا تیرے علاوہ کسی کو اہل نہیں سمجھا۔ میری احتیاج تجھ سے وابستہ ہے۔ تیری ہی بخششوں اور کامرانیوں سے اس کی بے نوائی کا علاج ہوسکتا ہے

اور اس کے فقر و فاقہ کو تیرا ہی جود و احسان سہارا دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اپنی خوشنودیاں بخش دے اور دوسروں کی طرف دست طلب بڑھنے سے بے نیاز کردے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ۷

تو نے تنہائی کی وحشتوں سے اکتا کر مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور نہ اپنے کسی فائدے کے پیش نظر ان سے اعمال کرائے۔ جسے تو گرفت میں لانا چاہے وہ تجھ سے آگے بڑھ کر جا نہیں سکتا اور جسے تو نے گرفت میں لے لیا۔ پھر وہ نکل نہیں سکتا۔ جو تیری مخالفت کرتا ہے، ایسا نہیں کہ وہ تیری فرمانروائی کو نقصان پہنچائے اور جو تیری اطاعت کرتا ہے، وہ ملک کی وسعتوں کو بڑھا نہیں دیتا اور جو تیری قضا و قدر پر بگڑ اٹھے، وہ ترے امر کو رد نہیں کرسکتا۔ اور جو تیرے حکم سے منہ موڑلے، وہ تجھ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ہر چھپی ہوئی چیز تیرے لئے ظاہر اور ہر غیب تیرے سامنے بے نقاب ہے۔ تو ابدی ہے جس کی کوئی حد نہیں اور تو ہی سب کی منزل منتہا ہے کہ جس سے کوئی گریز کی راہ نہیں اور تو ہی وعدہ گاہ ہے کہ تجھ سے چھٹکارا پانے کی کوئی جگہ نہیں مگر تیری ہی ذات۔ ہر راہ چلنے والا تیرے قبضہ میں ہے اور ہر ذی روح کی بازگشت تیری طرف ہے۔ سبحان اللہ! یہ تیری کائنات جو ہم دیکھ رہے ہیں کتنی عظیم الشان ہے اور تیری قدرت کے سامنے اس کی عظمت کتنی کم ہے اور یہ تیری بادشاہت جو ہماری نظروں کے سامنے ہے، کتنی پرشکوہ ہے۔ لیکن تیری اس سلطنت کے مقابلے میں جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، کتنی حقیر ہے اور دنیا میں یہ تیری نعمتیں کتنی کامل و ہمہ گیر ہیں مگر آخرت کی نعمتوں کے سامنے وہ کتنی مختصر ہیں۔

تو نے فرشتوں کو آسمانوں میں بسایا اور انہیں زمین کی سطح سے بلند رکھا۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تیری معرفت رکھتے ہیں، اور سب سے زیادہ تجھ سے ڈرتے ہیں اور سب سے زیادہ تیرے مقرب ہیں۔ نہ وہ صلبوں میں ٹھہرے، نہ شکموں میں رکھے گئے، نہ ذلیل پانی (نطفہ) سے ان کی پیدائش ہوئی، اور نہ زمانے کے حوادث نے انہیں منتشر کیا۔ وہ تیرے قرب میں اپنے مقام و منزلت کی بلندی اور تیرے بارے میں خیالات کی یکسوئی، اور تیری عبادت کی فراوانی اور تیرے احکام میں عدم غفلت کے باوجود اگر تیرے رازہائے قدرت کی اس تہہ تک پہنچ جائیں کہ جو ان سے پوشدہ ہے، تو وہ اپنے اعمال کو بہت ہی حقیر سمجھیں گے اور اپنے نفسوں پر حرف گیری کریں گے اور یہ جان لیں گے کہ انھوں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا، اور نہ کما حقہ تیری اطاعت کی ہے۔ میں خالق و معبود جانتے ہوئے تیری تسبیح کرتا ہوں تیرے اس بہترین سلوک کی بنا پر جو ترا اپنے مخلوقات کے ساتھ ہے۔ تو نے

ایک ایسا گھر (جنت) بنایا ہے کہ جس میں مہمانی کے لئے کھانے پینے کی چیزیں، حوریں، غلمان، محل، نہریں، کھیت اور پھل مہیا کئے ہیں۔ پھر تو نے ان نعمتوں کی طرف دعوت دینے والا بھیجا، مگر نہ انھوں نے بلانے والے کی آواز پر لبیک کہی اور نہ ان چیزوں کی طرف راغب ہوئے جن کی تو نے رغبت دلائی تھی، اور نہ ان چیزوں کے مشتاق ہوئے جن کا تو نے اشتیاق دلایا تھا۔ وہ تو اسی مردار دنیا پر ٹوٹ پڑے کہ جسے نوچ کھانے میں اپنی عزت آبرو گنوا رہے تھے اور اس کی چاہت پر ایکا کرلیا تھا۔ جو شخص کسی شے سے بے تحاشا محبت کرتا ہے تو وہ اس کی آنکھوں کو اندھا اور دل کو مریض کردیتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو بیمار آنکھوں سے، سنتا ہے تو نہ سننے والے کانوں سے۔ شہوتوں نے اس کی عقل کا دامن چاک کردیا ہے، اور دنیا نے اس کے دل کو مردہ بنادیا ہے۔[۸]

دنیا و آخرت اپنی باگ ڈور اللہ کو سونپے ہوئے اس کے زیر فرمان ہیں اور آسمان و زمین نے اپنی کنجیاں اس کے آگے ڈال دی ہیں اور تر و تازہ و شاداب درخت صبح و شام اس کے آگے سربسجود ہیں اور اپنی شاخوں سے چمکتی ہوئی آگ (کے شعلے) بھڑکاتے ہیں اور اس کے حکم سے پھل پھول کر پکے ہوئے میووں کی ڈالیاں پیش کرتے ہیں۔[۹]

اس کا حکم فیصلہ کن اور حکمت آمیز اور اس کی خوشنودی امان اور رحمت ہے۔ وہ اپنے علم سے فیصلہ کرتا ہے اور اپنے حلم سے عفو کرتا ہے۔ بار الہا! تو جو کچھ دے کر لے لیتا ہے اور جو کچھ عطا کرتا ہے اور جن مرضوں سے شفا دیتا ہے اور جن آزمائشوں میں ڈالتا ہے سب پر تیرے لئے ایسی حمد و ثنا ہے جو انتہائی درجے تک تجھے پسند آئے اور انتہائی درجے تک تجھے محبوب ہو اور تیرے نزدیک ہر ستائش سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ ایسی حمد جو کائنات کو بھردے اور جو تو نے چاہا ہے اس کی حدت تک پہنچ جائے، ایسی حمد کہ جس کے آگے تیری بارگاہ تک پہنچنے سے نہ کوئی حجاب ہو اور نہ اس کے لئے کوئی بندش، ایسی حمد کہ جس کی گنتی نہ کہیں پر ٹوٹے اور نہ اس کا سلسلہ ختم ہو۔ ہم تیری عظمت و بزرگی کی حقیقت کو نہیں جانتے مگر اتنا کہ تو زندہ و کارساز عالم ہے۔ نہ تجھے غنودگی ہوتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔ نہ تار نظر تجھ تک پہنچ سکتا ہے اور نہ نگاہیں تجھے دیکھ سکتی ہیں۔ تو نے نظروں کو پالیا ہے اور عمروں کا احاطہ کرلیا ہے اور پیشانی کے بالوں کو پیروں سے ملا کر گرفت میں لے لیا ہے۔ یہ تیری مخلوق کیا ہے جو ہم دیکھتے ہیں اور اس میں تیری قدرت کی کارسازیوں پر تعجب کرتے ہیں اور تیری عظیم فرمانروائی کی کارفرمائیوں پر اس کی توصیف کرتے ہیں؟ حالانکہ درحقیقت وہ مخلوقات جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جن

تک پہنچنے سے ہماری نظریں عاجز اور عقلیں درماندہ ہیں ۔ ہمارے اور جن کے درمیان غیب کے پردے حائل ہیں اس سے کہیں زیادہ باعظمت ہے۔ جو شخص وسوسوں سے اپنے دل کو خالی کرکے اور غور و فکر کی قوتوں سے کام لے کر یہ جاننا چاہے کہ تو نے عرش کو کیونکر قائم کیا ہے اور کس طرح مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور کیونکر آسمانوں کو فضا میں لٹکایا ہے اور کس طرح پانی کے تھپیڑوں پر زمین کو بچھایا ہے تو اس کی آنکھیں تھک کر اور عقل مغلوب ہوکر اور کان حیران اور سراسیمہ اور فکر گم گشتہ راہ ہوکر پلٹ آئے گی۔۱۰

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو بندوں کا پیدا کرنے والا، فرش زمین کا بچھانے والا، ندی نالوں کا بہانے والا اور ٹیلوں کو سرسبز و شاداب بنانے والا ہے۔ نہ اس کی اولیت کی کوئی ابتدا اور نہ اس کی ازلیت کی کوئی انتہا ہے۔ وہ ایسا اول ہے جو ہمیشہ سے ہے اور بغیر کسی مدت کی حد بندی کے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ پیشانیاں اس کے آگے سجدہ میں گری ہوئی ہیں اور لب اس کی توحید کے معترف ہیں۔ اس نے تمام چیزوں کو ان کے پیدا کرنے کے وقت ہی سے جداگانہ صورتوں اور شکلوں میں محدود کردیا، تاکہ اپنی ذات کو ان کی مشابہت سے الگ رکھے۔ تصورات اسے حدود و حرکات اور اعضا وحواس کے ساتھ متعین نہیں کرسکتے۔ اس کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ''کب سے ہے'' اور نہ یہ کہہ کر اس کی مدت منفرد کی جاسکتی ہے کہ وہ ''کب تک ہے'' وہ ظاہر ہے لیکن نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ''کس سے (ظاہر ہوا)۔'' وہ باطن ہے مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''کس میں'' وہ نہ دور سے نظر آنے والا ڈھانچہ ہے کہ مٹ جائے اور نہ کسی حجاب میں ہے کہ محدود و محجوب ہوجائے۔ اور چیزوں سے اس طرح قریب نہیں کہ ساتھ چھو جائے اور نہ وہ جسمانی طور پر ان سے الگ ہوکر دور ہوا ہے۔ اس سے کسی کا ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، کسی لفظ کا دہرایا جانا، کسی بلندی کا دور سے جھلکنا اور کسی قدم کا آگے بڑھنا پوشیدہ نہیں ہے اور نہ اندھیری راتوں میں اور نہ چھائی ہوئی اندھیاریوں میں کہ جن پر روشن چاند اپنی کرنوں کا سایہ ڈالتا ہے اور نورانی آفتاب طلوع و غروب کے چکروں میں اور زمانہ کی گردشوں میں اندھیرے کے بعد نور پھیلاتا ہے کہ جو آنے والی رات اور جانے والے دن کی آمد و شد سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ ہر مدت و انتہا اور ہر گنتی اور شمار سے پہلے ہے۔ اسے محدود سمجھ لینے والے جن اندازوں اور اطراف و جوانب کی حدوں اور مکانوں میں بسنے اور جگہوں میں ٹھہرنے کو اس کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔

وہ ان نسبتوں سے بہت بلند ہے۔ حدیں تو اس کی مخلوق کے لئے قائم کی گئی ہیں اور دوسروں ہی کی طرف ان کی نسبت دی جایا کرتی ہے۔ اس نے اشیاء کو ایسے مواد سے پیدا نہیں کیا کہ جو ہمیشہ سے ہو اور نہ ایسی مثالوں پر بنایا کہ جو پہلے سے موجود ہوں بلکہ اس نے جو چیز پیدا کی اسے مستحکم کیا اور جو ڈھانچہ بنایا اسے اچھی طرح شکل وصورت دی۔ کوئی شے اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتی اور نہ اس کو کسی کی اطاعت سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اسے پہلے مرنے والوں کا ویسا ہی علم ہے جیسا باقی رہنے والے زندہ لوگوں کا، اور جس طرح بلند آسمانوں کی چیزوں کو جانتا ہے ویسے ہی پست زمینوں کی چیزوں کو پہچانتا ہے۔[۱۱]

خداوند عالم کو ایک حالت دوسری حالت سے سد راہ نہیں ہوتی۔ نہ زمانہ اس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، نہ کوئی جگہ اسے گھیرتی ہے اور نہ زبان اس کا وصف کرسکتی ہے۔ اس سے پانی کے قطروں اور آسمان کے ستاروں اور ہوا کے جھکڑوں کا شمار، چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور اندھیری رات میں چھوٹی چیونٹیوں کے قیام کرنے کی جگہ کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں اور آنکھ کے چوری چھپے اشاروں کو جانتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کی ہستی میں کوئی شبہ، نہ اس کے دین سے سرتابی ہوسکتی ہے نہ اس کی آفرینش سے انکار، اس شخص کی سی گواہی جس کی نیت سچی، باطن پاکیزہ، یقین شبہوں سے پاک اور اس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہو۔[۱۲]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی طرف تمام مخلوق کی بازگشت اور ہر چیز کی انتہا ہے۔ ہم اس کے عظیم احسان، روشن و واضح برہان اور اس کے لطف وکرم کی افزایش پر اس کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ ایسی حمد کہ جس سے اس کا حق پورا ہو اور شکر ادا ہو اور اس کے ثواب کے قریب لے جانے والی اور اس کی بخششوں کو بڑھانے والی ہو۔ ہم اس سے اس طرح مدد مانگتے ہیں جس طرح اس کے فضل کا امیدوار، اس کے نفع کا آرزومند، دفع بلیات کا اطمینان رکھنے والا اور بخشش وعطا کا معترف اور قول و عمل سے اس کا مطیع وفرمانبردار اس سے مدد چاہتا ہو اور ہم اس شخص کی طرح اس پر ایمان رکھتے ہیں جو یقین کے ساتھ اس سے آس لگائے ہو، اس ایمان کامل کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہو اور اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ اس کے سامنے عاجزی وفروتنی کرتا ہو اور اسے ایک جانتے ہوئے اس سے اخلاص برتتا ہو اور سپاسگزاری کے ساتھ اسے بزرگ جانتا ہو اور رغبت وکوشش سے اس کے دامن

میں پناہ ڈھونڈتا ہو۔ اس کا کوئی باپ نہیں کہ وہ عزت و بزرگی میں اس کا شریک ہو۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے کہ اسے چھوڑ کر وہ دنیا سے رخصت ہوجائے اور وہ اس کی وارث ہوجائے اور نہ اس کے پہلے وقت اور زمانہ تھا نہ اس پر یکے بعد دیگرے کمی اور زیادتی طاری ہوتی ہے بلکہ اس نے مضبوط نظام کائنات اور اٹل احکام کی جو علامتیں ہمیں دکھائی ہیں ان کی وجہ سے وہ عقلوں کے لئے ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ اس آفرینش پر گواہی دینے والوں میں آسمانوں کی خلقت ہے جو بغیر ستونوں کے ثابت و برقرار اور بغیر سہارے کے قائم ہیں۔ خداوند عالم نے انہیں پکارا تو یہ بغیر کسی سستی اور توقف کے اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے لبیک کہہ اٹھے۔ اگر وہ اس کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتے اور اس کے سامنے سر نہ جھکاتے تو وہ انہیں اپنے عرش کا مقام اور اپنے فرشتوں کا مسکن اور پاکیزہ کلموں اور مخلوق کے نیک اعمال کے بلند ہونے کی جگہ نہ بناتا۔ اللہ نے ان کے ستاروں کو ایسی روشن نشانیاں قرار دیا ہے جن سے حیران و سرگرداں اطراف زمین کی راہوں میں آنے جانے کے لئے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اندھیری رات کی اندھیاریوں کے سیاہ پردے ان کی نور کی ضوپاشیوں کو نہیں روکتے اور نہ شبہائے تاریک کی تیرگی کے پردے یہ طاقت رکھتے ہیں کہ وہ آسمانوں میں پھیلی ہوئی چاند کے نور کی جگمگاہٹ کو پلٹا دیں۔ پاک ہے وہ ذات جس پر پست زمین کے قطعوں اور باہم ملے ہوئے سیاہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں اندھیری رات کی اندھیاریاں اور پرسکون شب کی ظلمتیں پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ افق آسمان میں رعد کی گرج اس سے مخفی ہے۔ اور نہ وہ چیزیں کہ جن پر بادلوں کی بجلیاں کوند کر ناپید ہوجاتی ہیں اور نہ وہ پتے جو ٹوٹ کر گرتے ہیں جنہیں بارش کے پچھتروں کی تند ہوائیں اور موسلا دھار بارشیں ان کے گرنے کی جگہ سے ہٹا دیتی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ بارش کے قطرے کہاں گریں گے اور کہاں ٹھہریں گے اور چھوٹی چیونٹیاں کہاں رینگیں گی اور کہاں اپنے کو کھینچ کر لے جائیں گی، مچھروں کو کونسی روزی کفایت کرے گی اور مادہ اپنے پیٹ میں کیا لئے ہوئے ہے۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو عرش و کرسی، زمین و آسمان اور جن و انس سے پہلے موجود تھا، نہ انسانی واہموں سے اسے جانا جاسکتا ہے اور نہ عقل و فہم سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسے کوئی سوال کرنے والا دوسرے سائلوں سے غافل نہیں بناتا اور نہ بخشش و عطا سے اس کے ہاں کچھ کمی آتی ہے۔ وہ آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا اور نہ کسی جگہ میں اس کی حد بندی ہوسکتی ہے۔ نہ ساتھیوں کے ساتھ اسے متصف کیا جاسکتا ہے اور نہ اعضا و جوارح کی حرکت سے وہ پیدا کرتا ہے اور نہ حواس سے

وہ جانا پہچانا جاسکتا ہے اور نہ انسانوں پر اس کا قیاس ہوسکتا ہے۔ وہ خدا جس نے بغیر اعضا و جوارح اور بغیر گویائی اور بغیر حلق کے کوؤں کو ہلائے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور انہیں اپنی عظیم نشانیاں دکھلائیں۔ اے اللہ کی توصیف میں رنج وتعب اٹھانیوالے اگر تو اس سے عہدہ برآ ہونے میں سچا ہے تو پہلے جبرئیل و میکائیل اور مقرب فرشتوں کے لاؤلشکر کا وصف بیان کر جو پاکیزگی و طہارت کے حجروں میں اس عالم میں سر جھکائے پڑے ہیں کہ ان کی عقلیں ششدر و حیران ہیں کہ وہ اس بہترین خالق کی توصیف کرسکیں۔ صفتوں کے ذریعے وہ چیزیں جانی پہچانی جاتی ہیں جو شکل وصورت اور اعضا و جوارح رکھتی ہوں اور وہ جو اپنی حد انتہا کو پہنچ کر موت کے ہاتھوں ختم ہوجائیں۔ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس نے اپنے نور سے تمام تاریکیوں کو روشن و منور کیا اور ظلمت عدم سے ہر نور کو تیرہ و تار بنادیا ہے۔ [۱۳]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو بن دیکھے جانا پہچانا جاتا ہے اور بے رنج وتعب اٹھائے ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا اور اپنی عزت و جلالت کے پیش نظر فرمانرواؤں سے اطاعت و بندگی حاصل کی اور اپنے جود و عطا کی بدولت باعظمت لوگوں پر سرداری کی۔ وہ اللہ جس نے دنیا میں اپنی مخلوقات کو آباد کیا اور ایسے رسولوں کو جن و انس کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے دنیا کو بے نقاب کریں اور اس کی مضرتوں سے انہیں ڈرائیں دھمکائیں، اس کی بیوفائی کی مثالیں بیان کریں اور اس کی صحت و بیماری کے تغیرات سے ایک دم انہیں پوری پوری عبرت دلانے کا سامان کریں، اور اس کے عیوب اور حلال و حرام کے ذرائع اکتساب اور فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے لئے جو بہشت و دوزخ اور عزت و ذلت کے سامان اللہ نے مہیا کئے ہیں دکھلائیں۔ میں اس کی ذات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوکر اس کی ایسی حمد وثنا کرتاہوں جیسی حمد اس نے اپنی مخلوقات سے چاہی ہے۔ اس نے ہر شے کا ایک اندازہ اور ہر اندازے کی ایک مدت اور ہر مدت کے لئے ایک نوشتہ قرار دیا ہے۔ [۱۴]

ساری حمد وستائش اس اللہ کے لئے ہے جسے حواس پا نہیں سکتے۔ نہ جگہیں اسے گھیر سکتی ہیں نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں، نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں۔ وہ مخلوقات کے نیست کے بعد ہست ہونے سے پہلے ہمیشہ سے ہونے کا اور ان کے باہم مشابہ ہونے سے اپنے بے مثل اور بے نظیر ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ وہ اپنے وعدہ میں سچا اور بندوں پر ظلم کرنے سے بالاتر ہے۔ وہ مخلوق کے

بارے میں عدل سے چلتا ہے اور اپنے حکم میں انصاف برتتا ہے۔ وہ چیزوں کے وجود پذیر ہونے سے اپنی قدامت پر ان کی عجز و کمزوری کے نشانوں سے اپنی قدرت پر اور ان کے فنا ہو جانے کی اضطراری کیفیتوں سے اپنی ہمیشگی پر عقل سے گواہی حاصل کرتا ہے۔ وہ گنتی اور شمار میں آئے بغیر ایک یعنی یگانہ ہے وہ کسی متعینہ مدت کے بغیر ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ستونوں یعنی اعضا کے سہارے کے بغیر قائم و برقرار ہے، حواس و مشاعر کے بغیر ذہن اسے قبول کرتے ہیں اور اس تک پہنچے بغیر نظر آنے والی چیزیں اس ہستی کی گواہی دیتی ہیں۔ عقلیں اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کرسکتیں بلکہ وہ عقلوں کے وسیلہ سے عقلوں کے لئے آشکارا ہوا ہے اور عقلوں ہی کے ذریعہ سے عقل و فہم میں آنے سے انکاری ہے اور ان کے معاملہ میں خود انہی کو حکم ٹھہرایا ہے۔ وہ اس معنی مں بڑا نہیں کہ اس کے حدود و اطراف پھیلے ہوئے ہوں جو اسے مجسم صورت میں بڑا کر کے دکھاتے ہوں اور نہ اس اعتبار سے عظیم ہے کہ وہ جسامت میں انتہائی حدوں تک پھیلا ہوا ہو بلکہ وہ شان و منزلت کے اعتبار سے بڑا ہے اور دبدبہ و اقتدار کے لحاظ سے عظیم ہے۔ ۱۵؎

جس نے اسے مختلف کیفیتوں سے متصف کیا اس نے اسے یکتا نہیں سمجھا، جس نے اس کا مثل ٹھہرایا، اس نے اس کی حقیقت کو نہیں پایا، جس نے اسے کسی چیز سے تشبیہ دی اس نے اس کا قصد نہیں کیا، جس نے اسے قابل اشارہ سمجھا اور اپنے تصور کا پابند بنایا اس نے اس کا رخ نہیں کیا۔ جو اپنی ذات سے پہچانا جائے وہ مخلوق ہوگا اور جو دوسرے کے سہارے پر قائم ہو وہ علت کا محتاج ہوگا۔ وہ فاعل ہے بغیر آلات کو حرکت میں لائے۔ وہ ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے بغیر فکر کی جولانی کے۔ وہ تونگر و غنی ہے بغیر دوسروں سے استفادہ کے۔ نہ زمانہ اس کا ہم نشین اور نہ آلات اس کے معاون و معین ہیں۔ اس کی ہستی زمانہ سے پیشتر، اس کا وجود عدم سے سابق، اس کی ہیشگی نقطۂ آغاز سے بھی پہلے سے ہے۔ اس نے جو احساس و شعور کی قوتوں کو ایجاد کیا اسی سے معلوم ہوا کہ وہ خود حواس و آفات کا شعور نہیں رکھتا اور چیزوں میں ضدیت قرار دینے سے معلوم ہوا کہ اس کی ضد نہیں ہوسکتی اور چیزوں کو جو اس نے ایک دوسرے کے ساتھ رکھا ہے اسی سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی ساتھ نہیں۔ اس نے نور کو ظلمت کی، روشنی کو اندھیرے کی، خشکی کو تری کی اور گرمی کو سردی کی ضد قرار دیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی دشمن چیزوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا، متضاد چیزوں کو ملانے والا، ایک دوسرے سے دور کی چیزوں کو باہم قریب لانے والا اور باہم پیوستہ چیزوں کو الگ الگ کرنے والا

ہے۔ وہ کسی حد میں محدود نہیں اور نہ گننے سے شمار میں آتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے قوی افراد تو جسمانی ہی چیزوں کو گھیرا کرتے ہیں اور اپنے ہی ایسوں کی طرف اشارہ کرسکتے ہیں، انہیں لفظ منذ نے قدیم ہونے سے روک دیا ہے اور لفظ قد نے ہمیشگی سے منع کردیا ہے اور لفظ لولا نے کمال سے ہٹادیا ہے۔ انہی اعضا و جوارح اور حواس و مشاعر کے ذریعہ ان کا موجد عقلوں کے سامنے جلوہ گر ہو اور انہی کے تقاضوں کے سبب سے آنکھوں کے مشاہدہ سے بری ہوگیا ہے۔ حرکت و سکون اس پر طاری نہیں ہوسکتے۔ بھلا جو چیز اس نے مخلوقات پر طاری کی ہو وہ اس پر کیونکر طاری ہوسکتی ہے اور جو چیز پہلے پہل اسی نے پیدا کی ہے وہ اس کی طرف کیونکر عائد ہوسکتا ہے اور جس چیز کو پیدا کیا ہو وہ اس میں کیونکر پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی ذات تغیر پذیر قرار پائے گی۔ اس کی ہستی قابل تجزیہ ٹھہرے گی اور اس کی حقیقت ہمیشگی و دوام سے علیحدہ ہوجائے گی۔ اگر اس کے لئے سامنے کی جہت ہوتی تو پیچھے کی سمت بھی ہوتی اور اگر اس میں کمی آتی تو وہ اس کی تکمیل کا محتاج ہوتا اور اس صورت میں اس کے اندر مخلوق کی علامتیں آجاتیں اور جب کہ ساری چیزیں اس کی ہستی کی دلیل تھیں اس صورت میں وہ خود کسی خالق کے وجود کی دلیل بن جاتا حالانکہ وہ اس امر مسلمہ کی رو سے کہ اس میں مخلوق کی صفتوں میں سے ہونا ممنوع ہے اس سے بری ہے کہ اس میں وہ چیز اثر انداز ہو جو ممکنات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ ادلتا بدلتا نہیں نہ زوال پذیر ہوتا ہے، نہ غروب ہونا اس کے لئے روا ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ورنہ محدود ہوکر رہ جائے گا، وہ آل اولاد رکھنے سے بالاتر اور عورتوں کو چھونے سے پاک ہے۔ تصورات اسے پا نہیں سکتے کہ اس کا اندازہ ٹھہرالیں اور عقلیں اس کا تصور نہیں کرسکتیں کہ اس کی کوئی صورت مقرر کرلیں۔ حواس اس کا ادراک نہیں کرسکتے کہ اسے محسوس کرلیں اور ہاتھ اس سے مس نہیں ہوتے کہ اسے چھولیں۔ وہ کسی حال میں بدلتا نہیں اور نہ مختلف حالتوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ نہ شب و روز اسے کہنہ کرتے ہیں، نہ روشنی و تاریکی اسے متغیر کرتی ہے۔ اس سے اجزا، اعضا جوارح صفات میں سے کسی صفت اور ذات کے علاوہ کسی بھی چیز اور حصوں سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے کسی حد اور اختتام اور زوال پذیری اور انتہا کو کہا نہیں جاسکتا اور نہ یہ کہ چیزیں اس پر حاوی ہیں کہ خواہ اسے بلند کریں اور خواہ پست یا چیزیں اسے اٹھائے ہوئے ہیں کہ چاہے اسے ادھر ادھر موڑیں اور چاہے اسے سیدھا رکھیں۔ نہ وہ چیزوں کے اندر ہے اور نہ ان سے باہر۔ وہ خبر دیتا ہے بغیر زبان اور تالو جبڑے کی حرکت کے، وہ سنتا ہے بغیر کانوں

کے سوراخوں اور آلات سماعت کے، وہ بات کرتا ہے بغیر تلفظ کے۔ وہ ہر چیز کو یاد رکھتا ہے بغیر یاد کرنے کی زحمت کے، وہ ارادہ کرتا ہے بغیر قلب اور ضمیر کے، وہ دوست رکھتا ہے اور خوشنود ہوتا ہے بغیر رقت طبع کے، وہ دشمن رکھتا ہے اور غضب ناک ہوتا ہے بغیر غم وغصہ کی تکلیف کے جسے پیدا کرنا چاہتا ہے، اسے ''ہوجا'' کہتا ہے جس سے وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی ایسی آواز کے جو کان کے پردوں سے ٹکرائے اور بغیر ایسی صدا کے جو سنی جاسکے بلکہ اللہ سبحانہ کا کلام بس اس کا ایجاد کردہ فعل ہے اور اس طرح کا کلام پہلے سے موجود نہیں ہوسکتا اور اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا وہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے کہ اس پر حادث صفتیں منطبق ہونے لگیں اور اس میں اور مخلوق میں کوئی فرق نہ رہے اور نہ اسے اس پر کوئی فوقیت و برتری رہے کہ جس کے نتیجہ میں خالق ومخلوق ایک سطح پر آجائیں اور صانع ومصنوع برابر ہوجائیں، اس نے مخلوقات کو بغیر کسی ایسے نمونہ کے پیدا کیا کہ جو اس سے پہلے کسی دوسرے نے قائم کیا ہو اور اس کے بنانے میں اس نے مخلوقات میں سے کسی ایک سے بھی مدد نہیں چاہی۔ وہ زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھتے ہوئے اسے برابر رو کے تھامے رہا اور بغیر کسی چیز پر ٹکائے ہوئے اسے برقرار کردیا اور بغیر ستونوں کے اس کو قائم اور بغیر کھمبوں کے اسے بلند کیا، کجی اور جھکاؤ سے اسے محفوظ کردیا اور ٹکڑے ہوکر گرنے اور پھیلنے سے اسے بچائے رہا۔ اس کے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑا اور چٹانوں کو مضبوطی سے نصب کیا، اس کے چشموں کو جاری اور پانی کی گذرگاہوں کو شگافتہ کیا۔ اس نے جو بنایا اس میں کوئی کمی نہ آئی اور جسے مضبوط کیا اس میں کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ وہ اپنی عظمت وشاہی کے ساتھ زمین پر غالب، علم ودانائی کی بدولت اس کے اندرونی رازوں سے واقف اور اپنے جلال وعزت کے سبب اس کی ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ وہ جس چیز کا اس سے خواہاں ہوتا ہے وہ اس کے دسترس سے باہر نہیں ہوسکتی اور نہ اس سے روگردانی کرکے اس پر غالب آسکتی ہے اور نہ کوئی تیز رو اس کے قبضہ سے نکل سکتا ہے کہ اس سے بڑھ جائے اور نہ وہ کسی مال دار کا محتاج ہے کہ وہ اسے روزی دے۔ تمام چیزیں اس کے سامنے عاجز اور اس کی بزرگی وعظمت کے آگے ذلیل وخوار ہیں۔ اس کے سلطنت کی وسعتوں سے نکل کر کسی اور طرف بھاگ جانے کی ہمت نہیں رکھتیں کہ اس کے جود وعطا سے بے نیاز اور اس کی گرفت سے اپنے کو محفوظ سمجھ لیں۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے جو اس کے برابر اتر سکے نہ اس کا کوئی مثل ونظیر ہے جو اس سے برابری کرسکے۔ وہی ان چیزوں کو وجود کے بعد فنا کرنے والا ہے یہاں تک کہ موجود،

چیزوں کی طرح ہو جائیں جو کبھی تھیں ہی نہیں اور یہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد نیست و نابود کرنا اس کے شروع شروع وجود میں لانے سے زیادہ تعجب خیز اور دشوار نہیں اور کیوں کر ایسا ہو سکتا ہے جب کہ تمام حیوان وہ پرندے ہوں یا چوپائے رات کو گھروں کی طرف پلٹ کر آنے والے ہوں یا چراگاہوں میں چرنے والے جس نوع کے بھی ہوں اور جس قسم کے ہوں وہ اور تمام آدمی کو دن و غبی صنف سے ہوں یا زیرک و ہوشیار سب مل کر اگر ایک مچھر کو پیدا کرنا چاہیں تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں گے اور نہ یہ جان سکیں گے کہ اس کے پیدا کرنے کی کیا صورت ہے اور اس جاننے کے سلسلہ میں ان کی عقلیں حیران و سرگرداں اور قوتیں عاجز و درماندہ ہو جائیں گی اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ شکست خوردہ ہیں اور یہ اقرار کرتے ہوئے کہ وہ اس کی ایجاد سے درماندہ ہیں اور یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ اس کے فنا کرنے سے بھی عاجز ہیں خستہ و نامراد ہو کر پلٹ آئیں گے۔

بلاشبہ اللہ سبحانہ دنیا کے مٹ مٹا جانے کے بعد ایک اکیلا ہوگا کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی جس طرح کہ دنیا کی ایجاد و آفرینش سے پہلے تھا۔ یونہی اس کے فنا ہو جانے کے بعد بغیر وقت و مکان اور ہنگام و زمان کے ہوگا اس وقت مدتیں اور اوقات سال اور گھڑیاں سب نابود ہوں گی سوائے اس خدائے واحد و قہار کے جس کی طرف تمام چیزوں کی بازگشت ہے، کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ ان کی آفرینش کی ابتدا ان کے اختیار و قدرت سے باہر تھی اور ان کا فنا ہونا بھی ان کی روک ٹوک کے بغیر ہوگا۔ اگر ان کو انکار پر قدرت ہوتی تو ان کی زندگی بقا سے ہمکنار رہوتی۔ جب اس نے کسی چیز کو بنایا تو اس کے بنانے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور نہ جس چیز کو اس نے خلق و ایجاد کیا اس کی آفرینش نے اسے خستہ و درماندہ کیا۔ اس نے اپنی سلطنت کی بنیادوں کو استوار کرنے اور مملکت کے زوال اور عزت کے انحطاط کے خطرات سے بچنے اور کسی جمع جتھے والے حریف کے خلاف مدد حاصل کرنے اور کسی حملہ آور غنیم سے محفوظ رہنے اور ملک و سلطنت کا دائرہ بڑھانے اور کسی شریک کے مقابلہ میں اپنی کثرت پر اترانے کے لئے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا اور نہ اس لئے کہ اس نے تنہائی کی وحشت سے گھبرا کر یہ چاہا ہو کہ ان چیزوں سے جی لگائے۔ پھر وہ ان چیزوں کو بنانے کے بعد فنا کر دے گا اس لئے نہیں کہ ان میں رد و بدل کرنے اور ان کی دیکھ بھال رکھنے سے دل تنگی لاحق ہوئی ہو اور نہ اس آسودگی و راحت کے خیال سے کہ جو اسے حاصل ہونے کی توقع ہو اور نہ اس وجہ سے کہ ان میں سے کسی چیز کا اس پر بوجھ ہو۔ اسے ان چیزوں کی طول طویل بقا آزردہ و دل تنگ نہیں

بناتی کہ انہیں جلدی سے فنا کردینے کی اسے دعوت دے بلکہ اللہ سبحانہ نے اپنے لطف و کرم سے ان کا بند وبست کیا ہے اور اپنے فرمان سے ان کی روح تھام کر رکھی ہے اور اپنی قدرت سے ان کو مضبوط بنایا ہے۔ پھر وہ ان چیزوں کو فنا کے بعد پلٹائے گا۔ اس لئے نہیں کہ ان میں سے کسی چیز کی اسے احتیاج ہے اور ان کی مدد کا خواہاں ہے اور نہ تنہائی کی الجھن سے منتقل ہوکر دل بستگی کی حالت پیدا کرنے کے لئے اور جہالت و بے بصیرتی کی حالت سے واقفیت اور تجربات کی دنیا میں آنے کے لئے اور فقر و احتیاج سے دولت و فراوانی اور ذلت و پستی سے عزت و توانائی کی طرف منتقل ہونے کے لئے ان کو دوبارہ پیدا کرتا ہے۔[۱۶]

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی فرمانروائی و جلال کبرائی کے آثار کو نمایاں کرکے اپنی قدرت کی عجیب وغریب نقش آرائیوں سے آنکھ کی پتلیوں کو محو حیرت کردیا ہے اور انسانی واہموں کو اپنی صفتوں کی تہ تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ایسا اقرار جو سراپا ایمان، یقین و اخلاص اور فرمانبرداری ہے۔

اے خدا کے بندو! اس بات کو جانے رہو کہ اس نے تم کو بیکار پیدا نہیں کیا اور نہ یونہی کھلے بندوں چھوڑ دیا ہے۔ جو نعمتیں اس نے تمہیں دی ہیں ان کی مقدار سے آگاہ اور جو احسانات تم پر کئے ہیں اس کا شمار جانتا ہے۔ اس سے فتح و کامرانی اور حاجت روائی چاہو، اس کے سامنے دست طلب پھیلاؤ، اس سے بخشش و عطا کی بھیک مانگو، تمہارے اور اس کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے اور نہ تمہارے لئے اس کا دروازہ بند ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر ساعت و ہر آن اور ہر جن و انسان کے ساتھ موجود ہے۔ نہ جود و سخا سے اس میں رخنہ پڑتا ہے نہ داد و دہش سے اس کے یہاں کمی ہوتی ہے۔ نہ مانگنے والے اس کے خزانوں کو ختم کرسکتے ہیں نہ بخشش و فیضان اس کی نعمتوں کو انتہا تک پہنچا سکتا ہے۔ نہ ایک طرف التفات دوسروں سے اس کی توجہ کو موڑ سکتا ہے اور نہ ایک آواز میں محویت دوسری آواز سے اسے بے خبر بناتی ہے۔ نہ اسے بیک وقت ایک نعمت کا دینا دوسری نعمت کے چھین لینے سے مانع ہوتا ہے اور نہ غضب کے شرارے رحمت کے فیضان سے اسے روکتے ہیں اور نہ لطف و کرم اسے تنبیہ وعقاب سے غافل کرتا ہے۔ اس کی ذات کی پوشیدگی اس کے آثار کی جلوہ پاشیوں پر نقاب نہیں ڈالتی اور نہ آثار کی جلوہ طرازیاں اس کی ذات کی پوشیدگی کو الگ کرسکتی ہیں۔ وہ قریب پھر بھی دور ہے اور بلند مگر نزدیک ہے، وہ ظاہر مگر اسی کے ساتھ باطن، وہ پوشیدہ مگر آشکارا ہے۔ وہ جزا دیتا

ہے مگر اسے جزا نہیں دی جاسکتی۔ اس نے خلقت کائنات کو سوچ سوچ کر ایجاد نہیں کیا اور نہ تکان کی وجہ سے ان سے مدد لینے کا محتاج ہے۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خوف خدا کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ یہ سعادت کی باگ ڈور اور دین کا مضبوط سہارا ہے۔ اس کے بندھنوں سے وابستہ رہو، اس کی حقیقت کو مضبوطی سے پکڑلو کہ یہ تمہیں آسائش کی جگہوں آسودگی کے گھروں حفاظت کے قلعوں اور عزت کی منزلوں میں پہنچائے گا اور اس دن آنکھیں خوف کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اس دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں بیکار کردی جائیں گی۔ اور صور پھونکا جائے گا تو ہر جان بدن سے نکل جائے گی۔ زبانیں گونگی ہوجائیں گی اور بلند پہاڑ اور مضبوط چٹانیں ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور سخت پتھر آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چمکتے ہوے سراب کی طرح ہوجائیں گے۔ جہاں آبادیاں اور فلک بوس عمارتیں تھیں وہ جگہیں ہموار میدان کی صورت میں تبدیل ہوجائیں گی۔ اس موقع پر نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جو سفارش کرے، نہ کوئی عزیز ہوگا جو اس عذاب کی روک تھام کرے نہ عذر و معذرت پیش کی جاسکے گی کہ کچھ فائدہ بخشے۔ [۷۱]

اللہ سبحانہ کی ایک زور فرمانروائی اور عجیب و غریب صنعت کی لطیف نقش آرائی یہ ہے کہ اس نے ایک اتھاہ دریا کے پانی سے جس کی سطحیں تہ بہ تہ اور موجیں تھپیڑے مار رہی تھیں، ایک خشک و بے حرکت زمین کو پیدا کیا پھر یہ کہ اس نے پانی کے بخار کی تہوں پر تہیں چڑھادیں جو آپس میں ملی ہوئی تھیں اور انہیں الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے جو اس کے حکم سے تھمے ہوئے اور اپنے مرکز پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور زمین کو اس طرح قائم کیا کہ اسے ایک نیلگوں گہر اور فرمان الٰہی کے حدوں میں گھرا ہوا دریا اٹھائے ہوئے ہے جو اس کے حکم کے آگے بے بس اور اس کی ہیبت کے سامنے سرنگوں ہے اور اس کے خوف سے اس کی روانی تھمی ہوئی ہے اور ٹھوس چکنے پتھروں، ٹیلوں اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان کو ان کی جگہوں پر نصب اور ان کی قرار گاہوں میں قائم کیا۔ چنانچہ ان کی چوٹیاں فضا کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہیں اور بنیادیں پانی میں گڑی ہوئی ہیں۔ اس طرح اس نے پہاڑوں کو پست اور ہموار زمین سے بلند کیا اور ان کی بنیادوں کو ان کے پھیلاؤ اور ان کے ٹھہراؤ کی جگہوں میں زمین کے اندر اُتار دیا۔ ان کی چوٹیوں کو فلک بوس اور بلندیوں کو آسمان پیما بنا دیا اور انہیں زمین کے لئے ستون قرار دیا اور میخوں کی صورت میں انہیں گاڑا، چنانچہ وہ ہچکولے کھانے کے بعد تھم گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے رہنے والوں کو لے کر جھک پڑے یا اپنے بوجھ کی وجہ سے دھنس جائے یا اپنی

جگہ چھوڑ دے۔

پاک ہے وہ ذات کہ جس نے پانی کی طغیانیوں کے بعد زمین کو تھام رکھا اور اس کے اطراف و جوانب کو تر بتر ہونے کے بعد خشک کیا اور اس سے اپنی مخلوقات کے لئے گہوارۂ استراحت بنایا اور ایک ایسے گہرے دریا کی سطح پر اس کے لئے فرش بچھایا جو تھما ہوا ہے بہتا نہیں اور رکا ہوا ہے جنبش نہیں کرتا۔ جسے تند ہوائیں ادھر سے ادھر ڈھکیلتی رہتی ہیں، اور برسنے والے بادل اسے متھ کر پانی کھینچتے رہتے ہیں، بے شک ان چیزوں میں سروسامان عبرت ہے اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔ ۱۸

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو مخلوقات کی مشابہت سے بلند تر، توصیف کرنے والوں کے تعریفی کلمات سے بالاتر، اپنے عجیب وغریب نظم ونسق کی بدولت دیکھنے والوں کے سامنے آشکارا اور جلال عظمت کی وجہ سے وہم وگمان دوڑانے والوں کے فکر و اوہام سے پوشیدہ ہے۔ وہ عالم ہے بغیر اس کے کہ کسی سے کچھ سیکھے یا علم میں اضافہ اور کہیں سے استفادہ کرے اور بغیر فکر و تأمل کے ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے۔ نہ اسے تاریکیاں ڈھانپتی ہیں نہ وہ روشنیوں سے کسب ضیا کرتا ہے نہ رات اسے گھیرتی ہے نہ دن کی گردشوں کا اس پر گذر ہوتا ہے اور اس کا جاننا بوجھنا آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں اور نہ اس کا علم دوسروں کے بتانے پر منحصر ہے۔ ۱۹

خداوند عالم نے ایمان کا فریضہ عائد کیا شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے، نماز کو فرض کیا رعونت سے بچانے کے لئے، اور زکوۃ کو رزق میں اضافہ کا سبب بنانے کے لئے، اور روزہ کو مخلوق کے اخلاص کو آزمانے کے لئے، اور حج کو دین کی تقویت پہنچانے کے لئے، جہاد کو اسلام کو سرفرازی بخشنے کے لئے، اور امر بالمعروف کو اصلاح خلائق کے لئے اور نہی عن المنکر کو سر پھروں کی روک تھام کے لئے، اور حقوق قرابت کے ادا کرنے کو یار و انصار کی گنتی بڑھانے کے لئے اور قصاص کو خونریزی کے انسداد کے لئے اور حدود شرعیہ کے اجرا کو محرمات کی اہمیت قائم کرنے کے لئے اور شراب خوری کے ترک کو عقل کی حفاظت کے لئے اور چوری سے پرہیز کو پاک بازی کا باعث ہونے کے لئے زنا کو بدی سے بچنے اور نسب کے محفوظ رکھنے کی لئے اور اغلام کے ترک کو نسل کے بڑھانے کے لئے اور گواہی کو انکار حقوق کے مقابلہ میں ثبوت مہیا کرنے کے لئے اور جھوٹ سے علیحدگی کو سچائی کا شرف آشکارا کرنے کے لئے اور قیام امن کو خطروں سے تحفظ فراہم کرنے کے لئے اور امانتوں کی حفاظت کو امت کا نظام درست رکھنے کے لئے اور اطاعت کو امامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔ ۲۰

قارئین کرام کے لئے حضرت علیؑ کی اس عظیم کتاب نہج البلاغہ ہے، جو ان کے مشروح خطبات، جلی مکتوبات، ارزشمند حکم و نصائح موعظات اور کلمات قصار پر مشتمل ہے، توحید شناسی اور الٰہیات سے متعلق ان کے چند خطبوں سے اقتباسات پیش کئے گئے تاکہ اس دور خدا ناشناسی و عدم معرفت معبود میں الہ شناسی کے لئے ایک مضبوط اور وسیع بنیاد فراہم ہوسکے۔ یہی بنیاد دین اسلام کی ابتدائی منزل اور اس کی پہلی سیڑھی ہے اور جب تک یہ طے نہ ہوگی ہم شرف انسانی، اخوت اسلامی، دین شناسی اور اخلاقیات کے مراحل کو ہرگز طے کرنے کے قابل نہ ہو پائیں گے کیونکہ بقول معروف "اول العلم معرفة الجبار" یعنی ہر علم سے پہلے خدائے قدوس و جبار کی معرفت کا علم ہے جس کا حاصل کرنا واجب اور ناگزیر ہے اور یہی علم تمام علوم کا مقدمہ اور ان کی ابتدا ہے۔ ان خطبوں سے خدا کے برگزیدہ بندے اور امام مبین کی طرف سے خداشناسی کا ایک عظیم دروازہ سائلین و محصلین علم الٰہیات کے لئے کھول دیا گیا ہے جو رہتی دنیا تک الہ شناسی کی پیاسی دنیا کو سیراب کرتا رہے گا اور باب مدینۃ العلم کی علمی موشگافیوں پر مشتمل ممتاز کارناموں کے طور پر آسمان علم و دانش پر مثل آفتاب تابندہ رہے گا۔

آخر میں ہم خداشناسی سے متعلق سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے ان معرفت بھرے کلمات کے ساتھ گفتگو کو ختم کرتے ہیں کہ "ان یکون لغیرک من الظهور ما لیس لک" یعنی اے اللہ آیا کوئی تجھ سے ظاہر تر ہے کہ میں تیرے لئے بطور دلیل پیش کروں؟[۱۲] دوسری عبارت میں زیادہ واضح انداز سے کہا جاسکتا ہے کہ میرے مالک وخالق! کائنات میں تجھ سے زیادہ واضح وظاہر چیز موجود نہیں جس کو تیرے ظہور کی دلیل قرار دیا جاسکے بلکہ تیری ذات اظہر ہے۔

حوالے:

۱۔ موسوعۃ الامام علی ابن ابی طالب، ج ۸، ص ۵۰

۲۔ سورہ فاطر، آیت ۱۰

۳۔ خطبہ ۱، ص ۵۱

۴۔ خطبہ ۴۹، ص ۱۷۶

۵۔ خطبہ ۸۳، ص ۲۲۴

۶۔ خطبہ ۸۸، ص ۲۳۶

۷۔ خطبہ ۸۹، ۲۳۷

۸۔ خطبہ ۱۰۷، ص ۲۹۱،

۹۔ خطبہ ۱۳۱، ص ۳۴۷

۱۰۔ خطبہ ۱۵۸، ص ۳۹۴

۱۱۔ خطبہ ۱۶۱، ص ۴۰۳

۱۲۔ خطبہ ۱۷۶، ص ۴۴۳

۱۳۔ خطبہ ۱۸۰، ص ۴۵۰

۱۴۔ خطبہ ۱۸۱، ص ۴۵۹

۱۵۔ خطبہ ۱۸۳، ص ۴۶۴

۱۶۔ خطبہ ۱۸۴، ص ۴۶۹

۱۷۔ خطبہ ۱۹۳، ص ۵۲۴

۱۸۔ خطبہ ۲۰۹، ص ۵۶۰

۱۹۔ خطبہ ۲۱۱، ص ۵۶۲

۲۰۔ خطبہ ۲۵۱، ص ۸۴۳

۲۱۔ حسینؑ شناسی۔ استاد شہید مطہری، ص ۱۲۷

نہج البلاغہ کے مختلف خطبوں کا مختصر مطالعہ

مفتی جعفر حسین مرحوم

ساری دنیا اس حقیقت سے واقف ہے کہ مولای متقیان حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے خانۂ کعبہ میں پیغمبر کی آغوش میں آنکھ کھولی اور ساری زندگی ان کی سنت و سیرت کی ایسی پیروی کی کہ رحمت اللعالمین کی زبان اوصاف علیؑ بیان کرنے میں محو ہوگئی اور کتب احادیث میں ارشادات نبوی قلمبند ہونے لگے۔ "ہم اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ کا نفس میرا نفس ہے"۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ سفر معراج سے واپسی کے بعد روداد سفر بیان کرتے ہوئے پیغمبر نے فرمایا: "اے علیؑ! خداوند عالم نے مجھ سے تمہارے لب و لہجہ میں گفتگو فرمائی"۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے سفر کی بقیہ روداد اپنی زبان سے سنائی اور پیغمبر ان کے ارشادات کی تائید کرتے رہے۔ حافظ شیرازی نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

سرِ خدا کہ عارف سالک بہ کس نگفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

جی ہاں! نہج البلاغہ میں مذکور آفرینش عالم کے سلسلے میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات کا مطالعہ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ راوی اگر خود کاریگر نہیں ہے تو کم از کم الٰہی کاریگری کا شاہد عینی ضرور ہے اور اس نے دنیا کی تخلیق کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ خطبہ درحقیقت حضرت علیؑ کے ید اللہ اور عین اللہ ہونے کی دلیل فراہم کر دیتا ہے۔ مفتی جعفر حسین کے اس مقدماتی مقالہ میں مولای متقیان کے دیگر خطبات کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔ (ادارہ)

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کرسکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پاسکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال کی کوئی حد متعین نہیں، نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں نہ اس کی ابتدا کے لئے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جاسکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہوجائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا، تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں [۱]، دین کی ابتدا اس کی معرفت

ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے۔ کمال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے، اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی، اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کردی اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز میں ہے اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کرلیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے۔ اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں۔ موجود ہے۔ مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے، نہ جسمانی دوری کے طور پر، وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں، وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی۔ وہ یگانہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہو جائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا۔ بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بیتاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا۔ ان کی حد و نہایت پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضا کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا، جس کے دریائے امواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہہ بہ تہہ تھیں اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے

مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دور و دراز تک پھیلا دی پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے ڈھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی۔ جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے پانی کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی۔ یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہہ بہ تہہ پانی جھاگ دینے لگا۔ اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کیے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت پھر ان کو ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضو پاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا۔ جو گھومنے والے فلک، چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کیے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سربسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزہ بیان میں سرگرم ہیں اور اکتاتے نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے نہ ان کی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی و کاہلی آتی ہے نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں، کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں۔ کچھ وہ ہیں، جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں۔ عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سرا پردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں۔ نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا

پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شورہ زار زمین سے مٹی جمع کی، اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہوکر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہوگیا۔ اس سے ایک ایسی صورت بنائی، جس میں موڑ ہیں اور جوڑ، اعضا ہیں اور مختلف حصے، اسے یہاں تک سکھایا کہ وہ خود تھم سکے اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اس میں روح پھونکی، تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہوگئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا۔ فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضاء و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے۔ جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف مزوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ خود رنگا رنگ کی مٹی اور ملتی جلتی ہوئی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری خشکی کا پیکر ہے۔

پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اس کی پیمان وصیت کو پورا کریں۔ جو سجدۂ آدمؑ کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لئے تھا۔ اس لئے اللہ نے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اسے عصبیت نے گھیر لیا۔ بدبختی اس پر چھاگئی۔ آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا۔ اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کو مخلوق اور حقیر و ذلیل جانا۔ اللہ نے اسے مہلت دی تا کہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے اور بنی آدمؑ کی آزمائش پایۂ تکمیل تک پہنچے اور وعدہ پورا ہوجائے۔ چنانچہ اللہ نے اس سے کہا کہ تجھے وقت معین کے دن تک کی مہلت ہے۔ پھر اللہ نے آدم کو ایسے گھر میں ٹھہرایا۔ جہاں ان کی زندگی کو خوش گوار رکھا۔ انہیں شیطان اور اس کی عداوت سے بھی ہوشیار کردیا۔ لیکن ان کے دشمن نے ان کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکوکاروں میں مل جل کر رہنے پر حسد کیا اور آخرکار انہیں فریب دے دیا۔ آدمؑ نے یقین کو شک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ مسرت کو خوف سے بدل لیا۔ اور فریب خوردگی کی وجہ سے ندامت اٹھائی۔ پھر اللہ نے آدم کے لئے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انہیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انہیں دار ابتلا و محل افزائش نسل میں اتار دیا۔ اللہ سبحانہ نے ان کی اولاد سے انبیاء چنے۔ وحی پر ان سے عہد و پیمان لیا،

تبلیغ رسالت کا انہیں امین بنایا، جب کہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حق سے بے خبر ہو گئے۔ اوروں کو اس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انہیں روگرداں اور اس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کئے اور لگا تار انبیاء بھیجے تا کہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں۔ اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں پر بلند بام آسمان، ان کے نیچے بچھا ہوا فرش زمین، زندہ رکھنے والا سامان معیشت۔ فنا کرنے والی اجلیں، بوڑھا کر دینے والی بیماریاں اور پے در پے آنے والے حادثے۔

اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی فرستادہ پیغمبر یا آسمانی کتاب یا دلیل قطعی طریق روشن کے کبھی یونہی نہیں چھوڑا۔ ایسے رسول، جنہیں تعداد کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت درماندہ و عاجز نہیں کرتی تھی۔ ان میں کوئی سابق تھا، جس نے بعد میں آنے والے کا نام و نشان بتایا۔ کوئی بعد میں آیا، جسے پہلا پہچنوا چکا تھا۔ اسی طرح مدتیں گزر گئیں۔ زمانے بیت گئے۔ باپ داداؤں کی جگہ پر ان کی اولادیں بس گئیں۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہٗ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا، جن کے علامات (ظہور) مشہور محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔ پھر اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اپنے لقا و قرب کے لئے چنا، اپنے خاص انعامات آپ کے لئے پسند فرمائے اور دار دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپ کے رخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپ کو اٹھالیا۔ حضرت تم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے، جو انبیاء اپنی امتوں میں چھوڑتے چلے آئے تھے۔ اس لئے کہ وہ طریق واضح و نشان محکم قائم کئے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبر نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انھوں نے کتاب کے حلال و حرام، واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال مقید و مطلق محکم و متشابہ کو واضح طور سے بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی۔ اس

کی گتھیوں کو سلجھادیا۔ اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں، جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا وجوب کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے ان کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں، جن پر عمل کرنا حدیث کی رو سے واجب ہے، لیکن کتاب میں ان کے ترک کی اجازت ہے۔ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانۂ آئندہ میں ان کا وجوب برطرف ہوجاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے۔ کچھ کبیرہ ہیں، جن کے لئے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیر ہیں جن کے لئے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے، اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

اسی خطبہ میں حج کے سلسلہ میں فرمایا:

اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا، جسے لوگوں کا قبلہ بنایا ہے۔ جہاں لوگ اس طرح کھنچ آتے ہیں، جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف اور اس طرح وارفتگی سے بڑھتے ہیں، جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب آتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی و عاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشان بنایا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چن لئے جنہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی اور اسکے کلام کی تصدیق کی وہ انبیاء کی جگہوں پر ٹھہرے۔ عرش پر طواف کرنے والے فرشتوں سے شباہت اختیار کی۔ وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں منفعتوں کو سمیٹتے ہیں اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف بڑھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان، پناہ چاہنے والوں کے لئے حرم بنایا ہے۔ اس کا حج فرض اور ادائگی حق کو واجب کیا ہے اور اس کی طرف راہ نوردی فرض کردی ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الادا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو جان لے کہ اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

۱۔ ''دین کی اصل و اساس خدا شناسی ہے'' دین کے لغوی معنی اطاعت اور عرفی معنی شریعت کے ہیں۔ یہاں خواہ لغوی معنی مراد لیئے جائیں یا عرفی دونوں صورتوں میں اگر ذہن کسی معبود کے تصور سے خالی ہو، تو نہ اطاعت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی آئین کی پابندی کا کیونکہ جب کوئی منزل ہی سامنے نہ ہوگی، تو منزل کے رخ پر بڑھنے کے کیا معنی اور جب کوئی مقصد ہی پیش نظر نہ ہوگا تو

اس کے لئے تگ و دو کرنے کا کیا مطلب۔ البتہ جب انسان کی عقل و فطرت اس کا سر رشتہ کسی ما فوق الفطرت طاقت سے جوڑ دیتی ہے اور اس کا ذوق پرستاری و جذبۂ عبودیت اسے کسی معبود کے آگے جھکا دیتا ہے، تو وہ من مانی کر گزرنے کے بجائے اپنی زندگی کو مختلف قسم کی پابندیوں میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور انہی پابندیوں کا نام دین ہے۔ جس کا نقطۂ آغاز صانع کی معرفت اور اس کی ہستی کا اعتراف ہے۔

معرفت کی بنیادی حیثیت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس کے ضروری ارکان و شرائط بیان فرمائے ہیں اور عموماً افراد انسانی جن ناقص مراتب ادراک کو اپنی منزل آخر بنا کر قانع ہو جاتے ہیں۔ ان کے ناکافی ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ فطرت کے وجدانی احساس اور ضمیر کی راہنمائی سے یا اہل مذاہب کی زبان سے سن کر اس اَن دیکھی ہستی کا تصور ذہن میں پیدا ہو جائے جو خدا کہی جاتی ہے۔ یہ تصور درحقیقت فکر و نظر کی ذمہ داری اور تحصیل معرفت کا حکم عائد ہونے کا عقلاً پیش خیمہ ہے، لیکن تساہل پسند یا ماحول کے دباؤں میں اسیر ہستیاں اس تصور کے پیدا ہونے کے باوجود طلب کی زحمت گوارا نہیں کرتیں تو وہ تصور تصدیق کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ اس صورت میں وہ معرفت سے محروم ہو جاتی ہے اور باوجود تصور، بمنزل تصدیق سے ان کی محرومی چونکہ بالاختیار ہوتی ہے اس لئے وہ اس پر مواخذہ کی مستحق ہوتی ہیں، لیکن جو اس تصور کی تحریک سے متاثر ہو کر قدم آگے بڑھاتا ہے وہ غور و فکر ضروری سمجھتا ہے اور اس طرح دوسرا درجہ ادراک کا حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی بوقلمونیوں اور مصنوعات کی نیرنگیوں سے صانع عالم کا کھوج لگایا جائے کیونکہ ہر نقش نقاش کے وجود پر اور ہر اثر مؤثر کی کارفرمائی پر ایک ٹھوس اور بے لچک دلیل ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتا ہے، تو اسے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی کہ جو کسی صانع کی کارفرمائی کے بغیر موجود ہوگئی ہو۔ یہاں تک کہ کوئی نقش قدم بغیر راہرو کے اور کوئی عمارت بغیر معمار کے کھڑی ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا، تو کیونکر یہ باور کرسکتا ہے کہ یہ فلک نیلگوں اور اس کی پنہائیوں میں آفتاب و ماہتاب کی تجلیاں اور یہ زمین اور اس کی وسعتوں میں سبزہ و گل کی رعنائیاں بغیر کسی صانع کی صنعت طرازی کے موجود ہوگئی ہوں گی۔ لہٰذا موجودات عالم اور نظم کائنات کو دیکھنے کے بعد کوئی انسان اس نتیجہ تک پہنچنے سے اپنے دل و دماغ کو نہیں روک سکتا کہ اس جہان رنگ و بو کا کوئی بنانے سنوارنے والا ہے کیونکہ تہی دامان وجود سے فیضان وجود نہیں ہوسکتا اور نہ عدم سے وجود کا سرچشمہ پھوٹ سکتا ہے۔ قرآن نے اس

استدلال کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ "افی اللہ شک فاطر السموات و الارض" کیا اللہ کے وجود میں شک ہوسکتا ہے جو زمین و اسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن یہ وجہ بھی ناکافی ہے جب کہ اس کی تصدیق میں غیر کی الوہیت کے عقیدہ کی آمیزش ہو۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کی ہستی کا اقرار وحدت و یگانگت کے اعتراف کے ساتھ ہو۔ بغیر اس کے خدا کی تصدیق مکمل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جس کے ساتھ اور بھی خدا مانے جائیں گے۔ وہ ایک نہیں ہوگا اور خدا کے لئے ایک ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کائنات کو ان میں سے ایک نے پیدا کیا ہے یا سب نے مل جل کر اگر ایک نے پیدا کیا ہے، تو اس میں کوئی خصوصیت ہونا چاہئے ورنہ اس ایک کو بلا وجہ ترجیح ہوگی جو عقلاً باطل ہے، اور اگر سب نے مل جل کر بنایا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے امور کی انجام دہی نہ کرسکتا ہوگا یا ان کی شرکت و تعاون سے بے نیاز ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا محتاج و دست نگر ہونا اور دوسری صورت میں ایک فعل کے لئے کئی ایک مستقل فاعلوں کا کارفرما ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں صورتیں اپنے مقام پر باطل کی جاچکی ہیں۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ سارے خداؤں نے حصہ رسدی مخلوقات کو آپس میں بانٹ کر ایجاد کیا ہے، تو اس صورت میں تمام ممکنات کی ہر واجب الوجود سے یکساں نسبت نہ رہے گی، بلکہ صرف اپنے بنانے والے ہی سے نسبت ہوگی۔ حالانکہ ہر واجب کو ہر ممکن سے اور ہر ممکن کو ہر واجب سے یکساں نسبت ہونا چاہئے۔ کیونکہ تمام ممکنات اثر پذیری میں اور تمام واجب الوجود اثر اندازی میں ایک سے مانے گئے ہیں۔ تو اب اسے ایک مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ متعدد خالق ماننے کی صورت میں کسی چیز کے موجود ہونے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شئی کے لئے تباہی و بربادی ضروری قرار پاتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے اس دلیل کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے "لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسدتا" اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے، تو یہ زمین و آسمان دونوں تباہ و برباد ہوجاتے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ اسے ہر نقص و عیب سے پاک سمجھا جائے اور جسم و صورت، تمثیل و تشبیہ، مکان و زمان حرکت و سکون اور عجز و جہل سے منزہ مانا جائے۔ کیونکہ اس باکمال و بے عیب ذات میں نہ کسی نقص کا گذر ہوسکتا ہے نہ اس کے دامن پر کسی عیب کا دھبہ ابھر سکتا ہے اور نہ اس کو کسی کے مثل و مانند ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں وجوب کی بلندیوں سے اتار کر امکان کی پستیوں میں

لے آنے والی ہیں۔ چنانچہ قدرت نے توحید کے پہلو بہ پہلو اپنی تنزیہ و تقدیس کو بھی جگہ دی ہے۔

۱- کہہ دو کہ اللہ یگانہ ہے۔ اس کی ذات بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلّہ ہے۔

۲- اس کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، البتہ وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔

۳- اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھ لیا کرو۔ بے شک اصل حقیقت اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۴- کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے، وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔

پانچواں درجہ یہ ہے جس سے معرفت مکمل ہوتی ہے کہ اس کی ذات میں صفتوں کو الگ سے نہ سمویا جائے کہ ذات احدیت میں دوئی کی جھلک پیدا ہوجائے اور توحید اپنے صحیح مفہوم کو کھوکر ایک تین اور تین ایک کے چکر میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس کی ذات جوہر و عرض کا مجموعہ نہیں کہ اس میں صفتیں اس طرح قائم ہوں جس طرح پھول میں خوشبو اور ستاروں میں چمک بلکہ اس کی ذات خود تمام صفتوں کا سرچشمہ ہے اور وہ اپنے کمالات ذاتی کے اظہار کے لئے کسی توسط کی محتاج نہیں ہے۔ اگر اسے عالم کہا جاتا ہے و اس بنا پر کہ اس کے علم کے آثار نمایاں ہیں اور اگر اسے قادر کہا جاتا ہے تو اس لئے کہ ہر ذرّہ اس کی قدرت و کارفرمائی کا پتہ دے رہا ہے اور سمیع و بصیر کہا جاتا ہے تو اس وجہ سے کہ کائنات کی شیرازہ بندی اور اور مخلوقات کی چارہ سازی دیکھے اور سنے بغیر نہیں ہوسکتی۔ مگر ان صفتوں کی نمود اس کی ذات میں اسی طرح نہیں ٹھہرائی جاسکتی، جس طرح ممکنات میں کہ اس میں علم آئے تو وہ عالم ہو اور ہاتھ پیروں میں توانائی آئے تو وہ قادر و توانا ہو کیونکہ صفت کو ذات سے الگ ماننے کا لازمی نتیجہ دوئی ہے اور جہاں دوئی کا تصور ہوا وہاں توحید کا عقیدۂ رخصت ہوا۔ اسی لئے امیر المومنین علیہ السلام نے زائد بر ذات صفات کی نفی فرما کر صحیح توحید کے خدو خال سے آشنا فرمایا ہے اور دامن وحدت کو کثرت کے دھبوں سے بدنما نہیں ہونے دیا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی صفت تجویز ہی نہیں کی جاسکتی کہ ان لوگوں کے مسلک کی تائید ہو، جو سلبی تصورات کے بھیانک اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ حالانکہ کائنات کا گوشہ گوشہ اس کی صفتوں کے آثار سے چھلک رہا ہے اور مخلوقات کا ذرّہ ذرّہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ جاننے والا ہے، قدرت والا ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے اور اپنے دامن ربوبیت میں پالنے والا اور سایۂ رحمت میں پروان چڑھانے

والا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی ذات میں الگ سے کوئی ایسی چیز تجویز نہیں کی جاسکتی کہ اسے صفت سے تعبیر کرنا صحیح ہو، کیونکہ جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ اسی مطلب کو امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے سماعت فرمایئے اور پھر مذاہب عالم کے عقیدہ توحید کو اس کی روشنی میں دیکھئے اور پرکھئے کہ توحید کے صحیح مفہوم سے روشناس کرانے والی فردیں کون تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''ہمارا خدا بزرگ و برتر ہمیشہ سے عین علم رہا حالانکہ معلوم ابھی کتم عدم میں تھا اور عین سمع و بصر رہا۔ حالانکہ نہ کسی آواز کی گونج بلند ہوئی تھی اور نہ کوئی دکھائی دینے والی چیز تھی اور عین قدرت رہا حالانکہ قدرت کے اثرات کو قبول کرنے والی کوئی شی نہ تھی۔ پھر جب اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم (توحید و صدق) معلومات پر پوری طرح منطبق ہوا خواہ وہ سنی جانے والی صدائیں ہوں یا دیکھی جانے والی چیزیں ہوں اور مقدور کے تعلق سے اس کی قدرت نمایاں ہوئی''۔

یہ وہ عقیدہ ہے، جس پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے مگر سواد اعظم نے اس کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اور ذات و صفات میں علیحدگی کا تصور پیدا کردیا ہے۔ چنانچہ شہرستانی نے تحریر کیا ہے کہ: "قال ابو الحسن باری تعالیٰ عالم بعلم قادر بقدرہ حی بحیاۃ مرید بارادۃ متکلم بکلام سمیع بسمع بصیر ببصر"[۱] ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ علم، قدرت، حیات، ارادہ، کلام اور سمع و بصر کے ذریعہ عالم، قادر، زندہ، مرید، متکلم اور سمیع و بصیر ہے۔

اگر صفتوں کو اس طرح زائد بر ذات مانا جائے گا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ صفتیں ہمیشہ سے اس میں ہوں گی یا بعد میں طاری ہوئی ہوں گی۔ پہلی صورت میں جتنی اس کی صفتیں مانی جائیں گی انہیں اتنا ہی قدیم ماننا پڑے گا، جو قدامت میں اس کے شریک ہوں گی۔ تعالی اللہ عما یشرکون اور دوسری صورت میں اس کی ذات کو محل حوادث قرار دینے کے علاوہ یہ لازم آئے گا کہ وہ ان صفتوں کے پیدا ہونے سے پہلے نہ عالم ہو، نہ قادر نہ سمیع ہو اور نہ بصیر اور یہ عقیدہ اساسی طور پر اسلام کے خلاف ہے۔

۲- قرآن مجید کے احکام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں حلال و حرام کا بیان ہے جیسے "احل اللہ البیع و حرم الربوا" اللہ نے خرید و فروخت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے۔ اس میں فرائض و مستحبات کا ذکر ہے، جیسے "فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم فاذا طمأننتم فاقیموا الصلوٰۃ" جب نماز (خوف) ادا کر چکو تو اٹھتے

بیٹھے لیٹتے اللہ کو یاد کرو اور جب دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ، تو پھر معمول کے مطابق نماز پڑھا کرو۔ نماز فرض ہے اور دوسرے اذکار مستحب ہیں۔ اس میں ناسخ و منسوخ بھی ہیں۔ ناسخ جیسے عدہ وفات میں "اربعة اشهر و عشرا" چار مہینے دس دن اور منسوخ جیسے متاعاً الی الحول غیر اخرج جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدۂ وفات ایک سال ہے اس میں مخصوص مواقع پر حرام چیزوں کے لئے رخصت و اجازت بھی ہے جیسے فمن اضطر غیر باغ و لاعاد فلا اثم علیه "اگر کوئی شخص بحالت مجبوری حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، در آں صورتیکہ حدود شریعت کو توڑنا اور ان سے متجاوز ہونا نہ چاہتا ہو۔ اس میں اٹل احکام بھی ہیں جیسے "لایشرک بعبادة ربه احدا" چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس میں خاص و عام بھی ہیں۔ خاص وہ کہ جس کے لفظ میں وسعت ہو اور معنی مقصود کا دائرہ محدود ہو۔ جیسے و انی فضلتکم علی العالمین" اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے۔ اس میں عالمین سے صرف انہی کا زمانہ مراد ہے اگرچہ لفظ تمام جہانوں پر محیط شامل ہے اور عام وہ ہے جو اپنے معنی میں پھیلاؤ رکھتا ہے۔ جیسے "والله بکل شئ علیم" اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس میں عبرتیں اور مثالیں بھی ہیں۔ عبرتیں جیسے "فاخذه الله نکال الاخرة والاُولیٰ انّ فی ذلک لعبرةً لمن یخشیٰ" خدا نے اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں لے لیا جو اللہ سے ڈرے اس کے لئے اس میں عبرت کا سامان ہے۔ اور مثالیں جیسے "مثل الّذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثلِ حبّةٍ انبتت سبع سنابل فی کلّ سنبلة مائة حبّة" جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس بیج کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں۔ اس میں مطلق و مقید ہیں۔ مطلق وہ کہ جس میں کسی قسم کی تقیید و پابندی نہ ہو۔ جیسے "و اذ قال موسیٰ لقومه ان الله یامرکم ان تذبحوا بقرة" اس موقع کو یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ کا یہ حکم ہے کہ تم کوئی سی گائے ذبح کرو۔ اور مقید وہ کہ جس میں تشخص و قیود کی پابندی ہو۔ جیسے "انه یقول انها بقرة لا ذلول تثیر الارض و لا تسقی الحرث" اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو نہ ہل میں جوتی گئی ہو اور نہ اس سے کھیتوں کو سینچا گیا ہو۔ اس میں محکم و متشابہ بھی ہیں۔ محکم وہ کہ جس میں کوئی گنجلک نہ ہو۔ جیسے "ان الله علی کل شئ قدیر" بے شک، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور متشابہ وہ کہ جس کے معنی الجھے ہوئے ہوں۔ جیسے "الرحمن علی العرش استوی"

جس کے ظاہر مفہوم سے یہ تو ہم بھی ہوتا ہے کہ وہ جسمانی طور سے عرش پر برقرار ہے لیکن مقصود غلبہ و تسلط ہے۔ اس میں بعض احکام مجمل ہیں۔ جیسے "اقیمو الصلوٰۃ "نماز قائم کرو۔ اس میں گہرے مطالب بھی ہیں۔ جیسے وہ آیت کہ جن کے متعلق قدرت کا ارشاد ہے کہ "لایعلم تاویله الا اللّٰہ و الراسخون فی العلم" ان کی تاویل کو اللہ اور رسولؐ اور علم کی گہرائیوں میں اترے ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ پھر ایک دوسرے عنوان سے تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ جیسے "فاعلم انه لا اله الا اللّٰہ" اس بات کو جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ جیسے الم وغیرہ اور اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جو سنت پیغمبر سے منسوخ ہوگئے ہیں۔ جیسے: "و اللاتی یاتین الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا علیهن اربعة منكم فان شهدوا فامسكوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت" تمہاری عورتوں میں سے جو بدچلنی کی مرتکب ہوں، ان کی بدکاری پر اپنے آدمیوں میں سے چار کی گواہی لو۔ اور اگر وہ گواہی دیں، تو ایسی عورتوں کو گھروں میں بند کردو، یہاں تک کہ موت ان کی زندگی ختم کردے۔ یہ سزا اوائل اسلام میں تھی۔ لیکن بعد میں شوہردار عورتوں کے لئے اس حکم کو حکم رجم سے منسوخ کردیا گیا۔ اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جن سے سنت پیغمبر منسوخ ہوگئی۔ جیسے "فول وجهك شطر المسجد الحرام" چاہئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف موڑ لو۔ اس سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ اس میں ایسے احکام بھی ہیں جو صرف مقررہ وقت پر واجب ہوتے ہیں اور اس کے بعد ان کا وجوب باقی نہیں رہتا ہے۔ جیسے: "اذا نودی للصّلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذكر اللّٰہ" جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے، تو ذکر الٰہی کی طرف جلدی سے بڑھو۔ اس میں حرام کردہ چیزوں کی تفریق بھی قائم کی گئی ہے۔ جیسے گناہوں کا صغیرہ و کبیرہ ہونا۔ صغیرہ جیسے "قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم" ایمان والوں سے کہو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ اور کبیرہ جیسے "و من یقتل مؤمنا متعمداً فجزاؤه جهنم خالدین فیها" جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جنہیں تھوڑا سا بجالانا بھی کفایت کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بجالانے کی بھی گنجائش ہے۔ جیسے "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" جتنا بآسانی قرآن پڑھ سکو اتنا پڑھ لیا کرو۔

نہج البلاغہ کے مطالعہ کی مجوزہ تحقیقی روش

پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی

نہج البلاغہ کا مطالعہ اب تک مندرجہ ذیل امور تک محدود رہا ہے۔ مقدمے لکھے گئے ہیں، مخصوص خطبوں کی تشریح کی گئی ہے، حوالوں کی ترتیب دہی ہوئی ہے، محاورات واصطلاحات کی لغت تیار کی گئی ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ اگر چہ نہج البلاغہ کے فہم وادراک کو مہمیز کرنے میں یہ تمام کوششیں مددگار ہیں لیکن اب تک کوئی ایسا کام سامنے نہیں آیا جس کی روشنی میں کتاب کے اصل مواد کو بہ حیثیت مجموعی تحقیق کی اعلیٰ سطح پر پیش کیا جاسکے۔ دوسرے لفظوں میں، نہج البلاغہ کے سیاق وسباق پر تو بہت کام ہوا ہے لیکن کتاب کی اصل عبارت اور اس کے اصل مواد پر مطالعہ جزوی ہے، کلی نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ کے عنوانات کا دامن وسیع ہے، خیالات بہت گہرے ہیں، نظریات پیچیدہ ہیں اور موضوعات ایک دوسرے پر سایہ فگن ہیں۔ اگر چہ اس صورت حال کو اور اس سے پیداشدہ مسائل ومشکلات کو بذریعہ فصاحت آسان وعام فہم کردیا گیا ہے۔ پھر بھی ان تمام جہتوں کو بامعنی ربط دہی کے ساتھ سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ اسی لئے کوئی مکمل تجزیاتی مطالعہ سامنے نہیں آیا۔ عام طور پر انفرادی مطالعہ کی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ محض جزوی حصہ زیر مطالعہ رہتا ہے، باقی آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔ کل سے علیحدہ رہ کر جز کی تشریح غیر معتبر ہوجاتی ہے۔ ذاتی تجربات، علمی سطح، پسند وناپسند اور غلو وانحراف کی ناگزیر شمولیت اصل مواد ہی کو مسخ کردیتی ہے۔ ان کمزوریوں کے پیش نظر فرد کی ایسی جسارت سمندر میں کود پڑنے کے مترادف ہے جس میں تیر کر پار نکل جانے کے بجائے غرقاب ہوجانے کا امکان زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس مشکل کا صرف ایک حل ہے نہج البلاغہ کے عنوانات کے پیش نظر، احتیاط کے ساتھ کچھ مناسب تحقیقی نمونے یا ماڈل تیار کیے جائیں جو کسی حد تک وسیع عنوانات کو محیط کرسکیں، ربط دہی پیدا کرسکیں، غیر انفرادی تجزیہ پیش کرسکیں اور براہ راست طریق کار کی لغزشوں کا سدباب کرسکیں۔ کچھ اس طرح کے تحقیقی ماڈل تجویز کیے جاتے ہیں:

رسولؐ کے علم کا خاکہ

مذہبی دانشوروں میں اس بات کا بہت ذکر ہوتا ہے کہ رسولؐ نے دین وایمان کے ساتھ علم کا ایک مکمل ڈھانچہ بھی تیار کیا ہے جس کو دین وایمان کا محافظ و پاسبان قرار دیا ہے۔ ''محافظ'' کی اہمیت کسی طرح ''محفوظ'' سے کم تر نہیں ہوتی۔ اسی کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ رسولؐ کے تیار کردہ علمی ڈھانچہ کے خدوخال کو پوری طرح سمجھ لیا جائے۔ رسولؐ اکرم نے علم کی تعریف کرتے ہوئے اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ علم حقیقت شناسی ہے، علم اخلاقی پابندی ہے، اورعلم ایک صالح روایت ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ علم ایک رائے ہے جس کی عملی توثیق نہیں ہوتی ۔علم معلومات کا مجموعہ ہے جس کی ضد جاہلیت ہے۔ علم ان اصول وقواعد سے واقفیت کا نام ہے جو انسان کی زندگی کومنظم بنانے میں ممد ومعاون ہوتے ہیں۔ اس کے بعد علم کے پانچ دائرہ عمل کی نشاندہی فرمائی ہے: علم ایک الہام ہے جو تمام علوم کے لئے ہدایتی اصول فراہم کرتا ہے ۔علم نقل وروایت پر مشتمل ہے جو تمام تر عقلی واخلاقی کارگزاریوں کے لئے ضروری ہے۔علم ایک فلسفہ ہے جو تمام علوم میں نظم وترتیب قائم کرنے اور رونما ہونے والے واقعات کو اصولی درجہ دینے کے لئے ضروی ہے۔ علم ایک اصولی اور منطقی نتیجہ خیزی ہے جو حقیقتوں کے انکشاف اور تجرباتی معلومات کے لئے ایک بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ علم ایک تعقل (Reasoning) ہے جس کے ذریعہ دائرہ عمل کو قابو میں رکھا جاسکتا ہے یہی ریزننگ تمام علوم کا ماخذ بھی ہے اور آزمائش بھی جس کو مذہبی زبان میں اجتہاد کہتے ہیں۔[۱]

پیغمبرؐ اکرم کے ارشادات کی روشنی میں علم کے اسی ڈھانچہ کو دین کا محافظ قرار دیا گیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایمان کی مضبوتی اور کمزوری کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کس حد تک علم اور دین کو ہم آہنگ رکھتے ہیں۔ اس موقع پر یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ رسولؐ مقبول کے علمی ڈھانچے کی تشریح کا نام ''نہج البلاغہ'' ہے اس لئے کہ اس سے بہتر علم ودین کی ہم آہنگی کہیں اور نظر نہیں آتی۔ عصر حاضر میں نہج البلاغہ کی اہمیت وافادیت میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رہبران دین اسلام کے درمیان سطحی اختلافات اور تفرقہ کی وجہ سے اسلام کا جامع علمی ڈھانچہ جماعتوں اور فرقوں میں منقسم ہوکر رہ گیا۔ کوئی گروہ قیاس ورائے کا حامی بن گیا تو کوئی عقل وریزننگ کا۔ اس صف آرائی میں کبھی یہ خیال ہی نہ آیا کہ اپنے اپنے نقطۂ نظر کی وکالت اتنی بری نہیں جتنا کہ ایک کا یہ

سمجھنا کہ دوسرا برا ہے۔ اس تقسیم کاری میں محافظ دین ہی کمزور ہوگیا اور علم و دین کی ہم آہنگی دور از خیال ہوگئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی نے مذہب کا چولا پہن لیا اور مسند قضا پر بیٹھ کر دین فروشی شروع کر دی۔ ایسی ناگفتہ بہ صورت حال میں نہج البلاغہ مشعل راہ ہے جو نہ صرف یہ کہ رسولؐ کے علمی ڈھانچے کو محیط و متحد کرتی ہے بلکہ اس کو دین سے ہم آہنگ بھی رکھتی ہے۔

نہج البلاغہ صرف ادبی شاہکار ہی نہیں بلکہ علوم و معارف کا گراں بہا سرمایہ، حکمت و اخلاق کا سرچشمہ اور معارف ایمان وحقائق کا ایک انمول خزانہ بھی ہے۔ موضوعات جو بھی ہوں، علم و حکمت سے مرصّع اور نطق و فصاحت سے مزین ہیں۔ حضرت علیؑ کی خلافت کا دور اطمینان و دلجمعی کا دور نہ تھا۔ اس انتشار و برہمی کی فضا کے باوجود تسلسل و ہم آہنگی، گہرائی و گیرائی اور اسلوب کی یک رنگی اس بات کی شاہد ہے کہ یہ علمی استعداد ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے۔ خود انہیں کا قول ان پر صادق آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو نفس میں رچ بس جائے اور ایک وہ جو سن کر حاصل کیا گیا ہو۔

سنا سنایا علم فائدہ نہیں دیتا جب تک وہ دل میں راسخ نہ ہوجائے۔ یہی وہ راسخ علم تھا جس کا گرد و پیش کی مسموم فضا سے بے نیاز ہوکر، بے ساختہ مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اس اعتبار سے نہج البلاغہ ایک امتیازی خصوصیت کی حامل ہے۔

تضاد میں توازن

نہج البلاغہ موضوعات و مسائل کا صرف بیش بہا خزانہ ہی نہیں بلکہ اگر نگاہ ان سب پر محیط ہے تو احساس ہوگا کہ یہ سب موضوعات اور ان کی اضافی جہتوں میں تضاد پایا جاتا ہے کہیں کہیں موضوعات و مسائل ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ کا قابل ذکر حصہ ان متضاد کیفیتوں کا حامل ہے۔ حضرت علیؑ کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی علمی استعداد سے اتنا بڑا مختلف النوع مسائل و موضوعات کا انمول خزانہ جمع کر دیا۔ اس سے بڑھ کر کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس جمع شدہ موضوعات کے متضاد عناصر میں توازن قائم کیا۔ اس جہت کا مطالعہ ''تضاد میں توازن'' کے ماڈل کے تحت بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے علم وادب ہی کا تضاد لے لیجئے ۔ حضرت علیؑ نے فلسفیانہ فکرونظر کو ادبی لطافتوں میں سمو کر ایک نئی طرز تحریر کی داغ بیل ڈالی ہے جس کی مثال دنیا کی بڑی زبانوں میں بھی مشکل سے نظر آتی ہے۔ یقیناً انگریزی ، فرانسیسی اور جرمنی زبانیں ادبی بھی ہیں اور علمی بھی۔ لیکن علم وادب کی یکجہتی ان زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے۔ جہاں تک اردو کا سوال ہے ، یہ ایک ادبی زبان ہے۔ اس کی علمی حیثیت ابھی تک معتبریت کے درجہ تک نہیں پہونچی ہے۔ لیکن جہاں تک انگریزی ، فرانسیسی اور جرمن جیسی علم وادب کی مستند زبانوں کا تعلق ہے، وہاں بھی ابھی تک فلسفہ وحکمت کے حقائق اور الٰہیات کے دقیق مسائل کو بلاغت کلام نصیب نہیں ہوئی ہے۔ یہ کام مشکل بھی ہے اس لئے کہ علمی مطالب میں نہ تو بلیغ تعبیرات کی گنجائش ہے اور نہ ہی ان میں اعلیٰ معیاری بلاغت کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ ٹھوس حقائق کی سنگلاخ زمین اور بلاغت کا پر بہار چمن یکجا نہیں ہوسکتے۔ فقہی عبارتیں ،کلام جدل کی تحریریں اور علمی وفنی تعبیریں ، اسلوب بلاغت سے میل نہیں کھاتیں۔ لیکن اگر حضرت علیؑ کی شخصیت اس تضاد کو ہم آہنگ کردے تو مسائل وموضوعات چاہے جتنے دقیق ہوں، دل میں اتر جاتے ہیں۔ خدا کے وجود کے سلسلہ میں منطقی استدلال اور علمی تعبیرات کا ایک خزانہ موجود ہے جو اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں بلکہ ان کی گرفت میں ہے۔ لیکن مولای متقیان کے عالمانہ کلمات کا دائرہ کار فقط علماء کے دائرہ تک محدود نہیں بلکہ خود ارادیت کا حامل عام آدمی بھی حضرت کا یہ جملہ ''ہم نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا کو پہچانا''۔ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اسے فوراً یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ارادہ کرنا انسان کے اختیار میں ہوتا ہے لیکن اس کو تکمیل تک پہنچانا خداوند عالم کا کام ہے۔

حضرت علیؑ کے کلام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ادب کی سحر انگیزی اور علم وحکمت کی باریک نگاہی دونوں سمٹ کر جمع ہوگئی ہیں۔ یہی طرز ادا علم اور دین کے درمیان ہم آہنگ کرتی ہے۔ حضرت علیؑ وہ مفکر اسلام ہیں جنہوں نے علم الٰہیات اور دین اسلام پر عقلی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے جس کی کوہ پیمائی اب تک جاری ہے لیکن اب تک کی تمام کوششیں محیط ہیں، متجاوز نہیں ہوسکی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ نقش اول بھی ہیں اور حرف آخر بھی۔ نہج البلاغہ کے خطبات میں طبیعاتی ،نفسیاتی ، اخلاقی ، تمدنی ، معاشرتی اور حرب وضرب کے اصول وضوابط اور لازمی ہدایات موجود ہیں۔ ایک مکمل وجامع دستور حکومت بھی ان صفحات کی زینت ہے جس کی افادیت، آئین حکومت کے منضبط ہوجانے کے

باوجود ، کسی طرح کم نہیں ہوئی ہے۔ان تمام موضوعات پر مشتمل یہ خطبات، نہ صرف یہ کہ قیاس ورائے اور عقل وریزن کا امتزاج ہیں بلکہ متاع دین وایمان سے ہم آہنگ بھی ہیں۔ اس امتزاج و ہم آہنگی کی تشریح وتصریح ''تضاد میں توازن'' کے تحقیقی ماڈل ہی کے تحت مناسب وممکن ہے۔ اس ''امتزاج وہم آہنگی وتوازن'' کی دومثالیں پیش خدمت ہیں:

حضرت علیؑ کہہ رہے ہیں توحید یہ ہے کہ اس کو اپنے وہم وتصور کا پابند نہ بناؤ اور عدل یہ ہے کہ اس پہ الزامات نہ لگاؤ۔ یہ قیاس ورائے اور عقل وریزن کے امتزاج کی بہترین مثال ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں تمہارے لئے سچائی باعث نقصان ہو وہاں جھوٹ کو ترجیح نہ دو چاہے یہ جھوٹ تمہارے فائدے کا باعث ہورہاہو۔تمہاری باتیں تمہارے عمل سے زیادہ نہ ہوں اور دوسروں کے متعلق بات کرنے میں اللہ کا خوف کرتے رہو۔ حضرت علیؑ کے اس قول میں علم اور ایمان کی ہم آہنگی صاف نظر آتی ہے۔ ذرا تضاد میں توازن دیکھئے، جابرابن عبد اللہ سے کہہ رہے ہیں: چارقسم کے آدمیوں سے دین ودنیا کا قیام ہے۔ عالم جو اپنے علم کو کام میں لاتا ہے۔ جاہل جو علم کے حاصل کرنے میں عارنہیں کرتا۔ سخی جو دادودہش میں بخل نہیں کرتا اور فقیر جو آخرت کو دنیا کے عوض نہیں بیچتا۔ یہ چار متضاد عناصر ہیں جن کا توازن دیکھئے۔

جب عالم اپنے علم کو برباد کرے گا تو جاہل اس کو سیکھنے میں عار سمجھے گا۔ جب دولتمند بخل کرے گا تو فقیر اپنی آخرت دنیا کے بدلے بیچ ڈالے گا۔ یہ ہے تضاد میں توازن جس کا عالمانہ تجزیہ اسی ماڈل کے تحت کیا جاسکتا ہے جس کے اقوال میں یہ توازن ، خود اس کی شخصیت کتنی متوازن ۔ دانشور اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ حضرت علیؑ میں تین صفتیں ایسی تین صفتوں کے ساتھ جمع تھیں جو کسی بشر میں جمع نہیں ہوئیں۔ فقر کے ساتھ سخاوت ، شجاعت کے ساتھ تدبر ورائے اور علم کے ساتھ عملی کارگزاریاں ۔ یہ اقوال واحساسات کا اظہار وخیال کتاب کی محض ''قدرشناسی'' تک محدود ہے لیکن تضاد میں توازن کی تحقیقی پرکھ سے اب تک یہ محروم ہے۔ نہج البلاغہ کا اصل مرتبہ اسی پرکھ میں پوشیدہ ہے۔

سہ رخی ماڈل

اگر آپ نہج البلاغہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو تین دائرے صاف نظر آئیں گے۔ موضوعات ،

علم اور فصاحت کچھ موضوعات ذہنی کاوش چاہتے ہیں ، کچھ دل کو چھوتے ہیں۔ علم واسطہ ہے جو بذریعہ تشریح ذہنی خلش دور کرتا ہے اور دلی سکون مہیا کرتا ہے ۔ فصاحت ''خوش کن ترغیب'' کا باعث بنتی ہے۔ اس اعتبار سے نہج البلاغہ کے خدوخال کا مطالعہ سہ رخی تحقیقی ماڈل کے تحت کیا جاسکتا ہے۔ کچھ تشریحات ماڈل کی وضاحت اور مطالعہ کی مناسبت کے لئے حسب ذیل ہیں:

علم وحکمت جاہلیت کے خلاف ایک جدوجہد ہے۔ تہذیب واخلاق ، غفلت و بے توجہی کے خلاف جدوجہد ہے۔ علم وحکمت کا تعلق عقل سے ہے۔ تہذیب واخلاق کا تعلق دل سے ہے۔ علم وحکمت ایک روشنی ہے۔ تہذیب واخلاق آنکھ کھولتا ہے تاکہ روشنی سماسکے، غفلت سے انسان چونک سکے، روح کو منور کرسکے۔ علم وحکمت عقل کی زبان ہے۔ تہذیب واخلاق روح کے لئے پیغام ہے۔ علم وحکمت شخصی طور پر دو ذہنوں کے ترسیل کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن تہذیبی واخلاقی نصیحتیں وہ برقی رو ہیں جو مقرر سے سامعین کے دلوں میں براہ راست اتر جاتی ہیں جس کے لئے نطق وفصاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نطق وفصاحت کبھی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے جیسے کہ میدان جنگ میں کلام جدل ۔ لیکن کبھی تالیف قلب کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جیسے کہ زہدوتقویٰ کے مسائل مقرر جانتا ہے کہ وہ کس موقع پر اور کس وقت جذبات کو ابھارنے یا ان کو قابو میں رکھنے کے لئے نطق وفصاحت کا استعمال کرے۔ نطق وفصاحت میں سموئے ہوئے علم وحکمت اور تہذیبی واخلاقی نصیحتوں کو اگر یکجا کردیا جائے تو نہج البلاغہ کے خدوخال تیار ہوجائیں گے۔

یہ ماڈل کی اصولی تشریح تھی۔ اب عملی تشریح دیکھئے ۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ سماج میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک عالم ، ایک متعلم اور پھر عوام الناس جہاں تک عوام الناس کا تعلق ہے یہ وہ گروہ ہے جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہولیتا ہے، ہر ہوا کے رخ پر مڑجاتا ہے ۔ نہ ان لوگوں نے نور علم سے کسب ضیا کی اور نہ ہی کسی مضبوط سہارے کی پناہ لی۔

پھر کہتے ہیں عالم کا علم مال سے بہتر ہے۔ علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے مال کی تم کو حفاظت کرنی پڑتی ہے'' مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے، علم صرف کرنے سے بڑھتا ہے ۔ دولت کے اثرات دولت کے فنا ہونے سے فنا ہوجاتے ہیں، علم کے اثرات عالم کے گزرجانے کے بعد بھی رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔ علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ جس کی تقلید کی جاتی ہے۔ اس سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت کرواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے۔ اس

اعتبار سے علم حاکم ہے اور مال فقط محکوم۔ دولتمند زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے، عالم مردہ ہو جانے کے باوجود زندہ ہے۔ یقیناً ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی علمی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں۔

پھر کہتے ہیں متعلم سیکھنے والا طبقہ ہے۔ یہ ملے تو یہ ذہین بھی تھے لیکن یا تو وہ نا قابل اطمینان تھے یا دنیا کے لئے دین کو آلہ کار بنانے والے تھے۔ خدا کی نعمتوں پر شکرگزار ہونے کے بجائے اللہ کے بندوں پر برتری جتانے والے تھے۔ حق و دانش کے مطیع تھے لیکن ان کے دل کے گوشوں میں بصیرت کی روشنی نہ تھی۔ ذرا سا شبہ ہوا کہ شکوک وشبہات کی چنگاریاں بھڑ کنے لگیں۔ یہ سیکھنے والے یا تو لذتوں پر مٹے ہوئے تھے اور خواہش نفسانی کی راہ پر کھنچے چلے جا رہے تھے یا جمع خوری اور ذخیرہ اندوزی پر جان دیئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ہی دین کی پاسداری کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ چرنے والے چوپایوں سے مشابہ ہیں۔ ایسے لوگوں کے اردگرد ایک عالم کا علم سینے ہی میں دفن رہ جاتا ہے۔ لیکن یہی وہ لوگ یعنی عالم ہیں جن سے روئے زمین کبھی خالی نہیں رہتی۔ اللہ کی دلیلیں اور نشانیاں انہیں کے دم سے مٹنے نہیں پاتیں۔ یہ گنتی کے چند لوگ ہیں انہیں کے ذریعہ خدا اپنی حجتوں اور نشانیوں کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ علم نے ان میں حقیقت وبصیرت اور یقین واعتماد پیدا کر دیا ہے آرام پسند انہیں صفتوں کو دشوار سمجھتے ہیں۔ یہ انہیں سہل وآسان جانتے ہیں جن سے جاہل بھڑکتے ہیں ان سے یہ جی لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ دنیا میں ایسے جسموں کے ساتھ رہتے ہیں کہ جن کی روحیں اعلیٰ سے وابستہ رہتی ہیں، یہی دین کے سچے محافظ ہیں۔

نہج البلاغہ میں ایسے سہ رخی تقابل کے موضوعات بہت ہیں جن کی تشریحی سچائیوں پر زمانہ کی گردش وگرد کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ یہ وقت وزمانہ سے ماورا سچائیاں ہیں۔ لیکن ان مضمرات کی تشریح اسی سہ رخی ماڈل کے تحت ہی ممکن ہے۔ جس کے نتیجہ میں نہج البلاغہ کی اصل افادیت ابھر کر سامنے آئے گی۔

اختتامیہ

یہ تحقیقی ماڈل نہج البلاغہ کے لٹریچر سے میل کھاتے ہیں۔ یہ تقریباً کتاب کے موضوعات کو محیط کرتے ہیں۔ ان کو بہتر بھی بنایا جاسکتا ہے، ان میں ضرورت کے لحاظ سے ترمیم و تنسیخ بھی کی جاسکتی ہے یا دوسرے ماڈل بھی تیار کئے جاسکتے ہیں۔ درحقیقت ادارتی سطح پر یہ ایک مستقل طریق عمل ہے

جس کو جاری وساری رہنا چاہئے۔ یہ ماڈل یا کوئی اور نہ صرف یہ کہ کتاب کے مواد کو قابو میں رکھیں گے بلکہ تجزیہ وتشریحات کو بامعنی بھی بنائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ ذاتی نہ ہوں گے اور تعصب وطرفداری سے پاک ہوں گے۔ کتاب کا اعتماد اور اس کی معتبریت ایک وسیع حلقہ میں قائم کرنے کا باعث ہوں گے۔ اس طرح کے لائحہ عمل کو اختیار کئے بغیر انفرادی کوششوں سے فرد توقدآور ہوا ہے لیکن نہج البلاغہ کے مرتبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔

مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کی حقیقی عظمت واہمیت سے دنیا ناواقف رہ گئی جس کی بنیادی وجہ تحقیقی راہ وروش سے ناواقف افراد کے ذریعہ لکھی گئی نام نہاد تنقیدی عبارت ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ نہج البلاغہ کی عظمت مضر الفاظ، ضرررساں تجزیات اور ایک ہی رٹ کی تشریحات میں دب کر رہ گئی اور دنیاوالے اس کی حقیقی عظمت تک رسائی حاصل نہ کرسکے۔ بڑی کتابیں تو اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی ہوتی ہی ہیں لیکن اس کے لٹریچر کی افادیت کو برقرار رکھنے اور مقبول عام کرنے کے لئے ایک معیاری تجزیہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

افلاطون کی ''ریپبلک'' سوبرس تک گمنام رہی۔ لیکن یہ مستقل اور مسلسل عالمانہ تحقیق کا نتیجہ ہے کہ آج یہ کتاب سماجی علوم کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ نہج البلاغہ بھی ایک زندہ کتاب ہے لیکن لوگ اس عظیم کتاب کے حکیمانہ پہلوؤں سے کافی حدتک ناواقف رہ گئے اور اس سے بھرپور فائدہ نہ اٹھاسکے۔ اگر حقیقی علماء ودانشوروں کی جماعت غیر جانبدار اور نظم وترتیب کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے تو نہج البلاغہ بھی دنیا میں وہ مرتبہ حاصل کرسکتی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔

اسلام کے دینی مسائل اور فلسفیانہ نظریوں پر گفت وشنید کا ماخذ نہج البلاغہ ہے۔ اسی طرح مسلم سماج ومملکت کے بہت سے سماجی وسیاسی تنازعات کی بازگشت بھی نہج البلاغہ میں سنائی دیتی ہے۔ نہج البلاغہ نہ صرف عہد رسولؐ کے ابتدائی اسلام اور قرآنی تعلیم کا انعکاس ہے بلکہ ان تعلیمات کی روشنی میں مستقبل کے لئے رہنما بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کے بعد فقط نہج البلاغہ ہی وہ کتاب ہے جس کو مذہب اسلام کی بنیادی کتابوں میں شمار کیا جانا چاہئے۔ مولای متقیان نے اپنے معرکۃ الارا خطبات مکتوبات اور کلمات قصار میں اسلامی فقہ وفلسفہ اور اصول وکلام سے وابستہ موضوعات نہایت عالمانہ اور موثر انداز میں بیان کئے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف لازمی ہے کہ انحرافی تنقیدی روش، ناقص تحقیق اور لفظوں کی الٹ پھیر کی وجہ سے دنیا اس کے مکمل اور بھرپور استفادہ

سے محروم رہ گئی۔ موجودہ زمانہ علم و آگہی کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں اگر اس کتاب کا بھرپور اور گہرا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت سے دور تحقیق کی قلعی کھل جائے گی اور اس مقدس کتاب کی عظمت روز روشن کی طرح نمایاں ہوجائے گی۔

☙•❧

مذہب اور اقتصادیات

ڈاکٹر جے ایس نرائن راو عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد

پیغمبر خدا حضرت محمدؐ کے عزیز ترین رفیق اور پیرو حضرت علیؑ انسانیت کی ایک روشنی ہیں وہ انسانی تاریخ کی ممتاز ترین شخصیتوں میں سب سے زیادہ تابندہ شخصیت کا درجہ رکھتے ہیں، ان کی زندگی اور سیرت انسانی کردار اور شخصیت کے تعلق سے غیر محسوس مگر تحت شعور میں موجود ہر فستانی خاندان کی ایسی حیرت ناک داستان قرار پاتی ہے جو دنیا کی سرگزشتوں میں شاذ و نادر ہی دکھائی دیتی ہے۔ یہ مقدس و پاکیزہ شخصیت علم و دانش، شجاعت، سیرت و کردار اور اپنی سادگی پسندی میں بہ اعتبار فطرت نہایت ہی بلند اور غیر معمولی تھی، صدیاں بیت گئیں لیکن حضرت علیؑ کے کارناموں سے معمور داستان حیات کروڑوں دلوں اور دماغوں میں ابھی تک ایسی تری و تازگی رکھتی ہے جو مسلسل جاری رہنے والی ہے، ان کی سوانح نے سلطنت رومہ کے کثیر کارناموں کی تعریف و توصیف کو بھی للکار کر رکھ دیا ہے۔

حضرت علیؑ کا کوئی بھی حالیہ نو معتقد ان کی امنگ، جوش اور ان کے اعلیٰ اوصاف کی طرف سے صرف نظر نہیں کرسکتا، ایک شاعر ایک سپاہی اور ایک درویش کے جملہ اوصاف ان کی تنہا شخصیت میں جمع ہوگئے تھے۔ ان کے اخلاق اور مذہبی خطبات میں ان کا علم اور ان کی دانائی بولتی ہے اور زبان یا تلوار کی لڑائیوں میں ان کا کوئی بھی حریف ان کی شجاعت اور ان کی بلاغت کا مقابلہ نہیں کرسکتا، آنحضرتؐ کی تحریک کے پہلے لمحہ سے لے کر ان کی زندگی کی آخری سانس تک ان کا یہ عظیم رفیق ہمیشہ ہی ان کا سینہ سپر بنا رہا جسے آنحضرتؐ نے اپنا بھائی اور اپنا وصی قرار دیا اور رشتے کو موسیٰ اور ہارون کے رشتے سے تعبیر کیا۔[1]

ایک ارب نفوس پر مشتمل عالم اسلام میں پیغمبرؐ خدا کے بعد حضرت علیؑ ہی کا دوسرا نام ہے، اور اس بات کی توثیق و تصدیق کی ہے خود پیغمبرؐ خدا نے جنگ خیبر (۶۲۹ء) میں جبکہ شکست کا اندیشہ لاحق تھا تو حضرت علیؑ نے اس لڑائی کو فتح کیا، جب یہ جنگ کامیابی کے ساتھ تمام ہوئی تو پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ مسلمان تمہارے بارے میں بھی وہی سوچنے لگیں گے جو

نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کہنے لگے تو میں تمہارے تعلق سے ایسی باتیں کہتا کہ مسلمان تمہارے پیروں کے نیچے کی خاک اٹھا کر اپنے سروں پر رکھتے اور اسے قابل احترام قرار دیتے لیکن تمہارے تعلق سے میرا اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تم میرے وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں، میرے ساتھ تمہارا درجہ وہی ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کا، تم میرے مقصد کے لئے جنگ کروگے، روز قیامت تم سب سے زیادہ میرے قریب ہوگے، حوض کوثر پر تم میرے پہلو میں کھڑے ہوگے، جو تم سے دشمنی کرے گا وہ میرا دشمن ہوگا، جو تم سے لڑے گا وہ مجھ سے لڑے گا تمہارا دوست میرا دوست ہوگا تمہاری سلامتی میری سلامتی ہوگی، تمہارا گوشت میرا گوشت ہے تمہارا خون میرا خون ہے، جو تمہاری اطاعت کرے گا وہ میری اطاعت کرے گا، حق تمہارے زبان پر ہے، تمہارے دل میں ہے تمارے دماغ میں ہے تم خدا کی ذات پر اتنا ہی یقین رکھتے ہو جتنا یقین میں رکھتا ہوں، تم میرا دروازہ ہو، وحی الٰہی کے مطابق میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارے دوست جنت میں جائیں گے اور تمہارے دشمنوں کو جہنم کی سزا دی جائے گی[۲]

اگر کردار ہی کی خصوصیت ہے تو حضرت علیؑ کی پوری زندگی میں یہ خصوصیت قدم قدم پر دکھائی دیتی ہے۔ حضرت علیؑ وہ سپاہی تھے جس نے لڑائیوں کے مال غنیمت میں سے کبھی کوئی بڑا حصہ نہیں لیا، ان کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ سب کا سب غریبوں، محتاجوں اور یتیموں کے لئے تھا اور بسا اوقات انہیں خود فاقہ کشی کرنی پڑتی تھی، ان کی زندگی کا ایک ہی عیش تھا اور وہ عیش تھا اللہ کی بندگی، ان کی زندگی کی ایک ہی مسرت تھی اپنے احباب اور ان کے اہل وعیال سے ملنا جلنا، وہ دوسروں کی مصیبتوں اور غموں میں برابر سے شریک ہوتے تھے۔

فضہ ان کے گھر کی کنیز تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ انتظام کیا تھا کہ ایک دن گھر کا سارا کام کاج فضہ کریں اور دوسرے دن گھر کا کام کاج حضرت فاطمہؑ کریں اور فضہ کو دوسرے دن آرام دیا جائے۔ جب حضرت فاطمہؑ علیل ہوتی تھیں تب بھی فضہ کو گھر کے کام کاج سے ایک دن چھٹی رہتی تھی، اور حضرت علیؑ چکی میں جو پیتے چولہا جلاتے اور بچوں کی دیکھ بھال کرتے دکھائی دیتے تھے یہ وہ علیؑ تھے جنہوں نے بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین کی لڑائیاں فتح کی تھیں۔[۳] زندگی کے ان امور کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بے شمار امور ومسائل میں اپنے دانشورانہ خطبوں سے عالم انسانیت کی رہنمائی بھی کی ان خطبات میں انہوں نے اقتصادیات کے

مسائل پر بھی گفتگو کی ہے حالانکہ اقتصادیات کے مسائل انتہائی پیچیدگیاں رکھتے ہیں، ایک طرف بہشتی زندگی ہے اور دوسری طرف دنیاوی زندگی ، قبل اس کے کہ دنیوی اقتصادیات کے بارے میں کوئی گفتگو کی جائے آیئے ان دونوں زندگیوں کے مابین پائی جانے والی دانائی کا مختصر جائزہ لیں۔

بحر دانش

نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص دانائی کے اس دیار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو حضرت علیؑ نے دینی اور دنیاوی مسائل میں بہایا ہے جو خوش قسمتی سے سید رضی نے ذہانت سے کام لے کر اسے آنے والی نسلوں کے لئے خطبات ،مکتوبات اور اقوال کی صورت میں ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ زبان وبیان کے اعتبار سے بھی یہ خطبے نہایت شاندار ہیں اور اپنے مفاہیم و مطالب کے اعتبار سے بھی ۔ یہ خطبات اللہ کی حمد وثنا سے شروع ہوتے ہیں جو بڑا رحیم اور بڑا مہربان ہے صرف اسی ایک مثال سے ان کی روحانی عظمت وبلندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں یادرکھو کہ دنیا وہ مقام ہے جس کی رونقوں پر ایک بار ریجھ جانے کے بعد کوئی بھی شخص خود کو اس کی مصیبتوں اور اس کی جراحتوں سے بچا کر نہیں رکھ سکتا، آدمی دنیا کے کتنے ہی مفادات حاصل کرلے لیکن اس کے یہ مفادات اس کی نجات اور بخشش کا سبب نہیں بن سکتے ، ہر ذی حیات کا مصائب وآلام کے ذریعہ کڑا امتحان لیا جاتا ہے۔ لوگ گناہ میں ملوث ہوتے ہیں اور لالچ میں مبتلا رہتے ہیں ، جو لوگ دنیا کی دولت کو اپنے پاس اکٹھا کرلیتے ہیں ایک دن انہیں بھی دنیا کی یہ دولت دنیا ہی میں چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اتنی دولت ثروت کس طریقے سے اکٹھا کی اور یہ کہ اسے کس طرح مصرف میں لایا گیا ، جن لوگوں نے اپنی زندگی کو نیکی کے ساتھ بسر کیا ہے انہیں جنت بطور جزا دی جائے گی جس کی نعمت ومسرت سدا رہنے والی ہوگی۔

درویشوں نے اس دنیا کو ہمیشہ ایک سایہ کی طرح دیکھا ہے جو نمودار ہوتا ہے بڑھتا گھٹتا ہے اور انجام کار ناپید ہوجاتا ہے۔[۴]

دنیا کے زیر عنوان ان کا خطبہ خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میں ایک ایسے مقام کی طرف کیسے راغب ہوسکتا ہوں جس میں آنے والا آتا ہے تو درد کے ساتھ غم کے ساتھ اور جس سے اس کی موت اسے جدا کردیتی ہے ، جہاں کے رہنے والے ہر شخص کے اعمال کا

حساب لیا جائے گا اسے اپنے ہر عمل کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اگر اس نے ایسے اعمال کئے ہوں گے جو جائز اور قانون ہدایت کے مطابق ہوں گے تو ان کی جواب دہی کے بعد جزا ملے گی اور اگر ایسے ہوں گے جنہیں منع کیا گیا ہے یا جو احکام الٰہی کے مطابق نہیں ہیں تو پھر ان کو سزا دی جائے گی، جو لوگ دولت مند ہوتے ہیں وہ بالعموم گناہوں اور بدیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جبکہ غریب لوگوں کا مصائب و آلام احاطہ کئے رہتے ہیں، دنیا ان کو ٹھکراتی ہے جو اس پر ریجھتے ہیں اور جو لوگ دنیا کی رونقوں سے بے نیاز رہتے ہیں دنیا ان کی طرف جھک جاتی ہے، دنیا ان لوگوں کے لئے ایک اچھی معلم ہے جو اقوام کی تاریخ سے سبق لیتے ہیں اور ان لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے جو اس کی جھوٹی راحتوں اور رونقوں پر اپنی جان چھڑکنے لگتے ہیں۔

نہج البلاغہ کے صفحات میں روحانیت کا اُمنڈتا ہوا دریا دکھائی دیتا ہے، اس میں اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے، پھر بھی حضرت علیؑ نے بطور خلیفہ ایک حکمراں کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں، ان کے ان فرائض میں اقتصادی امور بھی آتے ہیں حضرت علیؑ کے یہاں مذہب اور اقتصادیات کا ایک خوبصورت امتزاج دکھائی دیتا ہے۔

اقتصادیات۔ مذہب کی کنیز

دنیا کی زندگی ابدی زندگی کی تیاری کا وقفہ ہوتی ہے، اس لئے مذہب اور اقتصادیات کے مابین مبینہ تصادم کے سوال کو نہج البلاغہ میں بڑی آسانی سے حل کر لیا گیا ہے، تصادم کا سوال صرف اس وقت اٹھتا ہے جب مذہب اور اقتصادیات کے اصولوں کو بدل ڈالا جائے خلیفہ کی سادہ معاشی زندگی اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی معیشت پر دوسری چیزوں کو ترجیح دیتے تھے انہوں نے عنان خلافت سنبھالنے کے بعد جو پہلا خطبہ دیا تھا وہ یہی تھا کہ ان کی حکومت کی پالیسی مذہب کی ہدایات کے تحت ہوگی۔ اقتصادی ضرورتوں کے تحت نہیں ہوگی، اقتصادی حکمت عملی کثیر التعداد عوام کی ضرورتوں کے برخلاف چند مخصوص لوگوں کی امارت اور اقتدار کا سبب بن جایا کرتی ہے جب کہ مذہب اس بات پر زور دیتا ہے کہ کثیر التعداد عوام کی ضرورتوں کو سب سے پہلے پورا کیا جائے اقتصادیات آدمی کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو دیکھتی ہیں جبکہ مذہب آدمی کی ضرورتوں پر پابندی لگاتا ہے اور انہیں ضرورت سے آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ مذہب اور اقتصادیات کا یہی

تضاد ہے جو دونوں کے مابین تصادم کی وجہ قرار پاتا ہے اور یہ بات کہی جاتی ہے کہ مذہب اقتصادیات کے خلاف ہے اور اقتصادیات مذہب کے خلاف کیونکہ مذہب اور اقتصادیات دونوں کے اپنے طے شدہ مقاصد ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے۔

اقتصادیات اپنے دائرہ میں چند نفوس کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں جبکہ مذہب اپنے دائرہ میں کثیر التعداد نفوس کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، ان دونوں کے درمیان کس معیشت کو اچھا اور بہتر کہا جاسکتا ہے اس معیشت کو جو چند نفوس کی ضرورتوں کو پورا کرے یا اس معیشت کو جو کثیر التعداد نفوس کی ضرورتوں کو پورا کرے معاشیات اور مذہب دونوں کو چند نفوس یا چند طبقوں کی ضروریات پوری کرنے کے برعکس کثیر التعداد عوام کی ضرورتیں پوری کرنی چاہئیں۔

معاشیات کو چاہئے کہ وہ عوام کی ضرورتیں پوری کرے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کو پتہ چلا کہ ان کے غلاموں میں سے ایک غلام قنبر نے جس کے ساتھ انہوں نے کبھی غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا بیت المال سے ملنے والے اپنے حصہ میں سے چند درہم بچا کر اپنے پاس رکھ لئے ہیں تو اس بات پر انہوں نے اپنا صدمہ اور اپنی برہمی ظاہر کی کیونکہ قنبر نے ایسا کرکے اپنے روپے سے دوسرے ضرورت مند لوگوں کو فائدہ اٹھانے کے موقع سے محروم کردیا تھا۔

بلاشبہ اقتصادیات کا نظام اس مفروضہ پر قائم ہے کہ ایک طرف وسائل کی کمی اور فقدان رہے گا اور دوسری جانب آدمی کی ضرورتیں کبھی ختم نہ ہوں گی، بہرصورت اگر عوام کی ضرورتیں پوری بھی کردی جائیں تو کیا ان کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکتا ہے ایک طرف فائیو اسٹار ہوٹل ہوں اور دوسری طرف آدھا پیٹ بھری آبادی ہو تو ان دونوں میں سے ایک سادہ لوح ماہر اقتصادیات اپنے لئے کس کو پسند کرے گا، اقتصادیات کے امور میں حضرت علیؑ جیسا علم ودانائی رکھنے والا ایک شخص ہی دین (مذہب) اور دنیا (اقتصادیات) کے درمیان اس مبینہ تصادم کا تشفی بخش حل نکالنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ یہ تصادم وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں ابلیس کو کرسی اقتدار دیدی جائے اور خدا کو اس کے تخت اقتدار سے ہٹادیا جائے، مذہب انسانیت ہے اور اقتصادیات انسانی علم ہیں جو پورے عالم انسانیت کی خدمت کے بجائے صرف چند آسودہ افراد یا طبقات کی مدد کرتا ہے۔ حضرت علیؑ اپنی ذاتی آسودگی اور عیش وعشرت سے بے نیاز ہو بہت سے دوسرے بندگان خدا کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ عصر حاضر کے ایک دانشور گاندھی جی کا خیال تھا کہ بے سروسامانی سے بہتر کوئی دوسرا

سامان نہیں ہے۔ یہاں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ زمانہ قدیم کے مسائل اقتصادیات کا یہ علم اور یہ دانائی اب روشنی میں آتی جارہی ہے، اب یہ خیال تسلیم کیا جارہا ہے کہ اقتصادیات خود ساختہ مذہب ہیں کوئی نیا مذہب نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں مذہب اور اقصادیات کے مابین ہم آہنگی نہج البلاغہ میں پیش کئے جانے والے علوم ہی سے ایک علم اور دانائیوں میں سے ایک دانائی ہے۔

حضرت علیؑ کا اقتصادی نظام

حضرت علیؑ کا اقتصادی نظام کیا ہے؟ کیا یہ سائنٹفک نظام ہے؟ کیا یہ نظام اقتصادی منطق اور کسوٹیوں پر پورا اترتا ہے؟ کیا یہ اقتصادی نظام ہمارے زمانے میں بھی مفید مطلب ہے؟ مزید برآں یہ کہ کیا یہ اقتصادی نظام جمہوری یا مساویانہ ہے؟ جب اقتصادیات یا معاشیات کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو یکے بعد دیگرے سوالات کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔

رسولؐ اسلام کے زمانے میں جزیرہ نمای عرب معاشی یا اقتصادی اعتبار سے دو واضح طبقوں کے درمیان منقسم تھا، معدودے چند امرا اور کثیر التعداد غریب نادار اور مفلس ظہور اسلام سے پہلے ان مذاہب نے جن میں کوئی الہامی کتاب نہیں تھی امیر طبقات کو بے شمار حقوق اور مراعات دے رکھی تھیں۔ اسلام نے غریبوں اور مظلوموں کو مادی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے تشفی دی۔ نئے مذہب میں خدا اور آدمی کے درمیان اتحاد رابطہ یا تعلق پیدا کیا گیا۔ ۷ے امشیت الٰہی کے آگے خود سپردگی کا نام اسلام ہے۔ اس سے میں مادیت کی بہ نسبت اخلاق کے ذریعہ زیادہ تشفی میسر آتی ہے۔ ۸ اسلام ایک جمہوری اور عقلی مذہب ہے۔ اگر سوشلزم کا مطلب ہے دولت میں مساوی حصہ جو مشترک سماجی کوششوں کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ معنی سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی چار سال میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ تر وہ لوگ تھے جو نہایت کمزور تھے اور ظلم کے خلاف اپنی مدافعت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ ایسا ایسا ظلم کیا گیا کہ پیغمبر کو یہ کہنا پڑا کہ جو لوگ اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے وہ ہجرت کر کے ایک عیسائی ملک ابی سیپیا یا حبش چلے جائیں۔ ظلم وستم جبر وتشدد اور ہجرت کے باوجود مسلمانوں کی مختصر تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ قریش کو زبردست تشویش ہوئی کہ کیونکہ انہوں نے کعبہ میں بت بٹھا رکھے تھے حالانکہ کعبہ عرب کے تمام باشندوں کے لئے مقدس مقام تھا جس کی زیارت کے لئے وہ آیا کرتے تھے قریش خود کو کعبہ کا نگہبان سمجھتے تھے جس کو انہوں نے اغراض پسندی

میں پہلا مقام یا پہلا درجہ دے رکھا تھا۔۹

اسلام جمہوری و اقتصادی انقلاب کی ایک راہ ہے جس میں نہ عیش وعشرت کی کوئی گنجائش ہے نہ شراب نوشی کی۔ حالانکہ ان باتوں کو اقتصادی ترقیات کی علامت تصور کیا جاتا ہے جبکہ ان باتوں سے عوام کو پریشانی اور مصیبت نظر آتی ہے۔ اقتصادی نظام میں جن باتوں کو ترقیات کی علامت قرار دیا جاتا ہے ان کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے شہر اور دیہات میں بَیرِیعنی جَوکی شراب جو کہ آسانی سے میسر آجاتی ہے جبکہ پینے کا صاف پانی مشکل ہی سے ملتا ہے۔ اگر اس معاملہ میں ہم نے گاندھی جی کی ہدایت پر عمل کیا ہوتا یا اسلام اور حضرت علیؑ سے سبق لیا ہوتا تو آبادی میں اضافے کے باوجود ہمارا ملک رہائش کی بہتر جگہ بن جاتا اور ہمارے نوجوانوں کو تلاش معاش کے لئے بدیشوں میں دردر کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑتیں، نہ ہی ہندوستانی سماج میں تعصّبات و اختلاف کی گنجائش رہتی یہ سب ہوسکتا ہے لیکن کون جانتا ہے کہ یہ سب کب ہوگا۔ اسلام میں مذہب اور معاشیات کے مابین علیحدگی کا کوئی شگاف نہیں ہے۔ اگر حضرت علیؑ کے اقتصادی نظام کو اسلام کا معاشی نظام مانا جائے تو پھر اقتصادی ذمہ داریاں بھی مذہبی فرائض کا جزو بن جاتی ہیں بہر حال یہی وہ چیز ہے جو اسلام کے نظریہ اقتصادیات کا خصوصی وصف یا امتیاز ہے۔

اقتصادی مہم

قیادت کی غلطی یا عمل وارادہ میں نقص وکوتاہی کی وجہ سے بہت سے اقتصادی نظریے ناکام ہوجاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنی ذاتی زندگی کو اسلامی معاشیات کا ایک نمونہ بنادیا تھا ایک حکمراں کی حیثیت سے انہوں نے اقتصادی نظام سے ان بدعنوانیوں کو ختم کرنے کی مہم چلائی جو پہلے ہی سے چلی آرہی تھیں۔ انہوں نے برسہا برس اپنے خطبات میں جن موضوعات پر روشنی ڈالی ان میں عوامی خزانہ کا روپیہ خرچ کرنے کا طریقہ، امیروں اور غریبوں کو دی جانے والی ہدایتیں، دولت کی جائز، مساوی اور منصفانہ تقسیم، بیت المال کے سرمایہ کا تحفظ عیش پسندانہ زندگی بسر نہ کرنے اور بے جا خرچ و اصراف کو روکنے کے موضوعات شامل ہیں۔ ۱۰ انہوں نے جو اقتصادی مہم چلائی تھی اس کا یہ مقصد تھا کہ معاشیات کے آدرشوں کو حاصل کیا جائے۔ انہوں نے امیروں کو ہدایت کی کہ وہ غریبوں کی طرف اپنی سخاوت کے ہاتھ کو بڑھائے رکھیں اور غریبوں کو کسی محرومی کا احساس نہ ہونے دیں۔ انہوں

نے اپنے ایک خطبہ میں کہا کہ بیت المال کا سرمایہ خدا کا سرمایہ ہے جو مستحقین کو جائز اور منصفانہ طریقہ سے دیا جانا چاہیے۔ انہوں نے بیت المال کو تمام مسلمانوں کا ٹرسٹ قرار دیا۔ انہوں نے اپنے ایک خطبہ میں کہا کہ عیش وعشرت کے بستروں پر آرام کی نیند سونے والے اپنا حوصلہ بھی کھو دیتے ہیں اور مصائب کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور تاب وتوانائی بھی۔ [۱۱]

یہ آدرش تھے جن کی بنیاد پر حضرت علیؑ نے اپنے اقتصادی یا معاشی نظام کی تعمیر کی تھی۔ انہوں نے محاصل وصول کرنے والے تحصیل داروں اور دوسرے حاکموں کو بھی سخت ترین اقتصادی بندشوں میں باندھ کر رکھا تھا۔ ان کے عہد اقتدار میں کسی بھی حاکم کو بیت المال کے سرمایہ میں کوئی خاص رعایت یا حق خاص نہیں تھا۔ انہوں نے محاصل وصول کرنے والے تحصیل داروں کو یہ واضح ہدایت دی تھی کہ زکوٰۃ یا دوسرے محاصل کی وصولیابی میں زور یا زبردستی سے کام نہ لیا جائے نیز یہ کہ ٹیکس دینے والوں کے ساتھ غلاموں ایسا ہتک آمیز رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ معاشیات کے ایک آزاد پروفیسر آدم اسمتھ نے ٹیکس ادا کرنے والے لوگوں کی عزت و آبرو کو بچانے اور انہیں حکومت کی طرف سے کی جانے والی زبردستیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایسے ہی قوانین وضع کیے یا ایسی ہی ڈھالیں بنائیں جو انہیں زور اور زبردستی کی ضربتوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ علیؑ کی نظر میں حکومت انسانیت کی خدمت کے لئے ہوتی ہے۔ خصوصیت سے غریبوں کی خدمت کے لئے ان کی نگاہ میں حکومت کا منصب عیش وعشرت کا مقام نہیں تھا۔ ان کے عہد خلافت کا یہی ایک امتیازی وصف ہے۔

حضرت علیؑ نے عصر جدید کو بھی بہت ہی سہل اور قابل عمل سبق دئے ہیں آج کے رہنماؤں کو ان سے اقتصادیات کا علم بھی سیکھنا چاہئے اور اس علم کو بروئے کار لانے کا طریقہ بھی۔ اقتصادیات کا یہ علم جہاں سے شروع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حکمرانوں کو ایک عام آدمی کی طرح انتہائی سادگی کی زندگی بسر کرنی چاہئے۔ انہوں نے متوازن بجٹ پیش کرنے کا فن بھی سکھایا۔ [۱۳] ان اسباق کے برعکس ہر جگہ کی عصری حکومتیں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے لگی ہیں۔ ان باتوں کے جو نتائج برآمد ہوں گے وہ تباہ کن ہوں گے آج کی جو حالت ہے وہ یہ ہے کہ عوامی خزانہ پر حکمرانوں نے اپنا مالکانہ قبضہ جما رکھا ہے۔ وہ غریبوں کے کام آنے کے لئے عوامی خزانہ میں بہت ہی قلیل سرمایہ چھوڑتے ہیں۔ نصف صدی پہلے برطانوی حکمراں ہندوستان چھوڑ کر چلے گئے لیکن اس عرصہ کے دوران ایسے غریبوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگیا جو فی کس آمدنی کے اعتبار سے دو وقت اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتے۔ کیا

وجہ ہے کہ عوامی خزانہ میں ان کے لئے تھوڑا بہت سرمایہ نہ چھوڑا جائے یہ صورت حال صرف ہندوستان ہی میں نہیں ہے بلکہ بہت سے دوسرے ملکوں میں بھی ہے۔

موجودہ حالات میں ایسا لگتا ہے کہ ہمیں حضرت علیؑ کے علم اقتصادیات اور اس علم کو بروئے کار لانے کے لئے ان کی دانائی سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ خدا رسیدہ لوگوں کا اپنا ہی ایک طبقہ ہوتا ہے۔ وہ عالم انسانیت کے رہنما اور پیشوا ہوتے ہیں۔ ان کی آرزو میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور علم ودانش میں بھی۔ اس لئے کوئی تعجب یا حیرت کی بات نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے اقتصادیات کا جو علم دیا ہے وہ ان کے زمانے کی سرحدوں کو عبور کر کے ہمارے زمانے تک آگیا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ایڈورڈ گبن سلطنت روما کے عروج وزوال کی تاریخ جلد پنجم، ماخوذ از نہج البلاغہ صفحہ ۱۴۔

۲۔ نہج البلاغہ اسلامک سمیزی یوایس اے ۱۹۷۹ صفحات ۳۲۔۳۳۔

۳۔ ایضاً صفحہ ۱۵۔

۴۔ ایضاً خطبہ ۶۲۔

۵۔ ایضاً خطبہ ۸۵۔

۶۔ ایضاً علیؑ اپنے ملازمین اور غلاموں کے درمیان صفحہ ۱۹۔

۷۔ سید ہاشم علی وحدت دنیا میں عقیدہ رکھنے والے، اسلامی تحقیقی میگزین نور سے ماخوذ ایڈیٹر صادق نقوی جلد ۴، ۱۹۸۵ صفحات ایک تا ۱۵۔

۸۔ نرائن راو جے ایس، دی صوفی اسپریچول ازم، ماخوذ از نور جلد ۴، صفحات ۱۹ تا ۲۲۔

۹۔ دی مینگ آف گلوریس قرآن" امریکن لائبریری لندن صفحہ ۱۲۔

۱۰۔ خطابت ۱۹، ۲۸، ۱۲۹، ۲۳۶ اور ۲۴۵۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ایضاً محاصل وصول کرنے والے تحصیل داروں کے نام ایک مکتوب۔

۱۳۔ علیؑ کا ایڈمنسٹریشن متوازن بجٹ تین ٹیکسوں پر منحصر تھا، لگان، زکوۃ، صدقات اور جزیہ، وہ ٹیکس جو زکوۃ کی جگہ غیر مسلموں پر لگایا جاتا تھا۔

﴿۰﴾

عظمت پیغمبرؐ نہج البلاغہ کی روشنی میں

ڈاکٹر ریحان حسن، لکھنؤ

نہج البلاغہ ایک ایسی کتاب ہے جو تقریباً ہر موضوع کا احاطہ کرتی ہے۔ اس بنا پر اسے تحت کلام خالق فوق کلام المخلوق کا درجہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے مختلف مواقع پر دیئے گئے خطبات، لکھے گئے مکتوبات اور کلمات قصار کے ایک ایک فقرے میں معانی کے اتھاہ سمندر موجزن نظر آتے ہیں۔ اس لئے ہر چیز کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے قرآن کریم اور احادیث پیغمبرؐ کے بعد نہج البلاغہ کی جانب نگاہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حقائق کا صحیح درک ہوسکے۔ خواہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومنزلت سے آگاہی کی بات ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ مرسل اعظم کی عظمت وفضیلت کا تذکرہ جس انداز سے حضرت علیؑ کرسکتے ہیں کسی دوسرے کے لئے اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اور ہر ذی شعور اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ کسی بھی شخصیت کے فضائل وکمالات کو اس سے دریافت کیا جائے جسے اس شخصیت کے ساتھ رہنے کا موقع سب سے زیادہ میسر ہوا ہو۔ اس اعتبار سے اگر ہم حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰؐ کے فضائل وکمالات سے باخبر ہونا چاہیں تو ہمیں حضرت علیؑ کی جانب سب سے پہلے رجوع کرنا پڑے گا اور اس سلسلے میں ہماری مکمل رہنمائی حضرت علیؑ کے خطبات وارشادات کا مجموعہ نہج البلاغہ ہی کرسکتی ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی ذات گرامی وہ ہے کہ جو حضور اکرمؐ کے ساتھ ابتدا سے وفات تک سایہ کے مثل رہی اور انہیں ہی سب سے زیادہ آپ کی سیرت وکردار کو دیکھنے کا موقع ملا۔

تاریخ شاہد ہے کہ رسول خداؐ حضرت علیؑ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور حضرت علیؑ بھی ختمی مرتبتؐ کے بے انتہا شیدائی تھے۔ اور حضرت علیؑ ہی نے حضور اکرمؐ کی سیرت کا قریب سے جائزہ لیا تھا۔ لہٰذا رسول خداؐ کے بارے میں جو بھی بیان کیا وہ بے کم وکاست حق ہے۔ اگر ہم حضرت علیؑ کے ان فرامین کا جو حضور سے متعلق ہیں، مطالعہ کریں تو آپ نے جس انداز سے حضور اکرمؐ کی مدح وثنا کی ہے ویسی مدح وثنا ہمیں دیگر ثنا خوان محمدؐ کے یہاں نظر نہیں آتی۔ آپؑ نے نہج البلاغہ میں بے شمار جگہوں پر حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عظمت ومنزلت سے عالم انسانیت کو اس قدر محکم اور مہتم بالشان انداز

سے متعارف کرایا ہے کہ حضور اکرمؐ کے آباء و اجداد کی عظمت ومنزلت سے انسان بخوبی واقف ہوجاتا ہے اور محمدؐ کی عظمت ورفعت اور ان کے اسلاف کی پاکیزگی وشرافت کا اقرار کرنے پر بھی مجبور ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ آپؑ فرماتے ہیں۔

"اختاره من شجرة الانبياء ومشكاةالّضياء وذؤاية العلياء وسرّة البطحاء ومصابيح الظلمة ويبانيع الحكمة۔"

''انہیں انبیاء کے شجرہ روشنی کے مرکز، بلندی کی جبین، بطحاء کی ناف اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سرچشموں سے منتخب کیا''۔[1]

ایک اور جگہ مرسل اعظم ﷺ کے اسلاف کا ذکر کچھ اس انداز سے کرتے ہیں:

فاخرجه من افضل المعادن منبتاً واغز الارومات مغرساًمن الشجرة التى صدع منها انبيائهٗ وانتخب منها امنائهٗ عترته خير العتر، واسرته خير الاسر، وشجر ته خير الشجر، بنتت فى حرم، وبسقت فى كرم، لها فروع طوال وثمره لاتنال فهو امام من اتقى وبصيرة من اهتدى،سراج لمع ضوء ه ۔ وشهاب سطح نوره وزند برق لمعه سيرته القصد و سنته الرشد۔ و كلامه الفصل وحكمه العدل۔

''وہ ایسے معدنوں سے تھے جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے کہ جو نشوونما کے لحاظ سے بہت زیادہ باوقار تھیں پیدا کیا اسی شجرہ سے کہ جس سے انبیاء پیدا کئے اور جس میں سے اپنے امین منتخب فرمائے۔ ان کی عزت بہترین عزت ان کا قبیلہ بہترین قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے جو سرزمین حرم پر اگا اور بزرگی کے سایہ میں بڑھا جس کی شاخیں دراز اور پھل دسترس سے باہر ہیں۔ وہ پرہیز گاروں کا امام، ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے سرچشمۂ بصیرت ہیں وہ ایسا چراغ ہیں جس کی روشنی لودیتی ہے اور ایسا روشن ستارہ جس کا نور ضیاپاش اور ایسا چقماق جس کی ضو شعلہ فشاں ہے۔ ان کی سیرت (افراط وتفریط سے بچ کر) سیدھی راہ پر چلنا اور سنت ہدایت کرنا ہے۔ ان کا کلام حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا اور حکم عین عدل ہے''۔[2]

حضرت علیؑ نے اپنے اس خطبہ میں نہ صرف یہ کہ حضور اکرمؐ کے اسلاف مطہرہ کی نجابت وشرافت بزرگی وبرتری سے واقف کرایا ہے بلکہ حضور کی ذات والا صفات کی خوبیوں سے بھی انسانوں کو اس حسین انداز میں روشناس کرایا ہے کہ عالم انسانیت پیغمبر اعظمؐ کی سیرت وکردار سے فیضیاب

ہونے کی سعی کرے۔ ختمی مرتبت کی عظمت ومنزلت کا ذکر کرتے ہوئے یہ باور کردیا ہے کہ حضور اکرمؐ ایسے عہد میں اس خاکدان عالم پہ آئے جب کہ:

ارسله على حين فترة من الرسل ـ وطول هجعة من الامم واعتزام من الفتن وانتشار من الامور وتلظ من الحروب والدنيا كا سفة النور ظاهرة الغرور على حين اصفرار من ورقها واياس من ثمر ها واغورارمائها ـ قددر ست منار الهدىٰ۔وظهرت اعلام الردىٰ ، فهى متجهمةٌ لاهلها عابسة فى وجه طالبها ثمرها الفتنة وطعامها الجيفة۔ وشعارها الخوف ودثارها السيف۔

''رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور ساری امتیں مدت سے پڑی سورہی تھیں۔ فتنے سر اٹھا رہے تھے ۔ سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دنیا بے رونق وبے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس وقت اس کے پتوں میں زردی دوڑی ہوئی تھی اور پھلوں سے ناامیدی تھی۔ پانی زمین میں تہ نشین ہو چکا تھا۔ ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے۔ ہلاکت وگمراہی کے پرچم کھلے ہوئے تھے اور دنیاوالوں کے سامنے کڑے تیوروں سے اور تیوری چڑھائے ہوئے نظر آرہی تھی۔ اس کا پھل فتنہ تھا اور اس کی غذا مردار تھی۔ اندر کا لباس خوف اور باہر کا پہناوا تلوار تھا۔'' [۳]

نہج البلاغہ کے خطبہ میں ایک اور مقام پر آنخضرتؐ کے عہد کے حالات وکوائف کا ذکر کچھ اس انداز سے ملتا ہے: والناس ضلال فى حيرة وخابطون فى فتنة قد استهوتهم الاهواء واستزلتهم الكبريا استخفت هم الجاهلية الجهلاء۔ حيارى فى زلزال من الامر، وبلاء من الجهل "

''اور لوگ حیرت وپریشانی کے عالم میں گم کردہ راہ تھے اور فتنوں میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا دیا تھا اور غرور نے بہکا دیا تھا۔ اور بھرپور جاہلیت نے ان کی عقلیں اور حالات کے ڈانواڈول ہونے اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران وپریشان تھے۔ [۴]

مولائے کائنات نے حضور اکرمؐ کی آمد سے قبل کی دنیا کے حالات اور اس عہد کے ماحول کی عکاسی اس خطبہ میں اس انداز سے کی ہے کہ انسان کو اس زمانے کے عادات واطوار، بودوباش، جبلت وخصلت کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ جہالت وتاریکی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے درمیان بقول حضرت علیؑ:

فبعث محمداً ﷺ بالحق لیخرج عباده من عبادة الاوثان الیٰ عبادته ومن طاعة الشیطان الی طاعة بقران قدبینه واحکمه لیعلم العباد ربهم اذجهلوه ۔ ولیقروابه اذاجحدوه ولیثبتوه بعداذ انکروه۔

''اللہ سبحانہ، نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کے بندوں کو محکم وواضح قرآن کے ذریعے سے بتوں کی پرستش سے خدا کی پرستش کی طرف ، اور شیطان کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت کی طرف نکال لے جائیں تا کہ بندے اپنے پروردگار سے جاہل و بے خبر رہنے کے بعد اسے جان لیں، ہٹ دھرمی اور انکار کے بعد اس کے وجود کا یقین اور اقرار کریں۔[۵]

حضرت علیؑ نے اپنے اس خطبہ میں پیغمبر اکرم کو خدا کی جانب سے عطا کردہ بے پناہ صلاحیتوں کی جانب ملتفت کرتے ہوئے یہ باور کرایا ہے کہ انسانوں کو اس کی عادت کے خلاف عبادت کا غلام بنانا بہت دشوار امر ہے۔ لیکن تائید ایزدی سے حضور اکرمؐ نے ناممکن کو بھی ممکن بنادیا اور ختمی مرتبت نے یہ جوکھم بھرا بیڑا صرف خدا کی رضا وخوشنودی کی غرض سے اٹھایا تھا اور اس امر میں کسی قسم کی ذاتی غرض وابستہ نہ تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب وکامران بھی رہے جیسا کہ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

خاض الی رضوان الله کل غمرة ، وتجرع فیه کل غصة وقد تلون له الادنون وتألبّ علیه الاقصون وخلعت الیه العرب اعنتها،وضربت لمحاربته بطون رواحلها ، حتی انزلت بساحته عداوتها من ابعدالدار واسحق المزار۔

''اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہر سختی میں پھاند پڑے اور جنہوں نے اس کے لئے غم وغصہ کے گھونٹ پیے۔ جن کے قریبیوں نے بھی مختلف رنگ بدلے اور دور والوں نے بھی ان کی دشمنی پر اقرار کرلیا اور عرب والے بھی ان کے خلاف بگٹٹ چڑھ دوڑے اور دور دراز جگہوں اور دور افتاد سرحدوں سے سواریوں کے پیٹ پر ایڑ لگاتے ہوئے آپ سے لڑنے کے لئے جمع ہوگئے اور عداوتوں کے (پشتارے) آپ کے صحن میں لا اتارے۔''[۶]

امیر المومنین حضرت علیؑ نے اپنے اس خطبے میں بھی اس عہد کے ماحول، رہن سہن اور حضور اکرمؐ کی صعوبتوں اور دشواریوں کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ مخالفت کی وہ گھنی باڑ نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جن مخالفتوں اور مصیبتوں کا محمد مصطفیؐ کو سامنا کرنا پڑا تھا یقیناً جس پر ہول اور

دہشت ناک ماحول میں پیغمبر اعظم اس دنیا میں تشریف لائے تھے اس ماحول میں انسانوں کو صحیح راستہ پر لانا یا چلانا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن حضورؐ اکرم اس دشوار گذار مرحلے کو اس طرح عبور کر گئے جیسا کہ کوئی ماہر تیراک طوفانی دریا کو عبور کر لیتا ہے چنانچہ حضرت علی نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

فبالغ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی النصیحة، ومضی علی الطریقة، ودعا الی الحکمة والموعظة الحسنة

"محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سمجھانے بجھانے کا پورا حق ادا کیا۔ خود سیدھے راستے پر جمے رہے اور حکمت و دانائی اور اچھی نصیحتوں کی طرف انہیں بلاتے رہے۔ ے

تبلیغ حق میں آپ کے طریقہ کار کی وضاحت حضرت علیؑ یوں بیان کرتے ہیں:

حتی اوری قبساً لقابس، وانا رعلما لحابسٍ۔ ۸

یعنی یہاں تک کہ آپ نے ہر روشنی حاصل کرنے والے کے لئے روشنی فراہم کی اور سواری کے روکنے والے کے لئے درخشاں منارے بنادیے۔"

لیکن بعض ناعاقبت اندیش افراد نے حضور اکرمؐ کی رشد و تبلیغ سے کسب فیض نہ کیا اور نیزوں کی چمکتی ہوئی نوکیں اور تڑپتی ہوئی برچھیاں محمدؐ کے خون کی پیاسی اس لئے ہوگئیں کہ وہ لوگوں کو صحیح رہنمائی کر رہے ہیں۔ لہذا وہ محمد مصطفیٰؐ پر پتھر برسانے لگے۔ کنکریاں مارنے لگے، راستوں میں کانٹے بچھانے لگے بالآخر پروردگار عالم نے لوگوں کے قلوب ان کی جانب جھکا دئے جیسا کہ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

قدصرفت نحوہ افئدة الابرار، وثنیت الیہ ازمّة الابصار، دفن بہ الضغائن واطفابہ الثوائر الّف بہ اخوانا، وفرّق بہ اقرانا، اعزّبہ الذّلة واذلّ بہ العزّة ۔ کلامہ بیان وصمة لسان۔

"ان کی طرف نیک لوگوں کے دل جھکا دئے گئے اور نگاہوں کے رخ موڑ دئے گئے خدا نے ان کی وجہ سے فتنہ دبا دئے اور (عداوتوں کے) شعلے بجھا دئے۔ بھائیوں میں الفت پیدا کی اور جو کفر میں اکٹھے تھے، انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا (اسلام کی) پستی و ذلت کو عزت بخشی اور (کفر کی) عزت و بلندی کو ذلیل کر دیا ان کا کلام (شریعت) کا بیان اور سکوت (احکام کی) زبان تھی"۔ ۹

حضرت علیؑ نے اپنے اس حکیمانہ بیان میں حضور اکرمؐ کی خدا کے نزدیک منزلت و عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے اخلاق و کردار سے عرب کے بدترین معاشرہ میں جو انقلاب بپا ہوا اس کی منظر کشی کرتے ہوئے یہ باور کرایا ہے کہ مرسل اعظمؐ کی ہی محنت شاقہ کی بدولت اسلام کو عزت

وعظمت کی دولت حاصل ہوئی اور کفر وشرک ذلیل وخوار ہوا۔ آپؐ منکرین خدا سے کس طرح برسر پیکار رہے اس کی وضاحت وصراحت حضرت علیؑ یوں کرتے ہیں۔

فجاهد فی سبیل المد برین عنه والعادلین به۔[10]

”آپ نے اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کیا جو اس سے پیٹھ پھرائے ہوئے تھے اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرا رہے تھے۔“

تبلیغ حق کے سلسلے میں حضور اکرمؐ کی مساعی جمیلہ کا ذکر ایک دوسری جگہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

”الخاتم لما سبق۔ والفاتح لما انغلق۔ والمعلن الحق بالحق والدافع جیشات الاباطیل والدامغ صولات الاضالیل کما حُمّل فاضطلع قائما بامرک مستوفزا فی مرضاتک غیرنا کل عن قدم۔ ولاواه فی عزم واعیاً لوحیک حافظاً لعهدک ۔ ماضیاً علی نفاذامرک، حتی اوریٰ قبس القابس واضاء الطریق للخابط وهدیت به القلوب بعد خوضات الفتن۔ واقام موضحات الاعلام ونیّرات الاحکام ۔ فهو امینک المامون وخازن علمک المخزون وشهیدک یوم الدین وبعیثک بالحق ورسولک الیٰ الخلق“ پہلی (نبوتوں کے) ختم کرنے والے۔ اور بند (دلوں کے) کھولنے والے اور حق کے زور سے اعلان حق کرنے والے، باطل کی طغیانیوں کو دبانے والے، اور ضلالت کے حملوں کو کچلنے والے تھے، جیسا اور ان پر (ذمہ داری کا) بوجھ عائد کیا گیا تھا، اس کو انہوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہوگئے۔ نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔ وہ تیری وحی کے حافظ اور تیرے پیمان کے محافظ تھے اور تیرے حکموں کو پھیلانے کی دھن میں لگے رہنے والے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے روشنی ڈھونڈھنے والے کے لئے مشعلے بھڑکا دیئے، اور اندھیرے میں بھٹکنے والے کے لئے راستہ روشن کردیا۔ فتنوں فسادوں میں سرگرمیوں کے بعد دلوں نے آپ کی وجہ سے ہدایت پائی۔ انہوں نے راہ دکھانے والے نشانات قائم کئے۔ روشن وتابندہ احکام جاری کیے، وہ تیرے امینؐ، معتمد اور تیرے علم مخفی کے خزینہ دار تھے اور قیامت کے دن تیرے گواہ اور تیرے پیغمبرؐ برحق اور خلق کی طرف فرستادہ رسولؐ تھے۔[11]

امیر المومنین حضرت علیؑ اس خطبہ میں پیغمبر اکرمؐ نے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں جو سعی وکوشش

کی اس کا ذکر اس اس انداز سے پیش کیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں سمودیا ہے۔اور آپ نے حضور اکرمؐ کے عزم واستقلال اور پامردی وجوانمردی کا بھی تذکرہ اس طرح کیا کہ انسان پیغمبرؐ اعظم کے عزم بالجزم کا قائل ہوجائے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ نے حضور اکرمؐ کی عظمت ومنزلت سے نسل انسانی کو اس طرح روشناس کرایا ہے کہ انسان محمد مصطفیٰؐ کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوجائے اور یہ اقرار کرے کہ حضورؐ اکرم کی ذات والا صفات ایسی ہے کہ جس کی نظیر دنیالانے سے قاصر وعاجز ہے جیسا کہ حضرت علیؑ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”لایوازی فضله ولایجبر فقده آضائت به البلاد بعد الضلالة المظلمة والجهالة الغالبة والجفوة الجافيه والناس يستحلّون الحريم ويستذِلّون الحكيم يحيون على فترة۔ ويموتون علىٰ كفرة ۔۱۲

”نہ ان کے فضل وکمال کی برابری اور نہ ان کے اٹھ جانے کی تلافی ہوسکتی ہے۔ تاریک گمراہیوں اور بھرپور جہالتوں اور سخت ودرشت (خصلتوں) کے بعد شہروں (کے شہر) ان کی وجہ سے روشن ومنور ہوگئے جب کہ لوگ حلال کو حرام اور مرد زیرک ودانا کو ذلیل سمجھتے تھے۔ نبیوں سے خالی زمانے میں جیتے تھے اور گمراہی کی حالت میں مرجاتے تھے“

حضرت علیؑ کے اس خطبے سے مرسل اعظمؐ کی فضیلت وعظمت کے علم کے مختلف دریچے کھل گئے۔

یقیناً حضرت علیؑ کے حضور اکرمؐ کے متعلق یہ کلمات فضیلت وعظمت نبی سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہی نہیں بلکہ زندگی کے سجانے اور سنوارنے کا بہترین نمونہ عمل بھی ہیں کیونکہ حضرت علیؑ کے ان خطبات کے ایک ایک فقرہ میں قرآن وحدیث کی روح اور حقیقی اسلام کی تعلیم مضمر ہے۔ بلاشبہ اگر حضرت علیؑ کے پیغمبرؐ اعظم کے متعلق ان کلمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو عظمت نبیؐ کے سامنے انسان سر تسلیم خم ہوجائے اور حضور اکرمؐ کی اصلی اور حقیقی فضیلت وعظمت سمجھ میں آجائے۔

حوالے:

۱۔نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۶

۲۔نہج البلاغہ خطبہ ۹۲

۳۔نہج البلاغہ خطبہ ۸۷

۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۹۳

۵۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۵

۶۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲

۷۔ نہج البلاغہ خطبہ ۹۳

۸۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۴

۹۔ نہج البلاغہ خطبہ ۹۴

۱۰۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۱

۱۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۷۰

۱۲۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۹

عدیم المثال علمی وادبی شاہکار نہج البلاغہ اور سید رضی

حجۃ الاسلام زاہد علی ہندی

نہج البلاغہ کی تدوین اور سید رضی

سید رضی نے نہج البلاغہ کی جمع آوری میں اگر چہ مصادر کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن اہل علم وتحقیق آج اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ سید رضی کے زمانہ میں آج سے زیادہ منابع موجود تھے۔ سید رضی کے بعد بغداد میں کتابخانہ کو جلانے کا جو حادثہ پیش آیا اس میں کہا جاتا ہے کہ ۸۰ ہزار جلد نفیس کتابیں جلادی گئیں۔ وہ بھی آج کے زمانہ کی طرح ایسا نہیں تھا کہ ہر جگہ ہر کتابخانہ میں وہ نسخے موجود ہوں۔ بہت سی غیر مطبوعہ نادر کتابیں تھیں، بہت سی ایسی کتابیں جو حکمرانوں نے قدرت وسلطنت اور حکومت کے بل بوتے پر ہندوستان سے لیکر افریقہ تک اور ہر وہ جگہ جہاں دسترس ممکن ہوئی، کتب مراجع یا اس کی نقل کو جمع کرلیا تھا۔ غرض اس زمانہ کی بہترین کتابیں سید رضی کے اختیار میں تھیں۔ یہ بھی یقین ہے کہ وہ ساری کتابیں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ مقام حیرت ہے ایسے افراد پر کہ آج بے شمار ایسے مصادر دستیاب ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ نہج البلاغہ کے مصادر سید رضی کے نہج البلاغہ کی جمع آوری سے بہت پہلے موجود تھے۔ اس کے باوجود بھی بعض شک یا تعصب کی بنا پر کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ خود سید رضی کا کلام ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ایسی کچھ کتابوں کا حوالہ دیں جو سید رضی کی حیات سے پہلے موجود تھیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی مصر کے ایک جید سنی عالم کی بات کو ملاحظہ فرمایئے!

''بعض لوگ عوام کے اذہان کو مشکوک کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ نہج البلاغہ کے بہت سے مطالب بعد میں ظاہر ہوئے، جسے شیعہ ادبا اور دانشمندوں نے تدوین کیا ہے اور خاص طور سے اس کی نسبت سید رضی کی طرف دی ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ تعصب نے انہیں اندھا بنادیا ہے، وہ راہ روشن سے ہٹ گئے ہیں''[۱]

ابن خلکان ۶۸۱ھ نے ''وفیات الاعیان'' میں یہ بیان کیا ہے کہ:

لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ امام علی علیہ السلام کا کلام ہے یا سید رضی کے بھائی سید مرتضیٰ کا۔

واضح رہے کہ ابن خلکان نے ملک مغرب میں بیٹھ کر دوڈھائی سو سال کے بعد یہ ابہام پیدا کرنا چاہا ہے اور اس وقت تک اسلامی مراکز سے علماء فقہا نے کوئی ضعیف قول بھی ایسا نقل نہیں کیا تھا کہ نہج

البلاغہ امام علی علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔

پہلی بات یہ کہ ان کا اعتراض کسی ایک پر نہیں ہے بلکہ مختلف باتوں سے شبہ پیدا کرنا ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ سارے مطالب دوسروں کے ساختہ وپرداختہ ہیں تو بغیر چوں وچرا غلط بیانی واضح ہوجاتی ہے چونکہ بعض خطبہ وکلام تواتر سے ہمارے لئے ثابت ہیں جو زیادہ تر علماء اہل سنت سے منقول ہیں۔ اگر کہیں کہ بعض کلام صحیح ہے نہ کہ تمام نہج البلاغہ، پھر بھی یہ بات درست ہے کیونکہ کوئی فنکار ادیب عالم، ماہر خطیب اور تجربہ کار محقق ہوگا تو وہ یقیناً متن کتاب کا مطالعہ کر کے سمجھ سکتا ہے کہ کون سا حصہ اصل ہے اور کون سا غیر اصل ۲؎

سید رضی نے نہج البلاغہ کے مقدمہ میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں نے کس طرح نہج البلاغہ کو مدوّن کیا۔ اسناد نہج البلاغہ میں استاد امتیاز علی خان عرشی کہتے ہیں جن لوگوں نے نہج البلاغہ کی شرح کی ہے انہوں نے نہج البلاغہ کو رضی کی تالیف اور تدوین بتایا ہے۔ کسی نے سید رضی کی تصنیف نہیں کہا ہے۔

اہل علم وحدیث اپنے اپنے زمانہ میں حتی آج بھی قرآن کے مانند نہج البلاغہ کو بھی حفظ کرتے آئے ہیں جیسے: قاضی جمال الدین محمد بن الحسین بن محمد القاسانی نے اپنی یادداشت اور حفظ سے نہج البلاغہ لکھا ہے۔

اس کے علاوہ سلسلہ رجال شیعہ میں بہت سے علماء کو نہج البلاغہ کی نقل روایت کا اجازہ حاصل تھا۔ مثال کے طور پر الشیخ محمد بن علی بن احمد بن بندرا کا اجازہ، الشیخ الفقیہ ابی عبد اللہ الحسین اور ان کے بعد بیس علماء تک کا سلسلہ ملتا ہے کہ سید رضی نے نہج البلاغہ سے روایت نقل کرنے کی اجازت دی تھی ۳؎

سید مرتضیٰ کی سوانح حیات میں قطب راوندی سے نقل ہوا ہے:

سید مرتضیٰ کی صاجبزادی نے نہج البلاغہ کو اپنے چچا سید رضی سے پڑھا، مشکل الفاظ اور دقیق معانی کو حل کیا پھر سید رضی نے اپنی بھتیجی کو نقل روایت کی اجازت دی ۴؎ عبد الحمید بن یحيٰ عامری نے کہا ہے کہ:

"حفظت سبعين خطبة من خطب اصلع"

میں نے امام علیؑ کے خطبوں میں سے ۷۰ خطبے حفظ کر لئے ان خطبوں سے میرے ذہن میں

پے در پے علم کا ایک چشمہ پھوٹتا گیا (اصلع: اس شخص کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر بال نہ ہوں، اس سے مراد امام علیؑ تھے)

''یا ابن اللخناء لعلی تقول ھذا؟ وھل سن الفصاحۃ لقریش غیرہ''

ابن ابی محفن معاویہ کے پاس آیا تو کہا: میں عاجز ترین (اور گونگے) شخص کے پاس سے آرہا ہوں۔ معاویہ نے کہا:

اے بد بودار عورت کے بیٹے! تجھ پر تف ہو! امام علی ابن ابیطالبؑ کے بارے میں یہ کہہ رہا ہے۔ کیا علی ابن ابی طالبؑ کے علاوہ قریش میں کسی اور نے فصاحت و بلاغت کا قانون وضع کیا ہے؟

یعنی امام علیؑ ہی تو فصاحت وبلاغت کے اصل موجد ہیں ۵

اور سچ پوچھیں تو فضیلت اور صحت خبر تو اس وقت ہے جب دشمن بھی اس کا اقرار کرلے۔

''الفضل ماشھدت بہ الاعداء''

ابوعثمان جاحظ ۲۵۵ھ جن کو عربی ادب کا امام اور علامہ مسعودی نے فصیح ترین قلمکار جانا ہے لکھتے ہیں۔

''امام کے اس ایک فقرہ ''قیمۃ کل امرئ مایحسنہ'' ہر انسان کی قیمت بس اتنی ہے کہ جتنا وہ علم رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اگر اس کتاب سے اس ایک جملہ کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہ ہوتا تب بھی اس کی سند سے مطمئن اور بے نیاز ہوجاتے کیونکہ یہی جملہ نتیجہ تک پہنچادیتا ہے کہ سب سے بہترین کلام وہ ہوتا ہے جس کا مختصر سا جملہ سامع کو بہت طولانی کلام سے بے نیاز کردے۔ ۶

ابن نباتہ عبد الرحیم محمد بن اسماعیل ۳۷۴ ہجری نامی ادیب اور عرب کا مشہور خطیب سیف الدولہ کے دور میں منصب خطابت کے عہدہ دار تھے، کہتے ہیں:

ایسے قیمتی خزانہ کا خطبہ حفظ کیا کہ جس قدر اس کو استعمال میں لاتا ہوں کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے امام علیؑ کے مواعظ سے سو فصل حفظ کرلیا تھا ۷

شکیب ارسلان: جن کو امیر البیان کا لقب ملا۔ عرب کے مشہور قلمکار تھے۔ جن کے اعزاز میں مصر میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ میں ایک شخص نے اپنے خطاب میں کہا:

''تاریخ اسلام میں دو شخصیتیں ایسی ہیں جو حق رکھتی ہیں کہ انہیں امیر سخن کہا جائے۔ ان میں

ایک حضرت علی بن ابیطالبؑ دوسرے شکیب ہیں۔

شکیب پریشانی کی حالت میں اٹھے اور اپنے دوست جس نے اس طرح دونوں شخصیت کو مساوی بنادیا تھا، شکوہ کرتے ہوئے ان کے اس جملہ کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''میں کہاں اور علی بن ابیطالبؑ کی ذات گرامی کہاں؟ میں تو حضرت علیؑ کے کفش کا ایک بند بھی شمار نہیں ہوسکتا ہوں'' ۸

غرض ہمارے پاس نہج البلاغہ کی تدوین وتالیف سے پہلے کے بے شمار ایسے روشن ثبوت ہیں کہ کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا کہ نہج البلاغہ امام علیؑ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہے۔

یوں تو سیکڑوں کتب ومصادر میں یہ خطبات موجود ہیں لیکن مختصر طور پر ہم کچھ اسناد کا ذکر کریں گے جو نہج البلاغہ کی تالیف سے پہلے اس کے وجود پر مسلّم ثبوت ہیں۔ جن میں جاحظ (م ۲۵۵ھ) کی ''البیان والتبین ''۔ ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) کی ''عیون الاخبار فی غریب الحدیث'' تاریخ ابن واضح یعقوبی (۲۷۸ھ) ابوحنیفہ دینوری (م ۲۸۰ھ) کی ''الاخبار الطّوال'' ابو العباس المبرد (م ۲۸۶ھ) کی کتاب ''المبرد'' ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی '' تاریخ۔ ابن درید'' (م ۳۲۱ھ) کی کتاب ''المجتبی''۔ ابن عبدربہ (م ۳۲۸ھ) کی ''العقدر الفرید''۔ ثقفۃ الاسلام علامہ کلینی (م ۳۲۹ھ) کی کتاب'' کافی''۔ مسعودی کی (۳۴۶ھ) تاریخ ''مروج الذہب''۔ ابو الفراج الصفہانی (م ۳۵۶ھ) کی ''اغانی'' ابوعلی قالی (م ۳۵۶ھ) کی ''النوادر''۔ شیخ صدوق (م ۳۸۱ھ) کی کتاب ''توحید'' اس کے علاوہ سید رضی کے معاصرین نے بھی اکثر امیر المومنینؑ کے کلام کو کسی نہ کسی مناسبت سے ذکر کیا ہے۔

اسناد نہج البلاغہ

یہاں پر ہم چند ایسی کتابوں کا ذکر کررہے ہیں جس میں امیر المومنینؑ کو نہج البلاغہ کی تالیف اور تدوین سے پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ اہل علم حضرات چاہیں تو رجوع کرسکتے ہیں:

۱۔'' اثبات الوصیۃ'' ''مسعودی'' (م ۳۴۶ھ) منشورات دار الضواء بیروت (ط ۲، ۱۴۰۹ھ)

۲۔'' اخبار الزمان'': ''مسعودی'' (م ۳۴۶ھ) منشورات دار الاندلس بیروت (ط ۳، ۱۹۷۸م)

۳۔'' الامامۃ والسیاسۃ'' اور تاریخ الخلفاء'': ابن قتیبہ الدینوری م ۲۷۶ھ دار المعرفۃ منشورات دار الضواء بیروت (ط، اول، ۱۴۱۰ھ)

۴۔ ''انساب الاشراف'': بلاذری (م ۲۷۹ھ) تحقیق محمد باقر المحمودی، منشورات موسسہ الاعلمی، بیروت (ط اول س ۱۳۹۴ھ)

۵۔ ''بصائر الدرجات'': صفار (م ۲۹۰ھ) (از اصحاب امام حسن عسکری) تقدیم وتصحیح وتعلیق حاج مرزا حسن کوچہ باغی، منشورات مؤسسہ النعمان، بیروت ط، دوم (۱۴۱۲ھ)

۶۔ ''البیان والتبین'': جاحظ (م ۲۵۵ھ) منشورات دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۔ ''تاریخ الامم والملوک'': طبری (م ۳۱۰ھ) منشورات مؤسسہ الاعلمی، بیروت، ط، چہارم، ۱۴۰۳ھ۔

۸۔ ''تاریخ المدینۃ المنورہ'': ابن شبہ (م ۲۶۲ھ) تحقیق فہیم محمد شلتوت، منشورات دار التراث، والدار الاسلامیہ، بیروت ط اول (۱۴۱۰ھ)

۹۔ ''تاریخ یعقوبی'': ابن واضح م ۲۹۲ھ، منشورات دار صادر بیروت وتوزیع دار صعب بیروت

۱۰۔ ''تحف العقول'': حرانی (م ۳۸۰ھ) منشورات الاعلمی بیروت، ط پنجم (س ۱۳۹۴ھ)

۱۱۔ ''التفسیر: طبری'' (م ۳۱۰ ہجری) عیاشی (م ۳۰۰ھ) تحقیق سید ہاشم الرسولی المحلاتی، مشورات المکتبہ العلمیہ الاسلامیہ طہران (۱۳۸۰ھ)

۱۲۔ ''التوحید'': صدوق (م ۳۸۰ھ) تصحیح ہاشم الحسینی الطہرانی، منشورات دار المعرفہ بیروت ۱۳۸۷/ھ۔

۱۴۔ ''الجعفر یات الاشعثیات'': محمد بن اشعث (م ۳۲۰ھ) منشورات مکتبہ نینوی الحدیثیۃ طہران،

۱۵۔ ''جمہرۃ الاسلام ذات لدرو النظام'': شیرازی م ۲۲۴ھ یہ خطی نسخہ لندن کے کتابخانہ میں موجود ہے۔

۱۶۔ ''خصائص الامام علی بن ابیطالبؑ'': نسائی (م ۳۰۳ھ) دار منشورات حمد، بیروت ط، اول (۱۹۷۵م) مطبعہ الخیر یہ قاہرہ (۱۳۰۸ھ) سے ماخوذ

۱۷۔ ''الخصال'': صدوق (م ۳۸۱ھ) (تحقیق علی اکبر غفاری) منشورات مؤسسہ الاعلمی، بیروت، ط، اول (۱۴۱۰ھ)

۱۸۔ ''دعائم الاسلام'': نعمان مغربی (م ۳۶۳ھ) تحقیق آصف بن علی اصغر فیضی منشورات دار المعارف القاہرہ (۱۳۸۳ھ)

۱۹۔ ''دلائل الامامۃ'': ابن جریر طبری (م ۳۵۸) منشورات موسسہ الاعلمی، بیروت۔

۲۰۔ ''الزہد'' اہوازی: دوسری تیسری صدی ہجری میں امام رضاؑ، امام جوادؑ اور امام ہادیؑ کے صحابی تھے۔ تصحیح وتعلیق، جلال الدین علی الصغیر، منشورات دارعرف بیروت۔ ط اول (ط ۱۴۱۳ھ)

۲۱۔ ''السقیفہ'': سلیم بن قیس الکوفی (م ۹۰ھ) منشورات مؤسسہ الاعلمی بیروت۔

۲۲۔ ''شرح الاخبار'': تمیمی (م ۳۶۳ھ) تحقیق محمد الحسینی الجلالی۔ دار الثقلین بیروت۔ ط ۱۴۱۴ھ)

۲۳۔ ''صحیح البخاری'': بخاری، م ۲۵۶ھ، پیش کش شیخ احمد محمد شاکر، تقریظ الشیخ حسونۃ النوووی۔ شیخ الازہر (سابق) م دار الجیل، بیروت۔

۲۴۔ صحیح مسلم: نیشاپوری، م ۲۶۱ھ، م دار الجیل ودارالآفاق، بیروت۔ نسخہ مطبوع قاہرہ ۱۳۳۴ھ سے ماخوذ۔

۲۵۔ العقد الفرید: ابن عبد ربہ، م ۳۲۸ھ، تحقیق ڈاکٹر المجید الترحینی، م دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ط، سوم ۱۴۰۷ھ۔

۲۶۔ علل الشرائع: صدوق م ۳۸۰ھ، م دار البلاغہ، بیروت۔ عیون اخبار الرضا، صدوق م ۳۸۰ھ۔

۲۷۔ الغارات ابن ہلال الثقفی: م ۲۸۳ھ، تحقیق السید عبد الزہرا الحسینی الخطیب، م دار الضواء، ط، اول ۱۴۰۷ھ۔

۲۸۔ الغیبۃ: نعمانی، م ۳۴۲ھ کے بعد (تحقیق علی اکبر غفاری) م مکتبہ الصدوق، طہران، س ۱۳۹۷ھ۔

۲۹۔ الفتوح: ابن اعثم، م ۳۱۴ھ (تحقیق علی شیری) ط، دار الاضواء، بیروت، ط اول ۱۴۱۱ھ۔

۳۰۔ قرب الاسناد: حمیری القمی م ۳۰۰ھ (از اصحاب امام حسن عسکریؑ) منشورات مکتبہ نینو الحدیثیہ، طہران۔

۳۱۔ الکافی: کلینی (۳۲۸ھ) تصحیح علی اکبر غفاری، ط، دار الاضواء بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

۳۲۔ برقی، م ۲۷۴ھ تحقیق السید مہدی الرجائی، ط، المعاونیہ الثقافیہ المجمع العالمی لاھل البیت علیہم السلام، قم۔ ط، اول، ۱۴۱۳ھ۔

۳۳۔ مروج الذہب: مسعودی، م ۳۴۶ھ، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید۔ ط دار المعرفۃ،

بیروت (ط۔ دوم مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۶۸ھ)

۳۴۔ مسند الامام زید: زید بن علی بن الحسینؑ سال شہادت ۱۲۲ھ۔ عبد العزیز بن اسحاق البغدادی، ط، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ط اول ۱۴۰۱ھ۔

۳۵۔ المغازی: واقدی، م ۲۰۷ھ، تحقیق ڈاکٹر مارسدن جونس۔ مؤسسۃ الاعلمی، بیروت۔ ط سوم، ۱۴۰۹ھ۔

۳۶۔ مقاتل الطالبین: اصفہانی، م ۳۵۶ط، المکتبہ الحیدریہ، النجف، عراق، ط، دوم ۱۳۸۵

۳۷۔ وقعۃ صفین: منقری، م ۲۰۲ھ، تحقیق شرح عبد السلام محمد ہارون۔ ط، مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ المرعشی النجفی، قم ۱۴۰۶ھ۔

اس کے علاوہ بہت سے اسانید اور مجموعات ہیں جو نہج البلاغہ سے پہلے جمع کئے گئے تھے جن سے علماء ومورخین اور رجال حدیث بخوبی آشنا ہیں۔ کچھ اختصار کے طور پر ذکر کردیتے ہیں:

۱۔ زیدوہب، ۹۶ھ، میں خطب امیر المومنین علیؑ "المنابر فی الجمع والاعیاد"۔

۲۔ نصر بن مزاحم نے کتاب "صفین" کے نام سے خطب امام کو جمع کیا۔

۳۔ اسماعیل بن مہران جو دوسری صدی ہجری کے محدث ہیں، خطب امیر المومنینؑ کی جمع آوری کی ہے۔

۴۔ ہشام بن سائب کلبی مورخین اسلام کے رئیس، م ۲۰۴ھ میں خطب علیؑ کو جمع کیا۔

۵۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی (مشہور محدث نے دوسری صدی ہجری میں اپنی کتاب "الخطبۃ الزہرا امیر المومنین" (امیر المومنینؑ کے چمکتے ہوئے خطبے) کے نام سے موسوم کیا۔

۶۔ محمد بن عمر وواقدی ۲۰۷ھ، سید رضی نے بعض خطبہ کو انہیں کے خط ونوشتہ سے نقل کیا ہے۔

۷۔ ابواسحاق ابراہیم بن محمد ثقفی (مشہور مورخ محدث)، م ۲۸۳ نے اپنی کتاب:

ا۔ "رسائل علی امیر المومنینؑ"

۲۔ "علیؑ فی الشوریٰ والخطب المعربات" میں امام علیؑ کے کلام جمع کئے ہیں۔

۸۔ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی س ۲۱۵ خطب علیؑ وکتبہ الی عمالہ۔"

۹۔ حسن بن علی بن شعبہ حرانی (تیسری صدی ھ) تحف العقول فی آثار آل الرسولؐ"

۱۰۔ صالح بن ابی حماد ابی الخیر تیسری صدی کے محدث امام حسن عسکریؑ کے اصحاب میں سے

ہیں۔ ''خطب علیؑ'' (نجاشی سے نقل اور) جمع کیا۔

۱۱۔ حضرت عبد العظیم از اصحاب امام علی رضاؑ نے خطبوں پر مشتمل مجموعہ جمع کیا۔

۱۲۔ مسعدة بن صدقہ (امام صادق وامام کاظمؑ کے صحابی) ''خطب امیر المومنینؑ'' (نجاشی)

۱۳۔ ابراہیم بن سلیمان خزاز کوفی تیسری صدی ہجری نے اپنی کتاب ''خطب امیر الومنینؑ'' نجاشی۔

۱۴۔ ابو عثمان جاحظ (مشہور سنی عالم، م ۲۵۵ھ اپنی کتاب ''ماۃ کلمہ من کلمات علیؑ'' وغیرہ۔

تمام اہل رجال علم وادب اور حدیث نے سید رضی سے صدیوں پہلے امام علیؑ کے گرانقدر، خطبات وارشادات کو مختلف شکلوں میں تدوین کیا ہے۔

ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے کہ متعدد موارد سے ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے بعض مطالب کو جاحظ کی ''البیان والتبیین''، مبرد کی ''المقتضب''، سعید بن یحیٰ اموی کی ''مغازی''، واقدی کی کتاب ''الجمل''، ابوجعفر اسکافی کی المقامات فی مناقب امیر المومنین، ابن جریر طبری کی تاریخ اور اس کے علاوہ ابوجعفر محمد بن علی باقرؑ، ''روایت یمانی'' ابن قتیبہ سے اور خط ہشام بن سائب کلبی سے دیکھا اور نقل کیا ہے۔۹

حوالے:

۱۔ نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید ج ۱/ ۵۴۳۔

۲۔ نقل از استناد نہج البلاغہ استاد امتیاز علی خان العرشی پیش کش شیخ عزیز اللہ عطاردی۔

۳۔ استناد نہج البلاغہ، امتیاز علی خان پیش کش عطاردی

۴۔ سید رضی مؤلف نہج البلاغہ/ ۲۰۹

۵۔ شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم ج / ۱۲۴/ ۲۵

۶۔ البیان والتبیین ج / ۸۳، تصحیح عبد السلام ہارون

۷۔ شرح نہج البلاغہ ۱/ ۲۴

۸۔ مرتضیٰ مطہری، سیری در نہج البلاغہ/ ۱۹

۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱/ ۷

ارشادات علویہ کی روشنی میں محنت ومزدوری کی عظمت

پروفیسر شاہ محمد وسیم، علی گڑھ

نہج البلاغہ سید شریف رضی (متولد ۳۵۹ ہجری، بغداد) کی تالیف ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت علیؑ کے خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کو شامل کیا ہے۔ مؤلف نے انہیں نہایت محنت وجانفشانی کے ساتھ یکجا کیا، اوران پر حواشی بھی تحریر فرمائے۔ دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ ''بعید نہیں ہے کہ جو کلام مجھ سے چھوٹ گیا ہے، وہ اس سے بہت زیادہ ہو، جو ملا ہے یا جو میرے حصہ میں آیا ہے، وہ کم''۔[۱]

علاّمہ ابن ابی الحدید نے اپنی تفسیر نہج البلاغہ میں عباسی دور کے مشہور دفتر دار عبد الحمید کی (متوفی ۱۳۲ھ) کا یہ بیان درج کیا ہے کہ'' میں نے علی ابن ابی طالبؑ کے ۷۰ خطبوں کو حفظ کرلیا ہے اور مجھ پر ان کے فوائد اور برکات نہایت ہی عیاں ہیں۔''[۲]

خواجہ حسن نظامی نے ان مسلم دانشوروں کی ایک فہرست مرتب کی ہے، جنہوں نے حضرت علیؑ کی تعلیمات کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، جومندرجہ ذیل ہے۔[۳]

۱۔حافظ ہمدان ابراہیم، مؤلف سیرت علیؑ، متوفی ۱۸۱ہجری

۲۔ احمد بن ابراہیم، مؤلف مسند علیؑ، متوفی ۲۲۶ ہجری

۳۔ محمد بن عبد اللہ، مؤلف مسند علیؑ، متوفی ۳۵۸ ہجری

۴۔علی بن یعقوب بن شبہ، مؤلف احبار وسیار علیؑ، متوفی ۲۶۲ہجری

۵۔قاضی اسمعیل، مؤلف مسند علیؑ، متوفی ۲۸۳ ہجری

۶۔ابوبکر بن علی، مؤلف مسند علیؑ، متوفی ۲۹۲ ہجری

۷۔احمد بن شیخ نسائی مسند علیؑ، متوفی ۳۰۳ ہجری

مندرجہ بالا محققین کے علاوہ اور بہت سے دوسرے محققین اور دانشوروں نے، جن میں شیخ محمد عبدہ بھی شامل ہیں، حضرت علیؑ کے خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کو درج کیا، ان کی تشریح کی اور ان کے حوالہ سے حضرت علیؑ کی مدح سرائی کی ہے۔ شیخ محمد عبدہ، نہج البلاغہ کو، قرآن کے بعد

سب کتب پر ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''منجملہ ان لوگوں کے، جو عربی سے واقف ہیں ایسا کوئی نہیں ہے جو اس پر متفق نہ ہو کہ اللہ اور نبیؐ کے کلام کے بعد امیر المومنینؑ کا کلام زیادہ بلیغ، زیادہ پر معنی اور زیادہ فائدہ مند ہے، سب دوسرے شخصی کلام سے۔'' ۲

بیشک! علیؑ کی شہرت یورپ میں رونما ہونے والے نشاط ثانیہ کے دور میں پہنچ چکی تھی۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کے کم سے کم ۶۸۰ کلمات، تقاریر اور مکتوبات کو، جو مختلف النوع عنوانات مثلاً، فلسفہٗ مذہب، قانون اور سیاست سے متعلق ہیں۔ زید ابن عبد الوہاب نے خود امامؑ کی زندگی میں جمع کر لئے تھے۔

ایڈورڈ پوٗکاک (Edward Powcock)۔ ۱۶۰۴ء۔۱۶۹۱ء۔ نے، جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے، سب سے پہلے علی علیہ السلام کے کلام بلیغ کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا ۳ دور حاضر میں جارج جرداق (George Jordac) نے اپنی کتاب ''صوت العدالۃ الانسانیہ'' ۴ میں حضرت علیؑ کو حقوق انسانی (Human Rights) کے موٗثر محافظ، مثالی حکمراں اور قرآن وتعلیمات پیغمبرؐ پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کرنے والے اور تعصب سے بالاتر انسان عظیم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ایسے ہیں صاحب نہج البلاغہ جن کی مدح سرائی منجملہ اور لوگوں کے گبن (Gibbon) جرجی زیدان (Jurjy Zaidan) میتھو آرنلڈ (Mathew Arnold)، عبد المسیح انطاکی (Abdul Maseeh Antaki) اور کرنل آسبرن (Colonel Osborne) وغیرہ نے کی ہے۔ مشہور فرانسیسی مصنف اویلسنر (Oelsner) نے اپنی کتاب (Les effectsde La Religion de Mohamed) یعنی محمدؐ کے دین کے اثرات کے لکھنے والے ہیں، حضرت علیؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپؑ وہ ہیں، جو: ''پاک، ونیک باطن دانشور تھے، جنہیں نہ تو خوف سے واسطہ تھا اور نہ سرزنش سے'' کیونکہ ''آپؑ نے دنیا کے سامنے بے پناہ شرافت اور بہادری کے بھرپور اور پُرعظمت کردار کا ایک بہترین نمونہ عمل پیش فرمایا ہے۔'' آپؑ کا جذبہ محمدؐ کی پاکیزگی کا مظہر تھا۔ اس جذبہ نے دنیائے اسلام کو اپنے سایہ تلے لے لیا اور آنے والے ادوار کے لئے مخزن دانش بن گیا''۔ ۵

مصر کے مشہور فلسفی اور تاریخ داں پروفیسر محمد کامل عطا، کے الفاظ میں علیؑ کی ''زندگی مسرت آمیز حوادث، خون آشام معرکوں اور غمگین واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی اعلیٰ اور وسیع خصوصیات کی وجہ سے ان کی شخصیت نہایت اہم ہے۔ ان کی زندگی کا ہر ہر پہلو اتنا پرکشش ہے کہ

ان پر فرداً فرداً غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہی (واقعہ) ان کی شخصیت کی سب سے بہتر تصویر پیش کرتا ہے، جبکہ کسی دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں تو وہ اور زیادہ پرکشش نظر آتا ہے اور غور وفکر کرنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ کوئی دوسرا انسان اس بلندی کردار کو پا ہی نہیں سکتا۔ مگر فوراً ہی (علیؑ کی زندگی کا) کوئی تیسرا پہلو ہمیں اسی طرح محصور کرلے گا۔ اور فکر کرنے والا کہہ اٹھے گا کہ اس کے سامنے ایک ایسی شخصیت ہے جو بے پناہ شہرت کی حامل ہے، اس قدر کہ کوئی اس کی عظمت کا بھرپور اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ اسے ماننا پڑے گا کہ علیؑ رزمگاہ میں امام تھے، سیاست میں امام تھے، مذہب میں امام تھے، اس کے علاوہ علم اخلاق (ethics) میں امام تھے، اور اسی طرح وہ فلسفے، ادب، علم ودانش میں امام تھے۔ خدا کے لئے اس طرح کا انسان (کامل) خلق کرنا کوئی مشکل نہیں۔''[۶]

اسی طرح مشہور مصری شاعر، عیسائی مورخ، ماہر لسانیات جرجی زیدان، علیؑ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''علیؑ کی ویسی مدح سرائی کر ہی نہیں سکتا، جیسی ان کا انہیں حق ہے۔ ان کی پاکی اور خوف خدا کے اس قدر واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہر کوئی ان سے محبت کرنے لگتا ہے اور ان کی عظمت کے پیش نظر سرتسلیم خم کرنے لگتا ہے۔ وہ اسلام کے ایک سچے اور دیانتدار پیروکار تھے۔ ان کے الفاظ اور اقدامات اور شرافت ودانائی ایک پرعقیدہ ہمت کے تابع تھے۔ وہ ایک عظیم انسان تھے، جن کی زندگی اور اس کے مسائل سے تعلق رکھنے والے اپنے خیالات تھے: [۷] انہوں نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔ نہ کسی کو گمراہ کیا اور نہ ہی کسی کا ساتھ دے کر اسے چکمہ دیا۔ انہوں نے زندگی کے مختلف موڑوں پر بے پناہ ذہنی اور جسمانی طاقت کا مظاہرہ کیا، جو در اصل ان کے سچے عقیدہ اور ان کے حق وانصاف پر مبنی سچے بھروسہ کی وجہ سے ان کے ہاتھ آئی۔ ان کے پاس کوئی خدمتگار نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے غلاموں سے سخت مشقت لی۔ وہ اکثر وبیشتر اپنا کام خود ہی انجام دیتے تھے اگر کسی نے ان کے بوجھ کو اٹھانے کی پیشکش بھی کی، تو آپؑ اسے منع کردیتے تھے۔''[۸]

ہر فرد کو اپنے علم و ہنر اور استعداد کو بروئے کار لاکر غربت وافلاس اور بھوک اور بے چارگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے کیونکہ خدا نے روئے زمین پر انسان کو صاحب تصرف بنایا ہے۔: لَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین پر صاحب تصرف قرار دیا اور اس میں تمہارے لئے وسائل معاش عطا کیے)[۹]

لہٰذا انسان کو عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے سعی وعمل کرنا چاہئے تاکہ وہ مثبت نتائج حاصل کر سکے۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ'' تمہاری عقل کا یہی فائدہ کافی ہے کہ اس نے تمہاری گمراہی کا راستہ راہ ہدایت سے الگ اور واضح کردیا ہے۔'' ۱۰ معاش کو معاشرہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے، لہٰذا صرف حسن معاشرت ہی نہیں حسن معاش بھی درکار ہے، تجارت ہویا تولیداتی امور یادوسری خدمات جیسے مشورتی خدمات یا مدیریت کی ذمہ داری، سبھی کو معاشرہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے اور اسی طرح محنت اور مزدوری کو بھی معاشرہ سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم میں خدا وعدہ فرماتا ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (پس جو بھی نیک عمل بجالاتا ہے اور وہ مومن ہے، اس کی سعی رد نہیں کی جائے گی اور بیشک! ہم اس کا حساب رکھتے ہیں۔ ۱۱

یہاں پر یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ عصر جدید کی اصطلاح میں پیداوار کے اسباب و وسائل کو بروئے کار لاکر آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے یعنی زمین سے لگان محنت سے مزدوری، تنظیمی امور سے تنخواہ جسے اقتصادیات میں مزدوری ہی کہا جاتا ہے کیونکہ ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی علم الاقتصاد میں مزدوری ہے،اور جوکھم (enterprise) جس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو منافع کہتے ہیں۔ پانچویں وسیلہ میں پونجی کو شمار کیا جاتا ہے۔ مگر خود معطل رہ کر کسی دوسرے کو قرض دے کر سود لینا حرام ہے۔ ۱۲

دنیا میں سے اپنے حصہ سے ہمیں منہ نہیں موڑنا چاہئے، کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ لاتنس نصیبک من الدنیا واحسن کما واحسن اللہ الیک ولاتتبع الفساد فی الارض۔ ان اللہ لا یحب المفسدین (دنیا میں اپنے حصہ (کی روزی) سے منہ نہ موڑو اور تم (لوگوں پر) اس طرح احسان کرو جس طرح تم پر اللہ نے احسان کیا ہے، اور زمین پر فساد نہ برپا کرو۔ بیشک! اللہ فساد برپا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ۱۳

لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ انسان اپنے وسائل کو مع اعضاء وجوارح کے بروئے کالاتے ہوئے جائز طریقوں سے حصول معاش کرے۔ نہج البلاغہ میں درج ہے کہ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہے '' آبرو کے ساتھ مزدوری طریق بد سے حاصل کی گئی دولت سے بہتر ہے ۱۴ اور یہ بھی کہ'' جوعمل میں کوتاہی کرتا ہے، خدا اسے مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے'' ۱۵ حضرت علیؑ نے قرآن کی آیت وانہ ھو

اغنیٰ و اقنیٰ۔ (اور وہی غنی بناتا ہے اور قناعت عطا کرتا ہے۔) ۱۴؎ کے معنی ومطالب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "خدا (ہی) ہر ذی روح کو زندہ رہنے کے ذرائع اور آسودگی عطا کرتا ہے اور (وہی انسانوں کو) ان کی محنت کی بدولت سکون عطا کرتا ہے کہ" اس انسان کی دعا قبول ہوتی ہے، جو عمل صالح بجالاتا ہے۔" اور نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ محنت کرنا بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبرؐ اکرم کے حوالے سے کتابوں میں یہ بھی درج ہے کہ

"میں ان افراد کو پسند کرتا ہوں جو دھوپ میں (بھی) کسب معاش کے لئے جاتے ہیں۔" اس طرح وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاشرہ کے تصور کے ساتھ دیانتداری محنت ومشقت کو اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ " جو شخص گھر میں بے کار بیٹھ کر خدا سے روزی کی دعا کرتا ہے، اور اس کے حصول کے لئے کوئی کدو کاوش نہیں کرتا" اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایسا شخص قابل نصیحت ہے۔ اس سے حدیث پیغمبر کی روشنی میں یہ سوال کیا جانا چاہئے کہ کیا اس (خدا) نے تمہیں روزی کمانے کے لئے تندرست اعضا وجوارح سے نہیں نوازا ہے۔"؟

محنت مزدوری سے پہلو تہی کرنا اور اپنی غرض وضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنی غرض سے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا اور بلاوجہ نظر کرم کی درخواست کرنا کسی بھی معاشرہ میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ" وادی میں جاکر لکڑی جمع کرنا اور اسے فروخت کرنا، بھیک مانگنے، بے معنی قناعت کرنے اور کاہلی سے بہتر ہے۔" کاہلی انسان کو غربت میں مبتلا کرتی ہے۔ اور" غربت وافلاس بڑی موت ہے۔" ۱۷؎

ظاہر ہے کہ ہر مزدور اپنی عقل، علم اور مہارت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس طرح، جیسا کہ نہج البلاغہ میں درج ہے "علم عمل سے وابستہ ہے، لہٰذا جو جانتا ہے، وہ عمل بھی کرتا ہے، اور علم عمل کو پکارتا ہے، اگر وہ لبیک کہتا ہے تو بہتر، ورنہ وہ بھی اس سے رخصت ہوجاتا ہے۔" ۱۸؎ اس طرح بے عمل اپنا عمل، اپنی مہارت اور معیشت میں اپنا جائز مقام کھودیتا ہے اس لئے جو ہنرمند ہیں اور علم رکھتے ہیں انہیں کام میں منہمک رہنا چاہئے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ" سب سے معمولی درجہ کا علم وہ ہے، جو زبان پر ہو اور بلند علم وہ ہے وہ جو اعضاء وجوارح (عمل) سے ظاہر ہو۔" ۱۹؎

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ" ہر فرد کی اہمیت اس کی عملی صلاحیت پر مبنی ہوتی ہے" ۔ ۲۰؎ اس طرح محنت ومزدوری کرنے والوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: علم

وہنر رکھنے والے تجربہ کار مزدور، عام مزدور ومحنت کش کسی بھی معاشرہ اور معیشت کو دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ کا یہ کہنا قیمہ کل امری مایحسنہ "یعنی ہر فرد کی اہمیت اس کی صلاحیت عملی پر مبنی ہے) اس بات کا غماز ہے کہ باصلاحیت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن عام مزدور ومحنت کش کی بھی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ کیونکہ کھیتی کے ساتھ ساتھ، کسی بھی معیشت میں خام مال اس وقت تک انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تیار شدہ مال میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا جب تک مزدور حضرات اور خود ان کے ہاتھوں سے بنائی گئی مشین اور کل پرزے پیداواری سرگرمیوں میں نہ لگ جائیں۔ اس کے علاوہ بھی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے میری نظر میں مزدور کو انسانی سرمایہ کہہ دینا، غلط ہے، انسان انسان ہے، بے جان دام ودرہم اور مشین نہیں! ہم اپنے مقاصد اور مطالب اس وقت اور بھی آسانی سے حاصل کرسکتے ہیں جب ہم محنت ومشقت کرنے والے انسان کو اس کی عظمت اور جائز مقام عطا کریں۔ غیر انسانی وسائل پر غیر ضروری زور دینے اور اسے بے جا اہمیت عطا کرتے رہنے سے انسان کی عظمت گھٹ جاتی ہے۔ یہی رویہ حسب زر میں مبتلا کرتا ہے حریص صنعت گرتجار قیمتوں میں اضافہ کرتے ہیں غیر ضروری ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور قیمتیں بڑھنا شروع ہوتی ہیں، صرف مصنوعات ہی کی نہیں، خام مال کی بھی۔ اب اگر ایسے میں حکومت کمزور اور خاموش تماشائی بنتی ہے تو معیشت ابتری کا شکار ہوجاتی ہے۔ ایسے میں اصلاحی اقدامات کے ساتھ ساتھ پیداوار کا تولیدی سرگرمیوں کا بڑھانا اور صارفین تک پہونچانا ضرورت بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر فرد کو پیداواری کاموں میں منہمک رہنا چاہئے، البتہ بقول صاحب نہج البلاغہ دھیان رہے کہ "ہر اس کام سے پرہیز کرو جو خفیہ طور پر تو کیا جاسکتا ہے، مگر اعلانیہ کرنے سے شرم روکتی ہے"۔ "ہر ایسے کام سے دور رہو جس کے بارے میں اگر جواب طلب کیا جائے تو انکار یا معذرت پر مجبور ہوجاؤ پس آبرو کو لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننے نہ دو"۔[۲۱] اور ساتھ ہی "نیک اعمال پر مسرور ہو اور غلطیوں پر افسوس کرو۔"[۲۲] اگر ایسا ہوتا ہے تو ہنر ومہارت دونوں میں ترقی ہوتی ہے۔ دیانتداری کے ساتھ مزدوری کو پاک رکھنا ہر ذہنی اور جسمانی محنت ومشقت کرنے والے کے لئے ضروری ہے: حضرت موسیٰؑ کی مزدوری کا قرآن پاک میں جو ذکر ہے اس کو بیان کرکے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے: اجر نفسہ ثمان ستین او عشراً علیٰ عفۃ فرجہ و طعام بطنہ یعنی انہوں نے آٹھ یا دس برس تک اس طرح مزدوری کی کہ اس پوری مدت میں وہ پاک دامن بھی رہے اور اپنی مزدوری (اجرت) کو بھی پاک رکھا۔[۲۳] پیغام نہج البلاغہ

ہے کہ وما خیر ولاینال الا بشر ویسر لاینال بعسر یعنی وہ بھلائی نہیں جو برائی سے (ہاتھ) آئے اور وہ دولت دولت نہیں جو ذلت کی راہ سے حاصل ہو۔ ۲۴؎ کام اور اس کی اجرت دونوں کو پاک صاف رکھنے کا حکم اس لئے ہے کہ معاشرہ اور معیشت دونوں کا تصور ایک دوسرے سے الگ نہیں ہے، بلکہ پیوسط وپائندہ ہے۔ اس لئے معیشت اور اس میں سرگرم عمل افراد اور اداروں کو حرص دولت میں کسی طرح کے استحصال، غلط استعمال اور انسانی حقوق سے بے توجہی کی اور چشم پوشی کرنے کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ ظلم ہے اور ظلم کی سزا اور ظالمین پر لعنت ہے۔

معصومین علیہم السلام نے اپنے خطبوں اور اقدامات وعمل کی صورت میں، محنت کر کے روزی حاصل کرنے، کا بہترین نمونہ عمل دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے: حضرت علیؑ کھیتوں میں کام کرتے اور خود کنوئیں کھودتے تھے۔ وہ کھجور پیدا کرتے اور اسے فروخت کرتے اور جو آمدنی ہوتی، اس سے غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ آج بھی معاشی بدحالی کے شکار افراد اور علاقوں کے لئے یہ کردار قابل تقلید ہے۔ خاندانی وجاہت اور تصور ماضی میں گم نہ ہونا چاہئے۔ صاحب نہج البلاغہ کا یہ پیغام ہے کہ ''جس کا عمل سست ہو، اس کو اس کا خاندان تیز رفتار نہیں کرتا۔'' ۲۵؎ اور یہ کہ ''وقت فرصت کا ہاتھ سے گنوا دینا باعث غم ہے۔'' ۲۶؎ یقیناً بے عملی ایک بری عادت وبلا ہے۔

امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کھیتی کیا کرتے تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ کسی درویش نے امام محمد باقرؑ کو زمین کی کھدائی کرتے ہوئے دیکھا۔ محنت کرنے کی وجہ سے آپؑ کی سانس پھول رہی تھی اور آپؑ پسینہ سے شرابور تھے۔ اس درویش نے آپؑ سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ آپ دنیا کے معاملات میں اس طرح کیوں لگے ہوئے ہیں؟ اس نے یہ بھی کہا کہ:

''آپؑ آرام فرمایئے۔ اگر آپؑ نے ایسی حالت میں انتقال کیا تو تو آپؑ خدا کو کیا جواب دیں گے؟''

آپ نے جواب دیا: ''اگر میں نے اس طرح داعی اجل کو لبیک کہا تو میں خدا کی بندگی کرتا ہوا جاؤں گا، کیونکہ میں محنت ومشقت کر کے اپنے اہل وعیال کے لئے کسب معاش کر رہا ہوں۔ اس طرح کہ میں اپنی زندگی کا بوجھ تیری طرح دوسروں پر نہیں ڈالتا۔'' حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''حلال طریقوں سے دولت کا حاصل کرنا، تاکہ خود اپنی اور اپنے اہل وعیال کی روزی حاصل کی جاسکے، صرف واجبات ہی میں سے نہیں ہے، بلکہ دین کی رو سے قابل مدح بھی ہے'' قرآن پاک افراد اور

گروہوں کو اپنے اعمال سے محنت ومشقت کے ساتھ جائز مطالب اور فوائد حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ ارشاد ہے۔ وَان لیس للانسان الا ماسعیٰ یعنی اور بلاشبہ انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر وہ کہ جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے ۲۷ ظاہر ہے کہ جب انسان کسی چیز کو پانے کی کوشش کرتا ہے تو اگر صد فی صد کامیابی نہ بھی ہو تو کچھ تو ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ نہج البلاغہ میں اسی بات کو ہم اس طرح پاتے ہیں کہ'' جو شخص کسی چیز کو طلب کرے تو اسے یا اس کے بعض حصہ کو پالے گا۔'' ۲۸ کام کرنا ضروری ہے، نتیجہ کتنا ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ بس یہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ وہ ہیں کہ جب اپنے پدر بزرگوار حضرت محمد مصطفیؐ کی خدمت میں آتیں ، تو حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے۔ آپؑ کے ہمراہ ایک کنیز فضہ تھیں۔ رسولؐ خدا کے ارشاد کے بموجب فاطمہؑ کے گھر میں اس طرح کا معمول تھا کہ ایک دن آپؑ خود امور خانہ داری انجام دیتی تھیں اور ایک دن فضہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس دن فاطمہؑ کام کرتی تھیں، وہ دن فضہ کے لئے آرام کا دن ہوتا تھا ، اور اگر فاطمہؑ اپنی باری والے دن بیمار ہوتیں، یا طبیعت ناساز ہوتی تھی تو اس دن فضہ نہیں بلکہ علیؑ خود امور خانہ داری انجام دیتے تھے۔ عصر جدید کی تہذیب یافتہ دنیا میں اجرت سمیت چھٹیوں کی مانگ اور بین الاقوامی تنظیم برای مزدور ومحنت کش کی سفارشوں اور اس پر عمل درآمد کے پس منظر میں قارئین پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ بیسویں صدی میں ہفتہ میں ایک دن اور اس کے علاوہ تہوار وغیرہ کی اہم تاریخوں کے اعتبار سے جو چھٹی ملتی ہے۔ اس کا تصور اب سے صدیوں پہلے عملی شکل میں تعلیمات پیغمبرؐ کی روشنی میں اہلبیتؑ پیش کر چکے تھے ۔ ساتھ ہی ساتھ گھروں میں اجرت پر خدمت انجام دینے والوں (Household Servants) کے لئے اجرت سمیت چھٹی (Paid Holidays) کا بھی اہتمام عہد رسالت میں رائج تھا۔ کیا یہ بات محنت ومزدوری کی عظمت کی طرف ایک عملی پیش رفت نہیں ہے؟

گھریلو ملازمین کو اس دور میں غلام اور کنیز کہا جاتا تھا ، مگر تعلیمات پیغمبرؐ کے بعد ان سے اس طرح کا سلوک نہیں کیا جاتا تھا ، جیسا کہ خود دنیائے عرب میں دور جاہلیت میں روا سمجھا جاتا تھا ، یا یہ کہ دوسرے ممالک میں بھی اسلام کے زیر اثر یہ غلام اور کنیز اپنے مالکان سے بشرط استواری پورا انصاف حاصل کرتے تھے ۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ وظلم الضعیف اَفحش الظلم اور

کمزور پر ظلم کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ [۲۹]

حضرت علیؑ کے پاس دو غلام۔ قنبر اور سعید تھے۔ قنبر نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ بنفس نفیس اپنا کام خود انجام دیتے تھے۔ اپنے کپڑے آپ دھوتے تھے اور اگر ضرورت ہوتی تو ان کی مرمت بھی خود ہی کرتے تھے۔ یہی نہیں آپؑ دوسرے کمزور اور اپاہجوں کی مدد بھی فرمایا کرتے تھے۔ روز مرہ کی ضروریات کے لئے کنوئیں سے پانی خود ہی نکالا کرتے تھے۔ ایک بار آپؑ نے ایک ضعیفہ کو دیکھا جو اپنا بوجھ خود مشکل سے اٹھا پارہی تھی۔ آپؑ نے بڑھ کر اس کے لکڑیوں کے گٹھر کو خود اٹھا لیا اور اسے اس کو بوجھ سے نجات فراہم کرتے ہوئے اس گٹھر کو اس کی جھونپڑی تک پہونچادیا۔

اجباری مشقت یا بیگار

اس وقت کی معیشت کے ڈھانچہ اور اقتصادی ترقی کی ضرورت کے لحاظ سے ''زمین کی قوت نمو میں ترقی اور محنت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اجرت کی پوری ادائیگی ایسے دو مضبوط ستون تھے، جن کی بنیاد پر علیؑ ایک اچھے اور پاک باطن معاشرہ کی تشکیل کرنا چاہتے تھے۔ ایک مخصوص مقام سے چند افراد علیؑ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: ہمارے علاقہ میں ایک نہر ہے، جواب مٹی سے پٹ گئی ہے۔ اگر اسے پھر سے کھدوا دیا جائے تو ہمارے لئے بہت فائدہ مند ہوگی۔ پھر انہوں نے آپؑ سے استدعا کی کہ آپؑ ہمارے علاقہ کے گورنر کو لکھ دیں کہ وہ ہر فرد کیلئے یہ لازم قرار دے دیں کہ وہ نہر کی کھدائی کے کام میں حصہ لیں۔ امیر المومنینؑ نے نہر کی کھدائی کے کام اور اس کی ضرورت سے تو اتفاق کیا، مگر ان کی اس ستدعا سے اتفاق نہیں کیا کہ لوگوں کو کھدائی کے کام پر مجبور کیا جائے۔ آپؑ نے علاقہ کے گورنر، قرضہ بن کعب کو لکھ بھیجا کہ تمہارے علاقہ کے چند افراد میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اس علاقہ میں وہاں ایک نہر تھی، جواب مٹی سے پٹ گئی ہے۔ اگر یہ لوگ اس نہر کو ایک بار پھر سے کھودلیں گے، تو یہ کام علاقہ کی ترقی کا باعث ہوگا اور وہ زمین کا لگان ادا کرسکیں گے۔ اس کے علاوہ یہ (کام) اس علاقہ میں رہنے والے مسلمانوں کی آمدنی میں بھی اضافہ کا باعث ہوگا۔

''ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم کو ایک خط اس طرح کا لکھ دیا جائے کہ تم اس جگہ کے لوگوں کو جمع کرکے ان سے نہر کی کھدائی کیلئے اور اسے لازم قرار دے دو کہ ان میں سے ہر ایک اس کام کے اخراجات کی ذمہ داری سنبھالے۔ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ کسی شخص کو اس کام کیلئے مجبور کیا

جائے، جسے وہ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم لوگوں کو بلاؤ اور ان میں سے انہیں مقرر کرلو، جو راضی خوشی سے کام کرنا چاہیں۔ اور جب نہر بن جائے تو صرف وہی لوگ، جنہوں نے اس کی کھدائی میں حصہ لیا تھا، اسے اپنے تصرف میں لاویں گے، اور وہ جو اس کام میں حصہ نہیں لیں گے وہ اس کا پانی آبپاشی کے لئے استعمال نہ کرسکیں گے۔ اگر یہ لوگ اپنے علاقہ کو ترقی دیتے ہیں اور ان کی مالی حالت بہتر ہوجاتی ہے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کمزور ومفلوک الحال رہیں۔'' ۴۰؎ اس طرح سے حضرت علیؑ علاقہ کے ہر فرد کو اس کام میں تعاون کرنے کی ترغیب دلا رہے ہیں۔

جارج جرداق رقمطراز ہیں کہ ''علیؑ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف جبراً مشقت کرنے پر مجبور کرنے کو قانوناً جائز تصور نہ کرتے تھے، حالانکہ ان لوگوں میں سے ایک گروہ اس لائحہ عمل کو بروئے کار لانا چاہتا تھا۔ وہ بات جو قابل ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو کام کرنا چاہیے۔ اس لئے علیؑ نے لوگوں سے کہا تمہیں کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بیکار بیٹھے رہنے کا نہیں جہاں تک نہر کا تعلق ہے، صرف وہی لوگ جو اس کی کھدائی میں حصہ لیں گے، اس سے فائدہ اٹھانے کے حقدار ہوں گے (اور) جو اس کام (کھدائی) کو کرنا نہیں چاہتے، انہیں اس کام کے کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کام کو خوشدلی کے ساتھ از خود کرنا چاہیے، کسی زور زبردستی سے نہیں۔'' ۴۱؎ یہ تھا وہ اصول جس پر حضرت علیؑ کاربند تھے۔

مندرجہ بالا عبارت کے تحت اپنے نوٹ میں جارج جرداق نے تحریر کیا ہے کہ ''گورنر کے نام اپنے خط کی ابتداء میں امیر المومنینؑ نے اس سے یہ کہا کہ اسے لوگوں کو نہر کی کھدائی کا کام کرنے کے لئے اور اس کام کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہئے۔ وہ جو خود کام نہ کرسکے۔ اسے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے کام کرنے کے لئے اجرت پر رکھ لینا چاہئے۔ آپؑ نے یہ بھی لکھ بھیجا تھا کہ ''نہر کے مالک ہونے سے مراد'' وہ لوگ ہوں گے، جو اس کی کھدائی میں جسمانی طور پر یا رقم خرچ کرکے شریک ہوں گے، وہ نہیں، جو اس کام کو انجام دینے سے پہلو تہی کریں گے اور جب تک ان کی آبپاشی کی ضرورت نہیں ہوتی، دوسرے اس نہر کا استعمال نہیں کرسکتے۔'' علیؑ کے مرتب کئے گئے یہ اصول وہ اساس ہیں جس پر مغربی مفکرین کے عظیم عقائد اور خیالات مبنی ہیں۔'' ۴۲؎

کسی کو کسی پر زور زبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ کوئی خود اس عمل کو اپنے لئے پسند نہیں

کرے گا: لہٰذا چاہے معاشرتی معاملات ہوں یا کہ معاش سے وابستہ اقدامات، سبھی کو خوشدلی کے ساتھ انجام دیا جانا چاہیے۔ کتنے پر معنی اور پر اثر ہیں علیؑ کے یہ الفاظ: یا بنیّ اجعل نفسک میزاناً فیما بینک و بین غیرک واحبب لغیرک ماتحب لِنفسک واکرہ لہ ماتکرہ لھا ولا تظلم کمالا تحب ان تظلم فرزند! اپنے اور دوسروں کے درمیان خود اپنی ذات کو میزان بنا۔ جو بات تجھے خود اپنے لئے پسند ہے وہی ان کے لئے بھی پسند کر، اور جو بات تو خود اپنے لئے ناپسند کرتا ہے، ان کے حق میں بھی ناپسند کر۔ اور کسی پر ظلم نہ کر، کیونکہ دوسرے کا ظلم تو اپنے آپ پر نہیں چاہتا ہے)۳۳؎

سماجی محافظت وسالمیت

ایک بار حضرت علیؑ نے ایک بوڑھے نابینا کو بازار میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا، تو تعجب سے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا کررہا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ مولا! یہ ایک نصرانی ہے۔ حضرتؑ نے اظہار تعجب کیساتھ فرمایا: جب وہ جوان اور طاقتور تھا، تو تم نے اس سے کام لیا اور آج وہ بوڑھا اور کمزور ہوگیا ہے تو تم نے اسے بے سہارا چھوڑ دیا ہے کہ وہ بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالے۔ جاؤ، بیت المال سے اس کا خرچ پورا کرو! ۳۴؎

کاش! دنیا نے اور خاص کر دنیا کے ترقی یافتہ خوشحال ممالک نے اس پر عمل کیا ہوتا، تو آج دنیا میں مزدوروں کی یہ حالت نہ ہوتی جو ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے بین الاقوامی تنظیم برای مزدوری و محنت کش کے اس بیان کی روشنی میں کہ آج بھی دنیا کی ۸۰ فیصد آبادی کو معیاری سطح کی اجتماعی محافظت نصیب نہیں ہے، یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ جبکہ تمام وسائل وامکانات کی فراوانی موجود ہے!

مزدوری کی بروقت ادائیگی

اسلام میں مزدور اور مزدوری کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے پیغمبرؐ اکرم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو ۳۵؎ اس طرح حق محنت کشاں بھی واقع ہوتا ہے کہ خرید وفروخت میں تو قیمت معاملہ طے ہونے کے بعد سامان کے خرید لینے کے بعد اس کے ہاتھ آجانے پر یا سامان پر حق ملکیت مل جانے کے بعد

ادا کی جاتی ہے، یا پھر بعد میں بھی کسی معاہدہ کے تحت ادا کی جا سکتی ہے۔ مگر اس کے بر خلاف ادھر مزدور نے کام ختم کیا اس کو اس کی طے شدہ اجرت کے ہر حال میں فوراً ادا کرنے کا حکم ہے! حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں قیامت میں تین طرح کے لوگوں سے جھگڑا کروں گا، ایک وہ جس نے خدا کو درمیان میں ڈال کر قول واقرار کیا یا خدا کو درمیان میں ڈال کر اور اسے ضامن قرار دیکر کسی سے قرض لیا اور ادا نہیں کیا۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو بیچا اور تیسرا وہ جس نے مزدور کو لگایا اور نہ اس سے کام لیا اور نہ اس کی مزدوری اسے دی (بخاری، حدیث ۳۴۳)۔ مزدور پر کسی طرح کا ظلم نہ ہونا چاہیے اور ظالم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یوم العدل علی الظّالم اشدّ من یوم الجور علی المظلوم (انصاف کا دن ظالم کے لئے مظلوم پر ستم کے دن سے زیادہ سخت ہوگا۔[۳۶] یہاں یہ بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ محنت اور مزدوری کرنے والے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ کسی حرام کام کو کرکے آزوقہ حاصل نہ کرے اور نہ ہی اپنی عزت نفس کو کھوئے۔ اس ضمن میں کام لینے والے کی بھی ذمہ داری ہے بلکہ شرعی ذمہ داری ہے کہ نہ تو وہ خود معصیت میں مبتلا ہو اور نہ کسی دوسرے کو اس میں مبتلا کرے۔ ہم اکثر سنتے ہیں کہ کوئی اصول پسند مزدور یہ کہتا ہے کہ ہاتھ بیچا ہے ذات نہیں! یہ جملہ اسی بات کا غماز ہے کہ کام لینا ہے تو اصول پر کار بند رہو تم بھی اور ہم بھی، اور اس کا بھی کہ مالک اور مزدور میں انسانیت کا رشتہ قائم رہنا چاہئے۔ نہج البلاغہ میں درج ہے کہ امام حسنؑ کے لئے وصیت میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ لاتکن عبد غیرک وقد جعلک اللّٰہ وحرّاً یعنی کسی کا غلام نہ بنا کیونکہ خدا نے تمہیں آزاد خلق کیا ہے۔[۳۷] غلامی سے بہتر تو یہ ہوگا کہ جہاں عزت کے ساتھ کام ملے وہاں جا کر مزدوری کی جائے اور خدا پر بھروسہ کے ساتھ قناعت پر عمل در آمد کرتے ہوئے باعزت زندگی گذاری جائے کیونکہ قناعت وہ مال ہے، جو ختم نہیں ہوتا (القناعة مال لاینفد)[۳۸]

نہج البلاغہ میں موجود یہ جملہ ان لوگوں کا احاطہ بھی کرتا ہے، جو مزدور سے کام لے کر اسے کم مزدوری دیتے ہیں کہ فما جاع فقیر الاّ بما منع بہ غنی واللہ تعالی جدہ سائلھم عن ذالک پس جو فقیر بھی بھوکا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مالدار نے اسے محروم رکھا اور خدائے بزرگ و برتران لوگوں سے جواب طلب کرے گا۔[۳۹] یوں بھی دولت مند کے مال میں سائلین اور محرومین کا حق قرار دیا گیا ہے، اس حق کی پامالی نہ کرنے ہی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے دولتمندوں اور متمول حضرات کو دوسروں کی خاص کر غریبوں کی جن میں مزدور اور محنت کش حضرات شامل ہیں، بھرپور مدد

کرتے رہنا چاہئے۔ قناعت، سفر دنیا میں سبک باری اور خیال آخرت کے مدّ نظر حضرت علیؑ کے مندرجہ ذیل الفاظ کتنے وزنی اور پر معنی ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''اس سفر (دنیا) میں تیرازاد راہ ضرورت سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ اگر تو طاقت سے زیادہ بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھا کے چلے گا تو تیرے لئے وبال جان بن جائے گا، لہٰذا اگر بھوکے مزدور تیرازاد راہ قیامت تک کے لئے اٹھانے کو مل رہے ہوں، تو انہیں غنیمت جان اور اپنا بوجھ ان پر رکھ دے، تاکہ کل ضرورت پر یہ توشہ تجھے کام دے۔''[۴۰]

ہر نظام اور ہر تنظیم کے لئے بنیادی سماجی اور اقتصادی اصولوں کی ضرورت ہے عبادت کے اصل مفہوم اور مقصد کو پورا کرنے کے لئے پختہ عقیدہ کے ساتھ ساتھ اعمال صالح کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا، الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا، کہدو کہ کیا ہم تمہیں اپنے اعمال کے اعتبار سے گھاٹے میں رہنے والوں کا پتہ بتائیں، جن کی دنیاوی زندگی کی محنت سب رائیگاں جا چکی ہے، حالانکہ وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم اچھے اچھے کام انجام دے رہے ہیں[۴۱]

حوالے:

1.Yusf N. Laljee Ali the magnincent, Shafaq Publcation, Qum, Ir Lran, P 201

۲۔ دیباچہ نہج البلاغہ، مصر

3.Yosuf N. Laljee Ali The Magnificent , Shataq Publication Ir Iran P.201

۴۔ اس کتاب کا اردو ندائے عدالت انسانی اور انگریزی میں The Voice of Human Justise کے نام سے ترجمہ ہو چکا ہے۔'' انسانی حقوق کی تاریخ میں علیؑ ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے نظریات اسلام وابستہ تھے۔ انکے نظریات کا اہم نکتہ یہ تھا کہ ستمگری اور خود سری کا خاتمہ ہونا چاہئے، اور لوگوں کے مابین تفاوت کو سمجھنا ہے، اسے معلوم ہے کہ وہ علیؑ ظالموں کی گردن پر کھنچی ہوئی تلوار تھے۔''

۵۔ بحوالہ نہج البلاغہ (انگریزی)، ترجمہ سید حسن عسکری جعفری، سیرت الزہراؑ کمیٹی، حیدر آباد، آندھرا پردیش، صفحہ ۱۴

۶۔ AR eview of eharacter of Ali، صفحہ ۴۰، بحوالہ نہج البلاغہ (نگریزی) ترجمہ سید حسن عسکری جعفری (مندرجہ بالا)

۷۔ ان کے خیالات وہی تھے، جو پیغمبرؐ کے تھے، جن کا ذکر قرآن کریم بھی کرتا ہے۔

۸۔ بحوالہ نہج البلاغہ (انگریزی)، ترجمہ سید حسن عسکری جعفری، سیرت الزہرا کمیٹی حیدر آباد، آندھرا پردیش، صفحہ ۱۱

۹۔ سورۂ الاعراف، آیت ۱۰۔

۱۰۔ کلمات قصار ۴۱۴، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلیشرس، لکھنو، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۹۹۳

۱۱۔ سورہ الانبیاء، آیت ۹۴

۱۲۔ سود کی تھیوری (Theeory of Interest) علم اقتصاد میں عرصہ دراز سے ایک کمزور طریقہ نظر آرہا ہے، اور آج بھی شرح سود کی تشریح اور اسے مقرر کرتے وقت ماہرین اقتصادیات کے مابین، علم اقتصاد کے کسی (بھی) عام نظریاتی پہلو کی بنسبت کہیں زیادہ اختلاف رونما ہوجاتا ہے۔"

Godfrued Heberler Prosperty and Depression, League of Natohs, First editon , p1950

۱۳۔ سورۂ القصص، آیت ۷۷

۱۴۔ مکتوب شمارہ ۳۱، امام حسنؑ کے لئے وصیت نامہ، نہج البلاغہ، مرتبہ انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس، لکھنو، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۷۸۱

۱۵۔ کلمات قصار شمارہ، ۱۲۳، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس، لکھنو، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۹۲۷۔

۱۶۔ سورہ النجم، آیت ۴۸۔ نہج البلاغہ،

۱۷۔ کلمات قصار، شمارہ ۱۵۵، نہج البلاغہ مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس، لکھنوٴ ۱۹۸۲، صفحہ ۹۷۹

۱۹۔ کلمات قصار شمارہ ۸۹، نہج البلاغہ مرتبہ سید انصار حسین ماہلی احباب پبلشرس لکھنوٴ، ۱۹۸۲،

۲۰۔ کلمات قصار، شمارہ ۸۱، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار ماہلی، احباب پبلشرس، لکھنوٴ ۱۹۸۲، صفحہ ۸۶۳

۲۱۔ مکتوب شمارہ ۶۹، حارث الہمدانی کے نام، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنوٴ ۱۹۸۲، صفحہ ۸۶۰

۲۲۔ مکتوب شمارہ ۶۶، عبد اللہ ابن عباس کے نام ایک خط، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنوٴ

۲۳۔ مشکوٰۃ، شمارہ ۳۱، امام حسنؑ کے لئے وصیت نامہ، نہج البلاغہ مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس، لکھنوٴ، ۱۹۸۲، ۱۹۸۲، صفحہ ۷۸۱

۲۴۔ کلمات قصار، شمارہ ۲۳، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنوٴ، ۱۹۸۲، صفحہ ۹۰۴

۲۶۔ کلمات قصار، شمارہ ۱۱۵، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس، لکھنوٴ ۱۹۸۲ء، صفحہ ۹۲۵

۲۷۔ سورۂ النجم، آیت ۳۹

۲۸۔ کلمات قصار شمارہ، ۳۸۶، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۹۳۱

۲۹۔ مکتوب شمارہ ۳۱، امام حسنؑ کے لئے وصیت نامہ، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء، صفحہ ۷۸۱۔

30.George Jordac the Voice of Human Justice tr,M.Fazal Haq Ansaryan Publication Qum, Iran 1990 P. 175.

۳۱۔ ایضاً، صفحات ۱۷۶۔۱۷۵

۳۲۔ ایضاً (حاشیہ)، صفحات ۱۷۷،۱۷۶

۳۳۔ مکتوب ۳۱، امام حسنؑ کے لئے وصیت نامہ، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء صفحہ ۷۷۶

۳۴۔ وسائل الشیعہ، جلد ۱۱، صفحہ ۴۹

۳۵۔ مشکوٰۃ، طبع امرتسر، حدیث ۳۴۴

۳۶۔ کلمات قصار، شمارہ ۳۳۵، نہج البلاغہ، مرتبہ انصار حسین، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء صفحہ ۹۷۴

۳۷۔ مکتوب ۳۱، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء، صفحہ ۷۸۰

۳۸۔ کلمات قصار، شمارہ ۴۶۷، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۰۰۳۔

۳۹۔ کلمات قصار، شمارہ ۳۲۱، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء، صفحہ ۹۷۳

۴۰۔ مکتوب ۳۱، امام حسنؑ کے لئے وصیت نامہ، نہج البلاغہ، مرتبہ سید انصار حسین ماہلی، احباب پبلشرس لکھنؤ ۱۹۸۲ء صفحہ ۷۷۶۔۷۷۷

۴۱۔ سورۂ الکہف، آیات ۱۰۳۔۱۰۴

❀❀❀

خطبۂ معجزہ بلا الف

حجۃ الاسلام مولانا سید ظفر الحسن مرحوم

تاریخ کے ہاتھوں عہد بہ عہد اوراق زمین پر افراد انسانی کی طرح ان کے کارناموں کی فہرست بھی طویل وعریض ہوتی چلی آرہی ہے لیکن اس طومار میں حقیقی انسان اور سچے کارنامے بہت کم نظر آتے ہیں۔ شاید اسی لیے عقلائے زمانہ نے انسانیت کی حد بندی کرتے ہوئے یہ نظریہ قائم کردیا کہ ''المرء باصغریہ قلبه ولسانه'' یعنی دل وزبان کی دو مختصر ترین چیزوں کا نام انسان ہے مگر جب اس نظریہ کے عملی پہلو تلاش کیے جاتے ہیں یا کسی صحیح مصداق کی جستجو کی جاتی ہے تو دنیا کی بڑی بڑی قوتیں ناکام رہ جاتی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اس وقت میں تمام عالم کے لئے اس نظریہ کا ایک مکمل عملی انسان پیش کررہاہوں۔ خودنہیں، تاریخ کے حوالہ سے من گھڑت نہیں۔ غیروں کی زبان سے۔ تاریخ امم شاہد ہے کہ دل وزبان کی قوت وبیان جیسا کہ اسلام کے سچے خدمت گزار محمدؐ کے حقیقی شاگرد ''علیؑ'' میں دیکھے گئے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی نہیں پائے گئے۔ علیؑ کی شجاعت سے تو، جس کا تعلق دل سے ہے دنیا واقف ہے لہٰذا سردست اس سے قطع نظر کرتاہوں۔ البتہ ان کی فصاحت وبلاغت (جس کا تعلق زبان سے ہے) سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے۔ افسوس یہ ہے کہ دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے بعد جب عام تحریروں کا لطف بٹ جاتا ہے تو پھر علیؑ کے ''معجزہ نما اسلوب'' کی شان دوسری زبانوں میں کیا باقی رہ سکتی ہے۔ اسی سے ہمت بھی نہیں ہوتی کہ اس موضوع پر قلم اٹھاؤں لیکن کیا عجب کہ عام حضرات کے لئے یہ کوئی بالکل نئی چیز ثابت ہو۔

ابن ابی الحدید اپنی شرح نہج البلاغہ میں ناقل ہیں کہ ایک دن ''صحابہ کرام'' میں یہ بحث ہورہی تھی کہ حروف تہجی میں سب سے زیادہ کثیر الاستعمال حرف کون سا ہے؟ طے ہوا کہ کلام میں ''الف کے'' بغیر کام نہیں چل سکتا۔ یہ سن کر علیؑ ابن ابی طالب کھڑے ہوگئے اور فی البدیہہ ایک ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جو مفہوم کے اعتبار سے نہایت پرمغز اور بلیغ، لفظوں کے لحاظ سے انتہائی پراثر اور فصیح ہے لطف یہ ہے کہ مقفیٰ ہوتے ہوئے بھی ابتدا سے آخر تک ''آورد'' کی طرح ''الف'' سے بھی خالی ہے۔

اسی خطبہ کے متعلق کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی اپنی کتاب ''مطالب السؤل'' میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ''یہ وہ خطبہ ہے جسے حضرت نے علم بیان کی پوری رعایت کے ساتھ بغیر الف کے ارتجالاً پیش فرمایا ہے، یہ خطبہ آپ کے مختلف النوع علوم اور طرح طرح کے فضائل کا خزانہ ہے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ صرف عنایت ربانی تھی جس نے علوم وحکم کے باب صرف آپ کے لئے کھول رکھے تھے یہاں تک کہ اس کے خالص وطیب حصہ کو آپ کے لئے پیش کردیا اور آپ کے قلب وزبان کے لئے مغفرت حکمت وفصل خطاب کومخصوص کردیا۔''

دو معتبر اور غیر جانب دار شہادت پیش کرنے کے بعد اب میں اصل خطبہ تحریر کرتا ہوں۔ لیکن اسے اُپج کہا جائے یا جدت پسندی کہ باوجود نا اہل ہونے کے میں نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں بھی کہیں الف نہ آنے پائے اور بقدر فہم صحیح ترجمہ سے عدول بھی نہ ہو۔ اگر چہ سارا ترجمہ آورد سے دست وگریبان ہے لیکن مجبوری عذر خواہ ہے اور وہ بھی اردو زبان کی جس کی لفظیں محدود اور اضافی علامتیں کثیر الاستعمال ہیں۔ بہر حال باخبر حضرات ''تعرف الاشیاء باضدادھا'' کو مد نظر رکھیں اور نا واقف لوگ عاجز کے کلام سے مقتدر کے کلام کی رفعت وبلندی کا اندازہ لگائیں۔ ادھر غور وفکر ہے اور اس طرف ارتحال، یہاں خاطی کا قلم ہے اور وہاں لسان اللہ کا دہن چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

"حمدت من عظمت منّته وسبغت نعمته، وسبقت رحمته غضبه ونفدت مشيئته وبلغت حجته، وعدلت قضيئتم حمدت حمد مقر بر بوبيته، متخضع لعبوديته، متنصل من خطيئته، متفرد بتوحيده، مستعيد من وعيده، مؤمّل منه مغفرة تنجيه، يوم يشغل عن نضيلته وبنيه، ونستعينه ونسترشده، ونستهديه ونؤمن به ونتوكل عليه وشهدت له شهود عبد مخلص موقن، وفردته تفريد مؤمن متيقن، ووحدته توحيد عبد مذعن، ليس له شريک فی ملكه، ولم يكن له ولی فی صنعه، جل عن مشير ووزير، وعن عون ومعين ونصير ونظير، علم فستر و بطن فخبر، وملک فقهر، وعصی فغفر وعبد فشكر، وحكم فعدل لن يزول ولم يزل، ليس كمثله شئ۔ وهو قبل كل شئ (وبعد كل شئ) ربّ متعزز بعزته، متمكن بقوته، متقدس بعلوّه، متكبر يسموه، ليس يدركه بصر، ولم يُحط به نظر، قوی متيع بصير سميع رؤف رحيم، عجز عن وصفه من يصفه، وضل عن نعته من يعرفه، قريب فی بعده وبعيد فی

قربه يجيب ودعوة من يدعوه، ويرزقه، ويحبوه، ذولطف خفى، وبطش قوى، ورحمة موسعه وعقوبه موجعة، رحمته جنته عريضه، مولقة، وعقوبته، حجيم، ممدودة موبقه:۔

وشهدت ببعث محمد رسوله وعبده وصفيه ونبيه ونجيه وحبيبه وخليله، بعثه فى خير عصر وحين فترة وكفر، رحمة لعبيده ومنة لمزيده، ختم به بنوة، وشيده به حجتم فوعظ ونصح، وبلغ وكدح رؤف بكل مؤمن رحيم سخى، رضى ولى زكى عليه رحمة وتسليم وبركة وتعظيم وتكريم من رب غفور رحيم،قريب مجيب۔ حكيم وصيتكم ونفسى مبشر من حضر فى بوصية ربكم وذكرتم بسنة نبيكم، فعليكم برهبته، تسكن قلوبكم، وخشية تذرى دموعكم، و تقيّة ستنجيكم قبل يوم يبليكم وتذهلكم يوم يفوذ فيه من ثقل وزن حسنته وخف وزن سيّئة ولتكن مسئلتكم و تملّقكم مسئلة ذل خضوع، وشكر و خشوع، بتوبة ونذوع وقدم ورجوع وليغتنم كل مغتنم منكم صحته قبل سقمه وشيبنة، قبل هرمه وسعته قبل فقره، وفرغته قبل شغله، وحضره قبل سغره، وحيوته، قبل موته، (فكم حمن) يهن ويهرم ويمرمن قبل تكبر ونهرم وتسقم، يمله طبيبه ويعرض عنه حبيبه وينقطع عمره ويتغير عقله ثم قيل هو موعوك، وجمه منهوك ثم جد فى نزع شديد، وحضرة كل قريب وبعيد، فشحص بصره، وطمع نظره و رشح جبينه، وعطف عرينه، وسكن حنينه، وحزنته نفسه، وبكته عرسه و جفررمسه، ويتم منه وكده وتفرق عنه عدده، وقسم جمعه وذهب بصره وسمعه ومدد وجرد وعرى وغسل ونشف وسجئى، وبسط له وهيئى و نشر عليه كفنه، وشد منه ذقنه و قمص وعمم وودع وسلم، وحمل فوق سريد وصلى عليه بتكبير بغير سجود وتعفير ونقد من دور مذحزفة وقصور مشيدة وحجر منجدة وجعل فى ضريح ملحود وضيئق مرصود، بلبن منضود، مسقف بجلمود وهيل عليه حفره، وحتى عليه مدره وتحقق حفره، ونسى خبره، ورجع عنه وليه وصفيه ونديمه ونسينه وحميمه وندل به قرينه وحبيبه فهو حشو قبر ورهين قغر، يسعیٰ بجمه دود قبره، ويسيل صديده، من منخره يـ حق برمه طمعه وينشف دمه ويرم حين ينفخ فى صور ويدعیٰ بحشر ونشور، فثم بعثرت قبور، و حصلت سريرة صدور، وجیٔ بكل نبى وصديق وشهيد، يؤخذ للفصل قدير، بعبده خبير بصير، فكم من زفرة تغنيم وحسرة تفنيتم فى موقف فهيد ومشهد جليل صغير و كبير عليم

وحینئذ یلحمہ حرقہ ویحضرہ قلقہ عبرتہ غیر موحومۃ وصرختہ غیر مسموعۃ وحجتہ غیر مقبولہ وتبلغت جریدتہ و نشر صحیفتہ فنظر فی سوء عملہ وشہدت علیہ عینہ بنظر ویدہ ببطشہ ورجلہ بخطوہ وفرجہ بمسہ وجلدہ بلحمہ فسلسل جیدہ وغلت یدہ۔

وسیق یسحب (فسحب) وحدہ فورد جہنم بکرب و شدۃ فظل یعذّب فی جحیم و یسقیٰ شربۃ من حمیم نشوی وجہہ وتسلخ جلدہ وتضربہ زبنیتہ بمقمع من حدید و یعود جلدہ بعد نضجہ کجلد جدید۔ یستغیث فتعرض عنہ خذنۃ جہنم ویستصرخ فیلبث حقبۃ یندم نعوذ بربّ قدیر من شرّ کلّ مصیر ونسئلہ عفو من رضی عنہ ومغفرۃ من قبلہ۔

وھو ولی مسئلتی ومنجح طلبتی فمن زحزح عن تعذیب ربہ جعل فی جنتہ بعزتہ وخلد فی قصور مشیدۃ وملک بحورعین وحفدۃ وطیف علیہ بکوس و سکن خطیرۃ قدس وتقلب فی نعیم وسقی من تسنیم وشرب من عین سلسبیل ومزج لہ بزنجبیل مختم بمسک عبیر مستدیم للملک مستشعر للسرور یشرب من خمور فی روض مغدق لیس یصدع من شربہ ولیس یترف لیہ ھذہ منزلہ من خشی ربہ و حذر نفسہ معصیتہ وتلک عقوبۃ من جحد مشیتہ وسولت لہ نفسہ معصیتہ فھو قول فصل وحکم عدل وخیر قصص قص ووعظ بہ نص تنزیل من حکیم حمید، نزل بہ روح قدس مبین علی قلب نبی مہتد رشید صلت علیہ رسل سفرۃ مکرمون بررۃ عذت برب علیم رحیم کریم من شر کل رجیم۔

فلیتضرع متضر عکم و لیبتھل مبتھلکم ولیستغفر کل مربوب منکم لی ولکم وحسبی ربی وحدہ۔"

(ترجمہ) مستحق حمد ہے وہ معبود جس کی عظمت خیز منت مکمل نعمت، غضب سے بڑھی ہوئی رحمت، ہمہ گیر مشیت، محیط حجت، درست فیصلے مجھے دعوت حمد دے رہے ہیں۔

جس طرح کوئی ربوبیت سے متمسک، عبودیت میں مستغرق، توحید میں منفرد، لغزش سے بری، دھمکیوں سے خوف زدہ، محشر کی کسمپرسی میں بخششوں کی طرف متوجہ ہو کر معبود کی تعریف کرے، بعینہ یونہیں میں بھی مدح گستر ہوں۔

ہم معبود سے رشد و مدد و رہبری کے متمنی ہیں وہی ہستی ہم سب کے لئے مرکز تدین وموجب توکل ہے۔ عبد مخلص کی طرح ہم وجود معبود کے مقر ہیں، مومن متقین کی طرح منفرد سمجھتے

ہیں، مضبوط عقیدہ بندے کی طرح فرد فرید تسلیم کرتے ہیں، نہ کوئی ملک میں شریک ہے، نہ صنعت گری میں دستگیر، وہ مشیر ووزیر کے مشوروں سے برتر ہے، نیز مدد ومددکنندہ، ہم پشت وہمسر کی ضرورت سے مستثنیٰ، قدرت ہم سب کی لغزشوں کو خوب سمجھتی ہے مگر مخفی رکھتی ہے وہ توتہ کی چیزوں سے بھی خبر رکھتی ہے وہ حکومت میں سب کو منظّم رکھتی ہے، حکم سے سرکشی کے وقت بھی عفو کے قلم کو حرکت دیتی ہے، لوگ بندگی کرتے ہیں تو قدرت عوض شکریہ پیش کرتی ہے۔ فیصلہ میں ہمیشہ عدل کو مدنظر رکھتی ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ معبود کی مثل ونظیر نہ کوئی چیز تھی، نہ ہے، نہ ہوگی، وہ ہر شے سے پہلے ہے نیز ہر شے کے بعد ہے وہ عزت سے معزز ہے، قوت سے متمکن، بزرگی کی وجہ سے مقدس ہے، برتری کی وجہ سے متکبر، چشم مخلوق نہ معبود حقیقی کو دیکھ سکتی ہے نہ کسی کی نظر محیط ہوسکتی ہے وہ قوی ومنیع، سمیع وبصیر، رؤف ورحیم وصف کنندہ معبود کی غیر محدود صفتوں کو دیکھ کر گنگ ہیں بلکہ معرفت کے مدعی بھی حقیقی تعریف سے گم گشتہ ہیں۔ وہ نزدیک ہوتے ہوئے دور ہے۔ دور ہوتے ہوئے نزدیک ہے۔ یہ قدرت ہی تو ہے جو ہر دعوت پر لبیک کہتی ہے، رزق دیتی ہے بلکہ ضرورت سے بڑھ کر بھی بخش دیتی ہے۔ وہی تو مخفی مروت قوی شوکت کی مظہر نیز وسیع رحمت، تکلیف دہ عقوبت کی مصدر ہے۔ یہ وہی ہستی تو ہے جس کی رحمت لمبی چوڑی قبول صورت جنت ہے، جس کی عقوبت وسیع وتہلکہ خیز دوزخ ہے میری ہستی بعثت محمدؐ کی مصدق ہے جو رسول عربی عبد حقیقی۔ برگزیدہ نبی، شریف خصلت، حبیب وخلیل ہیں۔ وہ حضرت بہترین عہد مگر کفر و بے عملی کے دور میں منصب نبوت پر متمکن ہوئے۔ بندوں پر رحم کرتے ہوئے، منت وکرم میں مزید ترقی دیتے ہوئے قدرت نے کل کمی پوری کردی یعنی محمدؐ پر نبوت ختم کرکے حجت مستحکم کردی۔

حضرت نے بھی لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ بھرپور جدوجہد کی وہ حضرت جملہ مومنین کے لئے شفیع ہمدرد، رحم دل، سخی، پسندیدہ وبرگزیدہ ولی تھے، رب ورحیم، قریب ومجیب وحکیم کی طرف سے محمد عربی پر رحمت وتسلیم نیز برکت وتعظیم وتکریم کی بڑھتی (کثرت) ہو۔ گروہ موجود! میرے ذریعہ سے تم لوگوں کے لئے رب قدیر کی وصیت، نبی کریم کی سنت پیش ہورہی ہے جس میں تم سب کے لئے نیز میرے لئے نصیحت وموعظت کے دفتر ہیں، تم پر فرض ہے کہ تم میں وہ ڈر موجود ہو جس سے خود تمہیں لوگوں کے دل کو سکون میسر ہو، وہ خوف مخفی ہو جس کی موجودگی میں چشم نم سے سیل بہ نکلے، وہ تقیہ ہو جو بوسیدگی کے دن سے پہلے ہی کل مہلکوں سے محفوظ کردے، نیز روز

محشر سے بے فکر کردے جبکہ نیکیوں کی تول وزنی ، بدیوں کی تول سبک ہونے کی وجہ سے بشر کو عیش وعشرت کی زندگی نصیب ہوگی۔

تم لوگوں پر یہ بھی فرض ہے کہ خضوع وخشوع ، توبہ ورجوع ، ذلت وشرمندگی کی صورت سے معبود کی خدمت میں عرض ومعروض وتملّق کرو، نیز تم لوگ موقع کو غنیمت سمجھو، مرض سے پہلے صحت کی قدر کرو، پیر فرتوت ہونے سے پہلے پیری کی عزت کرو، فقیری سے پہلے دولت کی توقیر کرو، مشغولیت سے پہلے وقت فرصت کو مدنظر رکھو، سفر سے پیشتر حضر کی قدر کرو، مرنے سے پہلے زندگی کی حقیقت کو سمجھ لو، نہ معلوم کتنے ہوں گے جو ضعیف وکمزور ومریض بن گئے ہوں جن کی کیفیت یہ ہوگی کہ خود طبیب (نسخہ لکھتے لکھتے) تھکن محسوس کرنے لگیں گے، دوست بھی پرہیز کرنے لگیں گے عمر ختم کے قریب ہوگی ---عقل وفہم منہ موڑ چکے ہوں گے۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہوں گے کہ یہ تو (جوتوں سے) پٹی ہوئی صورت ہے، جسم بھی (پتلی چھڑی کی طرح) مدقوق ہے کہ یک بیک نزع کی کیفیت شروع ہوگی، نزدیک ودور کے سب لوگ موجود ہوں گے۔ مریض کے دیدوں کی گردش سلب ہوگی ٹکٹکی بندھی ہوگی۔ جبین عرق ریز، بینی کج، تکلیف دہ چیخ میں سکون ، بس نفس میں رنج وغم کی کیفیت محسوس ہو رہی ہوگی۔ بیوی رو پیٹ رہی ہوگی، بچے یتیم ہو رہے ہوں گے، لحد درست ہو رہی ہوگی، عزیزوں میں تفرقہ کی نیو پڑ رہی ہوگی ۔ ترکہ کی تقسیم ہوتی ہوگی مگر خود میت چشم وگوش سے بے تعلق ہوگی۔ نوبت یہ پہنچے گی کہ لوگ جسم کے حصے کھینچ کھینچ کر درست کردیں گے پھر بدن سے کپڑے دور کریں گے۔ یوں ہی برہنہ غسل دیں گے، پھر دھو پونچھ کر کسی چیز پر رکھ دیں گے بعدہ کفن لپیٹیں گے۔ پہلے میت کی ٹھڈی کی بندش کریں گے پھر قمیص دے کر سر پر پگڑی لپیٹ دیں گے۔ پھر تسلیم کرکے رخصت کریں گے یعنی کسی تخت پر میت کو رکھ دیں گے ، پھر بغیر سجدے کے فریضہ سے تکبیر کہہ کر سب لوگ سبک دوش ہوں گے نیز میت کے لئے مغفرت طلب کریں گے۔ پھر زیب وزینت دیئے ہوئے گھر، مضبوط ومستحکم بنے ہوئے قصر ، سربلند ومزین محل سے منتقل کرکے لحد بنی ہوئی قبر، پہلے سے درست کیئے ہوئے گڈھے ، کے سپرد کردیں گے ،جس پر سنگ وخشت کو بہم کرکے (معمولی سی) چھت درست کردیں گے پھر کچھ مٹی کچھ ڈھیلے سے گڈھے کو بھر دیں گے۔ یہیں پر لوگ جدید مصیبت کو دیکھ کر معبود کی خدمت میں حضوری کو یقینی سمجھیں گے لیکن خود مردے کو سہو محو کردیں گے۔ دوست ہمدم، ہم مشرب ،عزیز قریب دفن سے پلٹنے کے بعد دوسرے دوسرے دوست ورفیق ڈھونڈ لیں گے مگر

میت غریب بیکسی کے گھر میں گردہے بلکہ قبر کے پیٹ میں لقمہ ہے کیفیت یہ ہے کہ لحد کے کیڑے نجس جسم پر دوڑ رہے ہیں۔ نتھنوں سے رطوبت بہہ رہی ہے۔ کیڑے مکوڑے گوشت و پوست کو چھلنی کررہے ہیں۔ خون پی رہے ہیں، ہڈیوں کو بوسیدہ کررہے ہیں، یوم محشر تک یہی صورت رہے گی۔ پھر صور پھونکنے کے وقت حشر ونشر کے لئے طلب ہوں گے۔ یہی تو وہ وقت ہے کہ قبروں کی جستجو ہوگی سینے کے مخفی خزینے پیش ہوں گے نبی صدیق ، شہید (یعنی محمدؐ ، علیؑ ،حسنینؑ) محشر میں طلب ہوں گے۔ پھر رب قدیر کی طرف سے جو کہ خبیر وبصیر ہے سب کے فیصلے ہوں گے۔ ملک عظیم کے پیش نظر جو ہر چھوٹی بڑی چیز سے مطلع ہے، محشر کے زبردست، پرہول موقف میں نہ معلوم کتنے زندگی کش شیون بلند ہوں گے، نہ معلوم کتنی دبی ہوئی حسرتیں پوری ہوں گی یعنی ظلم پیشہ گروہ سے مظلوموں کے حقوق ملیں گے یہی وہ وقت ہے جبکہ گلے گلے پسینہ میں سب غرق ہوں گے۔ جہنم کے شعلے ہر طرف سے گھیرے ہوں گے۔ چشم حسرت سے مسلسل جھڑی بندھنے کے بعد بھی رحمت کے در مسدود بخشیں بیسود، دلیلیں مردود ہوں گی، جرم حد کو پہونچ چکے ہوں گے۔ دفتر عمل کھلے رکھے ہوں گے پیش نظر برے عمل ہوں گے، چشم مجرم، نظر کی لغزش کی، دست ظلم تعدی کے، قدم غلط روش کے، جلد بدن، غیر محرم سے ملنے کے جسم کے مخفی حصے لمس وتقبیل کے خود بخود مقر ہوں گے۔ ختم حجت کے بعد، طوق در گردن، دست بہ زنجیر کھینچتے گھسیٹتے دوزخ کی طرف لیں چلیں گے پھر کرب و شدت کی معیت میں جہنم کے سپرد کردیں گے پس طرح طرح کی عقوبتیں شروع ہوں گی، پینے کے لئے خون، پیپ پیش کریں گے جس کی وجہ سے صورت جھلسی ہوئی معلوم ہوگی۔ جسم کی جلد گل گل کے گررہی ہوگی ۔لوہے گرزسے فرشتے پیٹ رہے ہوں گے۔ جلد بدن جل جل کے گرتی ہوگی، دوسری نئی جلد بنتی ہوگی بدنصیب کے رونے پیٹنے کی طرف سے جہنم کے موکل فرشتے منہ پھیرے ہوں گے۔ غرضیکہ یوں ہی مدتوں چیخ نیز شرمندگی کی کیفیت میں بسر ہوگی------ ہم رب قدیر سے ہر طرح کے فتنہ وشر سے طلب حفظ کرتے ہیں وہ جن لوگوں سے خوش ہوکر جس مقبولیت کی صف میں جگہ دیتے ہیں ہم بھی کچھ ویسی ہی مغفرت ومقبولیت کے متمنی ہیں۔ کیونکہ وہی ہستی ہم سب کے ہر مقصود ومطلب کی متکفل ہے۔ بیشک جو لوگ معبود کی عقوبتوں سے (نیک چلن ہونے کی وجہ سے) بچ گئے وہ عزت معبودی کے طفیل سے جنت میں پہنچیں گے۔ سربلند ومستحکم محلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھہریں گے جس جگہ عیش وعشرت کے لئے حوریں ملیں گی، خدمت کے لئے نوکر موجود ہوں گے، شیشہ وخم گردش میں

ہوں گے ۔ مقدس منزلوں میں مقیم ہوں گے۔ نعمتوں میں کروٹیں بدلتے ہوں گے۔ تسنیم وسلسبیل کو مطمئن ہوکر پیتے ہوں گے۔ جس کے ہر جرعے طرح طرح کی خوشبوؤں میں بسے ہوں گے۔ یہ سب چیزیں ہمیشگی کی ملکیت ہوں گی جس میں سرور کی حس قوی ہوگی۔ ہرے بھرے چمن میں مے نوشی ہوں گی۔ مے نوشوں کو نہ دردِ سر کی تکلیف ہوگی نہ کوئی دوسری زحمت ہوگی ——مگر یہ منزلت خوف وخشیت سے متصف لوگوں کی ہے جو نفس کی سرکشیوں سے ہر وقت خطرے میں رہتے ہیں (یعنی حرص وہوس کے پھندوں سے بچ کر نکلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں) بیشک جو لوگ حق کے منکر ہوں، مذکورہ حقیقتوں کو بھولے بیٹھے ہوں، معصیت کوشی میں نڈر ہوں، پرفریب نفس کے دھوکہ میں پڑے ہوں، وہ معبود حقیقی کی طرف سے عقوبت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ درست فیصلہ، معتدل حکم یہی ہے (دیکھو سب سے بہتر قصہ، سب سے کھری نصیحت حکیم مطلق کی تنزیل ہے جسے جبرئیل پہلے سے رہبر کل حضرت محمدؐ کے قلب محترم کے سپرد کرچکے ہیں۔ مکرم ونیک منش سفیروں کی طرف سے حضرت پر درود ورحمت ہو ہم ہر لعین وزجیم دشمن کے شر سے بچنے کے لئے رب علیم، رحیم کریم سے مدد طلب کرتے ہیں تم لوگ بھی تضرع کرو، گریہ میں مشغول رہو۔ نیز تم میں ہر شخص جو نعمت رب سے بہرہ ور ہے خود نیز میرے لئے طلب مغفرت کرے۔ بس میرے لئے رب قدیر کی ہستی بہت ہے۔

خطبۂ بلا نقطہ

ترجمہ: مولانا سید ظفر الحسن مرحوم

الحمد لله الملک المحمود المالک الودود مصوّر كلّ مولود ومال كل مطرود وساطح المهاد وموطد الاطواد ومرسل الامطار ومسهل الاوطار عالم الاسرار ومدركها، ومدمّر الاملاک ومهلكها، ومكوّر الدّهرى ومكرّها ومورد الامور ومصدرها عم صماحه وكمّل ركامه وهملُ وطاوع السوال والامل، واوسع الرّمل وارمل، احمده حمداً حمد ممدوداً واوحده كما وحدالاواه، وهوالله لا اله للامم سواه، ولاصادع لما عدداً له وسواه، ارسل محمد علماً للاسلام واماماً للحكام ومسّدداً للرعاع ومعطلا احكام ود وسواع اعلم وعلم وحكم واحكم واصل، الاصول ومهد و اكداالموعود او عد، او صلّ الله له الاكرام، اودع روحه السلام ورحم له واهله الكرام مالمع آل وملع وآل وطلع هلال، وسمع اهلال۔ اعلموا رحمكم الله اصلح الاعمال، واسلكوا سالک الحلال و اطرحوا الحرام وودعوه، والسمعوا امر الله وعوه وصلوا الارحام وراعوها، وعاصو الاهواء واردعوها وصاهرواهل الصلاح والورع، و صارموا رهط اللهو والطمع و مصاهر كم اطهر الاحوار مولداً، واسراهم سوْداً واحلا مكم مورداً وحرموا امكم وحل حرمكم ملک عروسكم المكرم وماهراً لها كما محصر رسول الله ام سلمه وهو اكرم صهرا اورع الاولا د وملک ما ارادا وما سهل مملكه ولا وهم ولا وكس ملا حمه ولا وصم، اسئل الله حكم احماد وصاله ودوام اسعاده وأهلهم كلااصلاح حاله والاعداد لمآ له ومعاده، وله الحمد والسرمد، والمدح برسوله احمد۔

میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جو بادشاہ ہے حمد کردہ مالک ہے محبت کرنے والا، ہر مولود کا مصور، اور ہر ٹھکرائے ہوئے کی بازگشت ہے۔ فرش زندگی کا بچھانے والا پہاڑوں کا قائم کرنے والا بارش کا بھیجنے والا اور سختیوں کا آسان کرنے والا ہے۔ وہ اسرار کا جاننے والا مدرک اور ملکوں کا برباد کرنے والا اور زمانوں کا گردش دینے والا اوران کالوٹانے والا اور امور کا مورد ومصدر ہے۔ اس کی سخاوت

عام ہے اور اس کا انتظام کامل ہے۔ اس نے مہلت دی ہے اور سوال وامید میں مطاوعت پیدائی ہے اور رمل وارمل کو وسعت دی ہے۔

میں اس کی حمد کرتا ہوں ایسی حمد کہ جو طویل ہے اور اس کی توحید بیان کرتا ہوں جیسا کہ اس کی طرف رجوع ہونے والوں نے بیان کیا ہے۔ وہی وہ خدا ہے کہ امتوں کا اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ کوئی اس شخص کا بگاڑ نیوا لا نہیں جس کو اس نے درست کیا ہو۔ اس نے محمد کو اسلام کا علم اور حکام کا امام، زیادتیوں کا روکنے والا اور ود اور سوارع (دونوں بت ہیں) کے احکام کو باطل کرنے والا بنا کر بھیجا۔ اس نے تعلیم دی اور حکم دیا اور اصولوں کو مقرر کیا اور ہدایت کی وعدہ وفائی کی تاکید کی۔ اور اللہ نے اکرام کو اس کے ساتھ متصل کرلیا اور ودیعت کی روح کو سلامتی کے ساتھ اور اس پر رحم اور اس کے اہل بیت کو مکرم کیا۔ جب تک سراب کی چمک باقی ہے اور چاند روشن ہے۔ اور ہلال کو دیکھنے والا سنتا رہے، جان لو خدا تم سے رعایت کرے تمہارے اعمال کی اصلاح کرے حلال کے راستوں پر گامزن رہو اور حرام کو ترک کرو اور حکم خدا کو مانو اس کی حفاظت کرو اور صلۂ رحم کرو اور اس کی رعایت کرو اور خواہشات کی مخالفت کرو۔ ان کو چھوڑ و اور نیکوکاروں کی مصاحبت اختیار کرو۔ یہود لقب اور لالچیوں سے جدائی اختیار کرو۔ تمہارے ہم صحبت لوگ معاملات کی حیثیت سے پاک وپاکیزہ ہوں اور سرداری کی حیثیت سے منتخب ہوں۔ اور بحیثیت میزبان کے شیرین بیان ہوں اور آگاہ ہو کہ اسی نے حرام کیا ہے تمہاری ماؤں کو اور حلال کیا ہے تمہاری بیویوں کو۔ اور مالک بنایا ہے تم کو تمہاری مکرم دولہنوں کا اور بنایا ہے تم کو ان کا مہر دینے والا جیسا کہ رسولؐ اللہ نے ام سلمہ کا مہر ادا کیا۔ وہ خسر کی حیثیت سے بزرگ ترین ہستی ہیں انہوں نے اولاد چھوڑی اور مالک بنایا ہر اس چیز کا جو انہوں نے چاہا۔ اس مالک بنانے والے نے نہ ہی سہو کیا اور نہ وہم وغفلت۔ میں اللہ سے تمہارے لئے سوال کرتا ہوں کہ ان کے وصال کی اچھائیاں تمہیں ملیں اور ان کی سعادت کی مداومت حاصل ہو اور کل کے لئے اصلاح حال کی اور اس کے مال ومعاد کے سامان کے لئے یعنی اس کی دنیا وآخرت کی بہبودی کے لئے خواہش کرتا ہوں حمد وہمیشگی اسی کے لئے ہے اور مدح اس کے رسولؐ کے لئے ہے جس کا نام احمدؐ ہے۔

(نہج الاسرار جلد اول، ص ۱۰۱)

کتاب ''نہج البلاغہ'' کا ایک تاریخی جائزہ

حجت الاسلام مولانا سیّد علی نقی مرحوم

مولای متقیان کے مکتوبات اور ارشادات عالیہ پر مشتمل کتاب نہج البلاغہ کو عربی زبان و ادب کے عظیم شاہکار کا درجہ حاصل ہے جس کو سید رضی نے کتابی شکل میں پیش کیا تھا جس کی اشاعت کے تقریباً دو صدی بعد بعض لوگوں نے اپنے اعتراضات ظاہر کیے اور شیخ محمد عبدہ جیسے مصری دانشور نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عربی زبان میں نہج البلاغہ کو قرآن کے بعد دوسری عظیم الشان کتاب کا درجہ حاصل ہے فاضل مقالہ نگار نے اس کتاب کا دقیق وحکیمانہ جائزہ نہایت سادہ مگر عالمانہ انداز بیان کے ساتھ تحریر کیا ہے جو درج ذیل ہے۔(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ ربّ العلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّدالانبیاء والمرسلین والہ الطیّبین الطّاھرین۔

نہج البلاغہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کا وہ مشہور ترین مجموعہ ہے جسے جناب سیّد رضی اللہ برادر شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مرتب فرمایا تھا۔ اس کے بعد پانچویں صدی کے پہلے عشرہ میں آپ کا انتقال ہوگیا ہے۔ نہج البلاغہ کے اندازِ تحریر سے پتہ یہ چلتا ہے کہ انہوں نے طویل جستجو کے ساتھ درمیان میں خالی اوراق چھوڑ کر امیرالمومنین کے کلام کو متفرّق مقامات سے یکجا کیا تھا، جس میں ایک طویل مدّت انہیں صرف ہوئی ہوگی اور اس میں اضافہ کا سلسلہ ان کے آخر عمر تک قائم رہا ہوگا، یہاں تک کہ بعض کلام جو کتاب کے یکجا ہونے کے بعد ملا ہے اور وہاں پر لکھ دیا ہے کہ یہ کلام کسی اور روایت کے مطابق اس کے پہلے کہیں پر درج ہوا ہے۔ یہ اندازِ جمع وتالیف خود ایک غیر جانبدار شخص کے لیے یہ پتہ دینے کے واسطے کافی ہے کہ اس میں خود سیّد رضی کے ملکۂ انشاء اور قوتِ تحریر کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ انہوں نے صرف مختلف مقامات سے جمع آوری کرکے امیرالمومنینؑ کے کلام کو یکجا کردینے پر اکتفا کی ہے یہ

پاشانی اور پریشانی جسے بحیثیت تالیف کے کتاب کا ایک نقص سمجھنا چاہیے، مقامِ اعتبار میں اس پر اعتماد پیدا کرنے والا ایک جوہر ہوگیا ہے۔ انہوں نے مختلف نسخوں اور مختلف راویوں کی یادداشت کے مطابق نقل الفاظ میں اتنی احتیاط کی ہے کہ بعض وقت دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہوجاتا ہے کہ اس عبارت کے نقل کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا جب کہ ابھی ابھی ہم ایسی ہی عبارت پڑھ چکے ہیں جیسے ذم اہلِ بصرہ میں، اس شہر کے تذکرے میں اس کی مسجد کا نقشہ کھینچنے میں مختلف عبارات کبھی نعامة جاثمة اور کبھی کجوء جوء طير فی لجة بحر اور اس سے ملتے جلتے ہوئے اور الفاظ، یہ اسی طرح کا اہتمام صحت نقل میں ہے۔ موجودہ زمانہ میں اکثر کتابوں کی عکسی تصویر شائع کی جاتی ہے اور جس میں غلط کتابت تک کی اصلاح نہیں کی جاتی اور صرف حاشیہ پر لکھ دیا جاتا ہے کہ بظاہر یہ لفظ غلط ہے۔ صحیح اس طرح ہونا چاہیئے۔ دیکھنے والے کا دل تو ایسے مقام پر یہ چاہتا ہے کہ اصل عبارت ہی میں غلط کو کاٹ کر صحیح لفظ لکھ دیا گیا ہوتا، مگر صحتِ نقل کے اظہار کے لیے یہ صُورت اختیار کی جایا کرتی ہے، جیسے قرآن مجید میں بعض جگہ تالیفِ عثمانی کے کاتب نے جو کتابت کی غلطیاں کردی تھیں جیسے لاذبحنّه میں لا کے بعد ایک الف جو یقیناً غلط ہے، اس لیے یہ لائے نافیہ نہیں، جس کے بعد اذبحنّه فعل آئے بلکہ لام تاکید ہے جس سے اذبحنّه فعل متصل ہے۔ مگر اس قسم کے اغلاط کو بھی دُور کرنا بعد کے مسلمانوں نے صحتِ نقل کے خلاف سمجھا۔ اسی طرح اِملائے قرآن گویا ایک تعبدی شکل سے معیّن ہوگیا۔ بعض جگہ رحمة کی ت لمبی لکھی جاتی ہے، بعض جگہ جنّت بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔ بعض جگہ یدعوا ایسے فعل واحد میں بھی الف لکھا ہوا ہے کہ جو جمع کے بعد غیر ملفوظی ہونے کے باجود لکھا جایا کرتا ہے۔ ان سب خصوصیات کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے، جس سے مقصود وثاقتِ نقل میں قوت پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح علامہ سیّدرضی نے جس شکل میں جو فقرہ دیکھا اس کو درج کرنا ضروری سمجھا تاکہ کسی قسم کا تصرّف کلام میں ہونے نہ پائے۔ یہ ایک وراثتی پہلو ہے جو اس تصور کو بالکل ختم کردیتا ہے کہ یہ کتاب سیّدرضی رحمہ اللہ کی تصنیف کی حیثیت رکھتی ہو۔

دوسرا پہلو خطبوں کے درمیان کے ومنہا...... ومنہ ہیں، جس میں عموماً بعد کا حصّہ قبل سے بالکل غیر مرتبط ہوتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قبل کا حصّہ قبل بعثت سے متعلق ہے یا اوائل بعثت سے اور بعد کا حصہ بعد وفاتِ رسُول سے متعلق ہے۔ یہ بھی دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہوجایا کرتا ہے۔ مگر اس سے بھی اس مقصد کو تقویّت حاصل ہوتی ہے۔ اگر سیّدرضی کا کلام ہوتا تو فطری طور پر اس میں تسلسل

ہوتا یا اگر انہیں دو موضوعوں پر لکھنا ہوتا تو اسے وہ دو خطبوں میں مستقل طور پر تحریر کرتے، لیکن وہ کیا کرتے جب کہ انہیں کلامِ امیرالمومنینؑ ہی کا انتخاب پیش کرنا تھا۔ اس لیے جہاں خطبہ کا پہلا جز اور آخر کا جز دو مختلف موضوعوں سے متعلق ہے اور درمیان کا حصّہ کسی وجہ سے وہ درج نہیں کر رہے ہیں تو نہ وہ اس کو کلامِ واحد بنا سکتے ہیں نہ مستقل دو خطبے بلکہ انہیں ایک ہی کلام میں ومنہا کے فاصلے قائم کرنا پڑتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ شکل بعض جگہ تو انتخاب کی وجہ سے ہوئی ہے اور بعض جگہ یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ سابق میں قلمی کتابوں کے سوا کوئی دوسری شکل مواد کے فراہم ہونے کی نہ ہوتی تھی اور قلمی کتابوں کے اکثر نسخے منحصر بفرد ہوتے تھے۔ اب اگر ان میں درمیان کا حصّہ کرم خوردہ ہوگیا ہے یا اوراق ضائع ہوگئے ہیں یا رطوبت سے روشنائی پھیل جانے کی وجہ سے وہ ناقابلِ قراءت ہے تو علاّمہ سیّد رضی اس موقع پر درمیان کا حصّہ نقل کرنے سے قاصر رہے ہیں اور حرص جمع وحفاظت میں انہوں نے اس کے قبل یا بعد وسط کے وہ سطور تلاش کئے ہیں جو کسی مستقل مفاد کے حامل ہیں اور اس طرح درمیان کے حصوں میں انہوں نے ومنہا کہہ کر اس کے درج کرنے سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس وقت علم کا ایک بڑا ذخیرہ حفّاظ وادباء ومحدّثین کے سینوں میں ہوتا تھا۔ فرض کیجیۓ کسی اپنے اُستاد اور شیخ حدیث سے علاّمہ سیّد رضی نے کسی موقع کی مناسبت سے خطبہ کا ابتدائی حصّہ سُن لیا اور انہوں نے اسے فوراً قلم بند کرلیا، پھر دُوسرے موقع پر انہوں نے ان کی زبان سے اسی خطبہ کے کچھ دُوسرے فقرات سُنے اور انہیں محفوظ کرلیا اور اتنا موقع نہ مل سکا کہ درمیانی اجزا ان سے دریافت کرکے لکھتے۔ اس طرح انہوں نے اس کی خانہ پُری ومنہا کے ذریعہ سے کی۔ یہ بھی اس کی دلیل قوی ہے کہ انہوں نے اصل کلام امیرالمومنینؑ کے ضبط وحفظ ہی کی کوشش کی ہے۔ قطعاً کوئی تصرّف خود نہیں کرنا چاہا۔

تیسرا شاہد اس کا خود جناب رضی کے وہ مختصر تبصرے ہیں جو کہیں کہیں کچھ خطبوں کے بعد انہوں نے اس کلام کے متعلق اپنے احساسات وتاثرات کے اظہار پر مشتمل درج کردیئے ہیں یا بعض جگہ کچھ الفاظ کی تشریح ضروری سمجھی ہے۔ ان تبصروں کی عبارت نے ان خطبوں سے متصل ہوکر ہر صاحب ذوق عربی داں کے لیے یہ اندازہ قطعی طور پر آسان کردیا ہے کہ ان تبصروں کا انشا پرداز وہ ہرگز نہیں ہوسکتا جو ان خطبوں کا انشا پرداز ہے۔ جس طرح خود علاّمہ رضی نے اپنی مایہ ناز تفسیر حقائق التنزیل میں اعجازِ قرآن کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ باوجودیکہ امیرالمومنینؑ کا کلام جو فصاحت وبلاغت میں فوق

البشر ہے۔ مگر جب خود حضرت کے کلام میں کوئی قرآن کی آیت آجاتی ہے تو وہ اس طرح چمکتی ہے جس طرح سنگریزوں میں گوہر شاہوار بالکل اسی شکل سے اگر چہ علاّمہ سیّد رضی اپنے دور کے افصح زمانہ تھے اور عربی ادب میں معراج کمال پر فائز تھے، مگر نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کے کلام کے بعد جب ان کی عبارت آجاتی ہے تو ہر دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کی نگاہ بلندیوں سے گر کر نشیب میں پہنچ چکی ہے۔ حالانکہ ان عبارتوں میں علاّمہ سیّد رضی نے ادبی مہارت صرف کی ہے اور اپنی حد بھر اپنی قابلیّت دکھائی ہے۔ مگر سابق کلام کی بلندی کو ہر مطالعہ کرنے والے کے لیے ایک امرِ محسوس کی حیثیت سے ظاہر کر دیا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا داخلی شاہد ہے اس تصوّر کے غلط ہونے کا وہ علاّمہ سیّد رضی کا کلام ہو۔

چوتھا امر یہ ہے کہ جناب سیّد رضی اپنے دور کے کوئی گمنام شخص نہ تھے۔ وہ دینی و دنیوی دونوں قسم کے ذمّہ دار منصبوں پر فائز تھے۔ یہ دور بھی وہ تھا جو مذہب و ملّت کے علماء و فضلاء سے بھرا ہوا تھا۔ بغداد سلطنت عباسیہ کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے مرکزِ علم و ادب بھی تھا۔ خود سیّد رضی کے استاد شیخ مفید بھی نہج البلاغہ کے جمع و تالیف کے دور میں موجود تھے۔ اس لیے کہ جناب شیخ مفید علاّمہ سیّد رضی کی وفات کے بعد تک موجود رہے ہیں اور شاگرد کا انتقال استاد کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ معاصرین کو تو ایک شخص کے متعلق الزامات کی تلاش رہتی ہے، پھر شریف رضیؒ سے تو خود حکومتِ وقت کو بھی مخاصمت پیدا ہو چکی تھی۔ اس محضر پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے جو فاطمیین مصر کے خلاف حکومت نے مرتب کیا تھا اور جس پر علاّمہ رضی کے بڑے بھائی اور ان کے والدِ بزرگوار تک نے حکوت کے تشدّد کی بنا پر دستخط کر دیئے تھے۔ مگر علاّمہ سیّد رضیؒ نے عواقب و نتائج سے بے نیاز ہو کر اس پر دستخط سے انکار کر دیا تھا علاوہ اس کے کہ اس کردار کا شخص جو صداقت کو ایسے قوی ترین محرکات کے خلاف محفوظ رکھے اس طرح کی چھچھوری بات کر ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک پوری کتاب خود لکھ کر امیر المومنینؑ کی جانب منسوب کر دے جس کا غلط ہونا علماء عصر سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور اگر بالفرض وہ ایسا کرتے بھی تو ان کے دور میں ان کے خلاف علماء وقت اور ارکانِ حکومت کی طرف سے اس الزام کو شدّت سے اچھالا جاتا اور سخت نکتہ چینی کی جاتی۔ حالانکہ ہمارے سامنے خود ان کے عصر کے علماء کی کتابیں اور ان کے بعد کے کئی صدی تک کے مصنّفین کی تحریریں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں کمزور طریقہ پر بھی ان کے حالاتِ زندگی میں اس قسم کے الزام کا عائد کیا جانا یا اس بارے میں ان پر کسی قسم کی نکتہ چینی

کا ہونا موجود نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ صرف بر بنائے جذبات نہج البلاغہ کے بعض مندرجات کو اپنے معتقدات کے خلاف پا کر کچھ متعصب افراد کی بعد کی کارستانی ہے جو انہوں نے نہج البلاغہ کو کلامِ سید رضی قرار دینے کی کوشش کی ہے ورنہ خود جناب سید رضیؒ اعلیٰ اللہ مقامہ کے دور میں اس کے مندرجات کا کلام امیر المومنینؑ ہونا بلا تفریق فرقہ و مذہب ایک مسلم چیز تھی اور اسی لیے ان پر اس بارے میں کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکا۔

پانچواں امر یہ ہے کہ سید رضی اعلی اللہ مقامہ کے قبل ایسا نہیں ہے کہ امیر المومنینؑ کے خطبوں کا کوئی نام ونشان عالمِ اسلامی میں نہ پایا جاتا ہو بلکہ کتبِ تاریخ و ادب کے مُطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلم الثبوت ذخیرہ بحیثیت امیر المومنین علیہ السلام کے سید رضی رحمۃ اللہ کے قبل سے موجود تھا۔ چنانچہ مورخ مسعودی جو علامہ سید رضی سے مقدم طبقہ میں ہیں بلکہ ان کی ولادت کے قبل وفات پا چکے تھے۔ اِس لئے کہ علامہ سید رضی کا دَور شباب ہی میں ۴۰۶ھ میں انتقال ہوا ہے اور مسعودی کی وفات ۳۴۰ھ میں ہو چکی تھی، جس وقت سید رضی کے استاد شیخ مفید ہی نہیں بلکہ ان کے بھی استاد شیخ صدوق محمد بن علی ابن بابویہ قمی بھی زندہ تھے۔ مسعودی نے اپنی تاریخ ''مروج الذہب'' میں لکھا ہے کہ:

وَالّذی حفظ النّاس عنه من خطبه فی سائر مقاماته اربعمائة و نیف و ثمانون خطبة یوردها علی البدیهة قد اول الناس ذالک عنه قولاً و عملا (مروج الذهب، جلد ۲۔ص ۳۳ طبع مصر) لوگوں نے آپ (حضرت علی ابن ابی طالبؑ) کے خطبے مختلف موقعوں کے محفوظ کر لیے ہیں، وہ چار سو اسّی سے کچھ زیادہ تعداد میں ہیں۔ جنہیں آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا تھا، جنہیں لوگوں نے نقل قول کے طور پر بھی بتواتر نقل کیا ہے اور اپنے خطب و مضامین میں ان کے اقتباسات وغیرہ سے بکثرت کام بھی لیتے رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ چار سو اسّی سے کچھ اوپر خطبے اگر تمام و کمال یکجا کیے جائیں تو بلا شبہ نہج البلاغہ سے بڑی کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ جب یہ اتنا بڑا ذخیرہ سید رضی کی ولادت سے پہلے سے موجود تھا تو پھر علامہ سید رضی کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اس ذخیرہ سے کام نہ لیں اور اپنی طرف سے نہج البلاغہ ایسی کتاب تحریر کر دیں۔ ایسا اس شخص کے لیے کیا جاتا ہے جو گمنام ہو اور جس کا کوئی کارنامہ موجود نہ ہو اور اس کے اخلاف یا منتسبین خواہ مخواہ اس کو نمایاں بنانے کے لیے اس کی جانب سے کوئی کارنامہ

تصنیف کر دیں۔ صرف علاّمہ مسعودی کا یہ قول ہی اس ذخیرہ کے ثبوت کے لیے کافی تھا، جبکہ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ذخیرہ آثارِ قدیمہ کے طور پر کسی دُور دراز عجائب خانہ یا کسی ایک عالم کے متروکات میں شامل نہیں تھا جس تک رسائی کسی زحمت کی طلبگار ہوتی ہو بلکہ حفظ النّاس اور تداول الناس کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ عموماً اہل علم کے ہاتھوں میں موجود اور متداول تھا۔

اس کے علاوہ دَورِ عباسیہ کے یگانۂ روزگار کاتب عبدالحمید بن یحییٰ متوفّی ۱۳۲ھ کا یہ مقولہ علامہ ابن ابی الحدید نے شرحِ نہج البلاغہ میں درج کیا ہے کہ:

حفظت سبعين خطبة من خطب الاصلع ففاضت ثم فاضت

میں نے ستر خطبے علی ابنِ طالب علیہ السّلام کے ازبر کئے ہیں، جن کے فیوض وبرکات میرے یہاں نمایاں ہیں۔

اس کے بعد ابن المقفع متوفّی ۱۴۲ھ کا اعتراف ہے جسے علاّمہ حسن الذوبی نے اپنے ان حواشی میں، جو کتاب البیان والتبیین للجاحظ پر لکھے ہیں، وہ ابن مقفع کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الظاهرانه تخرج فی البلاغة علی خطب الامام علی ولذلک کان یقول شربت من الخطب من ریاولم اضبط لها رویافاضت ثم فاضت

غالباً ابن المقفع نے بلاغت میں امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالبؑ کے خطبوں سے استفادہ کیا تھا اور اسی بنا پر وہ کہتے تھے کہ میں نے خطبوں کے چشمہ سے سیراب ہو کر پیا ہے اور اسے کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھا ہے تو اس چشمہ کے برکات بڑھے اور ہمیشہ بڑھتے رہے اس کے بعد ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ یہ بھی سیّد رضی سے مقدّم ہیں اور ان کا یہ قول ہے:

حفظت من الخطابة کنزالایزیده الانفاق الاسعة و کثرة حفظت مأته فصل من مواعظ علی ابن ابی طالب.

میں نے خطابت کا ایک خزانہ محفوظ کیا ہے، جس سے جتنا زیادہ کام لیا جائے، پھر بھی اس میں برکت زیادہ ہی ہوتی رہے گی، میں نے سو فصلیں علی ابنِ ابی طالب کے مواعظ میں سے یاد کی ہیں۔

ابن نباتہ کے اس قول کا بھی ابنِ ابی الحدید نے تذکرہ کیا ہے۔

رجال کشی میں ابوالصباح کنانی کے حالات میں لکھا ہے کہ زید ابن علی ابن الحسین کو جو زید شہید کے نام سے مشہور ہیں اور جن کی شہادت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے زمانۂ امامت میں

ہوئی وہ برابر امیر المومنین کے خطبوں کو سنا کرتے تھے۔

ابو الصباح کہتے ہیں کان یسمع منی خطب امیرالمومنین علیہ السّلام۔ یہ دوسری صدی ہجری کا ذکر ہے۔ اور اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ایک ذخیرہ خطبوں کا اس وقت بھی موجود تھا جو مسلّم طور پر حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام کی طرف نسبت رکھتا تھا۔

ان تمام مقامات پر بطور ارسال مسلمات خطب علیؑ کہنا بتاتا ہے کہ اس زمانے میں اس بارے میں کوئی شک وشبہ بھی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ ورنہ کئی صدی بعد جب کچھ اغراض کی بنا پر مصنّفین نے اس حقیقت کو مشکوک بنانا ضروری سمجھا تو المنسوبۃ الی علیؑ کہنے لگے۔ دورِ اوّل میں اس قسم کے شک وشبہ کے اظہار کرنے والی کوئی لفظ پائی نہیں جاتی۔

رجال کبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ زید ابن وہب جہنی متوفّی حدود ۹۰ھ نے جو خود حضرت امیرالمومنینؑ کے رواۃ احادیث میں سے ہیں۔ آپ کے خطبوں کو جمع کیا تھا اور اس کے بعد اور بھی متعدد افراد ہیں جنہوں نے سیّد رضی کے پہلے حضرت کے خطب اقوال کو جمع کیا تھا۔

۱- ہشام ابن محمد ابنِ سائب کلبی ۱۴۶ھ، ان کے جمع وتالیف کا ذکر فہرست ابنِ ندیم جزو ۷ صفحہ ۲۵۱ میں موجود ہے۔

۲- ابراہیم ابن ظہیر فرازی، ان کا ذکر فہرستِ طُوسی میں یوں ہے: صنّف کتباً منھا کتاب الملاحم وکتاب خطب علی علیہ السّلام متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ منجملہ ان میں ''کتاب الملاحم'' اور ''کتاب خطب علی علیہ السّلام'' ہے۔

اور رجال نجاشی میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔

۳- ابو محمد مسعد ابن صدقہ عبدی۔ ان کے متعلّق رجال نجاشی میں ہے: لہ کتب منھا کتاب خطب امیرالمومنین علیہ السّلام ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سے ایک ''کتاب خطب علی علیہ السّلام'' ہے۔

۴- ابو القاسم عبد العظیم ابن عبد اللہ حسنی، جن کا مزار طہران سے تھوڑے فاصلہ پر شاہ عبد العظیم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ امام علی نقی علیہ السّلام کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کے جمع کردہ خطبوں کا ذکر رجال نجاشی میں اس طرح ہے: لہ کتب امیرالمومنین علیہ السّلام.

ان کی ایک کتاب '' خطب علی علیہ السّلام '' ہے۔

۵- ابوالخیر صالح ابن ابی حماد رازی۔ یہ بھی امام علی نقی علیہ السّلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ نجاشی میں ہے: له کتب منها کتاب خطب امیرالمومنین علیه السلام

منجملہ آپ کی تالیفات کتاب "خطب علی علیہ السّلام" ہے۔

۶- علی ابن محمد ابنِ عبداللہ مدائنی متوفّی ۲۲۵ھ۔ انہوں نے حضرت کے خطبوں کو اور ان مکاتیب کو جمع کیا جو حضرت نے اپنے عمّال کو تحریر فرمائے تھے۔ اس کا ذکر معجم الادباء یاقوت حموی جزو ۵ صفحہ ۳۱۳ میں ہے۔

۷- ابومحمد عبدالعزیز جلودی بصری متوفی ۳۳۰ھ کی تصانیف میں کتاب خطب علی، کتاب رسائل، کتاب مواعظِ علی، کتاب خطب علی علیہ السّلام فی الملاحم، کتاب دعاء علی موجود ہیں، جن کا تذکرہ شیخ طوسی نے فہرست میں اور نجاشی نے ان کی طویل تصنیفات کے ذیل میں اپنے رجال میں کیا ہے۔

۸- ابومحمد حسن ابن علی ابن شعبہ حلبی، متوفّی ۳۲۰ھ نے اپنی مشہور کتاب تحف العقول، ص ۱۳، طبع ایران میں امیرالمومنین کے کچھ کلمات امثال و خطب کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

انّالوا استغرقنا جمیع ماوصل الینا من خطبه و کلامه فی التوحید خاصة دون ماسواه من المعانی لکان مثل جمیع هذا الکتاب

یعنی اگر ہم وہ سب لکھنا چاہیں جو ہم تک حضرت کے خطبے اور آپ کا کلام صرف توحید کے بارے میں پہنچا ہے علاوہ دوسرے موضوعات کے تو وہ پوری اس کتاب تحف العقول کے برابر ہوگا۔

اب مذکورہ بالا تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی میں زید ابن وہب جہنی نے حضرت کے خطبوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ دوسری صدی میں عبدالحمید ابن یحیٰ کاتب اور ابن مقفّع کے دور میں وہ ذخیرہ مسلّم طور پر موجود تھا اور اس صدی کے وسطی دور میں وہ خطبے پڑھے اور سنے جاتے تھے۔ جیسا کہ زید شہید کے واقعہ سے ظاہر ہوا اور ادباء اس کو زبانی حفظ کرتے تھے، جیسا کہ عبدالحمید اور ابنِ مقفّع کی تصریحات سے ظاہر ہوا۔

اور تیسری صدی میں متعدد مصنّفین نے جو جو خطبے ان تک پہنچے تھے۔ ان کو مدوّن کیا۔ ایسی صورت میں جناب سیّد رضی کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ ان تمام ذخیروں کو نظرانداز کرکے یہ دماغی دادو کاہش گوارا کریں کہ وہ ازخود کلام امیرالمومنینؑ کے نام سے کوئی چیز تصنیف کریں۔

چھٹا امر یہ ہے کہ ان تمام ذخیروں کے سابق سے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ علاّمہ سیّد رضی

کے لیے یہ تو قطعی ممکن نہیں تھا کہ وہ ان تمام ذخائر کو تلف کرادیتے اور پھر اسی کی ترویج کرتے جو انہوں نے کلامِ امیر المومنینؑ قرار دیا تھا۔ یہ قطعی ناممکن تھا اگر وہ ذخیرہ کسی ایک مصنف کے پاس کسی ایک دور و دراز جگہ ہوتا تو یہ امکان بھی تھا جیسا کہ مشہور ہے کہ شیخ ابو علی سینا نے فارابی کے تمام مصنّفات کو کسی شخص سے حاصل کر کے انہیں تلف کر دیا اور ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ یہاں یہ صورت قطعاً ناممکن تھی جب کہ وہ کلام ادبا کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اطراف واقطارِ عالمِ اسلامی میں منتشر تھا اور بہت سے مصنّفین اس کی تدوین کر چکے تھے۔ پھر جب کہ سیّد رضی کی تصنیف کے ساتھ ان ذخائر کا موجود ہونا لازمی تھا تو اگر سیّد رضی کا جمع کردہ کلام اس ذخیرہ کو دیکھے، پڑھے ہوئے یا یاد کئے ہوئے تھے، صدائے احتجاج بلند کر دیتے، ان میں تلاطم ہو جاتا اور سیّد رضی تمام دنیا میں اس کی وجہ سے بدنام ہو جاتے۔ کم از کم کوئی ان کے ہم عصر ادبا میں سے اس کی تنقید ہی کرتا ہوا ایک کتاب ہی اس موضوع پر لکھ دیتا کہ امیر المومنینؑ کا جو کلام اب تک محفوظ رہا یہ سیّد رضی کے جمع کئے ہوئے ذخیرہ سے مختلف ہے۔ خصوصاً جب وہ وجہ جو بعد میں ایک طبقہ کو اس بات میں انکار یا تشکیک کی موجب ہوئی، جس کی تفصیل کسی حد تک آئندہ درج ہوگی۔ وہ ایک مذہبی بنیاد تھی۔ یعنی یہ کہ نہج البلاغہ میں ان افراد کے بارے میں جنہیں سوادِ اعظم قابلِ احترام سمجھتا ہے کچھ تعریضات یا انتقادی کلمات ہیں۔

ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ سلطنتِ عباسیہ کے دارالسلطنت میں لکھی گئی جو اہلِ سنّت کا علمی مرکز تھا۔ اس وقت بڑے بڑے علماء، حفاظ، ادبا خطبا، اہل سیر اور محدثین اہلِ سنّت میں موجود تھے اور ان کا جمِ غفیر خاص بغداد میں موجود تھا۔ اگر امیر المومنینؑ کے وہ خطبات جو ابن المقفع، ابن نباتہ، عبدالحمید ابن یحیٰ، جاحظ اور دیگر مسلّم الثبوت ادبا کے دور میں موجود تھے، ان تعریضات سے خالی تھے اور اس قسم کے مضامین ان میں نہ تھے بلکہ فطری طور پر اس صورت میں اس کے خلاف چیزوں پر انہیں مشتمل ہونا چاہیے تھا، تو اس وقت کے اہلِ سنّت علماء اس پر قیامت برپا کر دیتے اور اس کو اپنے مذہب کے خلاف ایک عظیم حملہ تصور کر کے پورے طور سے اس کا مقابلہ کرتے اور اس کی دھجیاں اڑا دیتے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، کوئی دھیمی سی آواز بھی اس کے خلاف بلند نہیں ہوئی۔ یہ اس کا قطعی ثبوت ہے کہ سیّد رضی کے جمع کردہ مجموعہ میں کوئی نئی چیز نہ تھی بلکہ وہ وہی تھا جو اس کے پہلے مضبوط ومدوّن، متداول ومحفوظ رہا تھا، علماء قطعاً اس سے اجنبیت نہ رکھتے تھے بلکہ اس سے مانوس اور اس سننے کے اور یاد کرنے کے عادی تھے وہ اس ادبی ذخیرہ کو اس کی ادبی افادیت کے اعتبار سے سر آنکھوں پر رکھتے تھے اور اس تنگ

نظری میں مبتلا نہ تھے کہ چونکہ اس میں کچھ چیزیں ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، اس لیے اس کا انکار کیا جائے یا اس سے اجنبیت برتی جائے۔

ساتواں امر یہ ہے کہ بہت سی کتابیں علامہ سیّد رضی کے قبل کی اس وقت بھی ایسی موجود ہیں، جن میں امیر المومنینؑ کے اکثر مواقع کے کلام یا خطبات کو کسی مناسبت سے ذکر کیا ہے، جیسے جاحظ متوفّی ۲۵۵ھ کی ''البیان والتبیین'' ابنِ قتیبہ دینوری متوفّی ۲۷۶ھ کی ''عیون الاخبار'' و ''غریب الحدیث''، ابن واضح یعقوبی متوفّی ۲۷۸ھ کی ''مشہور تاریخ''، ابوحنیفہ دینوری متوفّی ۲۰۸ھ کی ''اخبار الطّوال''، ابو العباس لمبرد متوفّی ۲۸۶ھ کی کتاب ''المبرد'' مشہور مورخ ابنِ جریر طبری متوفّی ۳۱۰ھ کی ''تاریخ کبیر''، ابن درید متوفّی ۳۲۱ھ کی ''کتاب المجتبیٰ''، ابن عبدربہ متوفّی ۳۲۸ھ کی ''عقد الفرید''، ثقۃ الاسلام کلینی متوفّی ۳۲۹ھ کی مشہور کتاب ''کافی''، مسعودی متوفّی ۳۴۶ھ کی تاریخ ''مروج الذہب''، ابوالفرج اصفہانی متوفّی ۳۵۶ھ کی کتاب ''اغانی'' ابوعلی قال متوفّی ۳۵۶ھ کی کتاب ''النوادر''، شیخ صدوق متوفّی ۳۸۱ھ کی ''کتاب التوحید'' اور ان کے دوسرے ''جوامع حدیث''، شیخ مفید رحمہ اللہ، متوفّی ۴۱۶ھ اگر چہ تاریخِ وفات کے اعتبار سے جناب رضی سے موخر ہیں مگر ان کے استاد ہونے کی وجہ سے طبقۃً مقدّم ہیں، ان کی کتاب ''الارشاد'' اور ''کتاب الجمل''۔

ان تمام کتابوں میں جو حضرت کے خطبے درج ہیں ان کا جب مقابلہ علامہ سیّد رضی کے مندرجہ خطب اور اجزاء کلام سے کیا جاتا ہے تو اکثر تو وہ بالکل متحد ہوتے ہیں اور نہج البلاغہ میں ایسا درج شدہ کلام اگر کوئی ہے جو ان کتابوں میں درج نہیں ہے۔ یا ان کتابوں میں کوئی کلام ایسا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکو رنہیں ہے تو اسلوبِ بیان اور اندازِ کلام، تسلسل و بلند آہنگی، جوش و حقائق نگاری کے لحاظ سے یقیناً متحد ہوتا ہے۔ جس میں کسی واقف عربیت کو شک نہیں ہوسکتا۔ امیر المومنینؑ کے اس کلام کا جو نہج البلاغہ میں درج ہے، اس تمام کلام سے، جو حضرت کی طرف نسبت دیکر اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ متحد الاسلوب ہونا پھر اس پہلو کے ضمیمہ کے ساتھ جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ وہ خود سیّد رضی کے اس کلام سے جو نہج البلاغہ میں بطور مقدّمہ یا بطور تبصرہ موجود ہے۔ بالکل مختلف ہونا ایک غیر جانب دار شخص کے لیے اس کا کافی ثبوت ہے کہ یہ واقعی امیر المومنینؑ ہی کا کلام ہے۔ جسے علامہ سیّد رضی نے صرف جمع کیا ہے۔

آٹھواں امر یہ ہے کہ خود علامہ سیّد رضی کے معاصرین یا ان سے قریب العہد متعدد لوگوں نے

بطورِ خود بھی کلامِ امیر المومنینؑ کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کیا ہے۔ جیسے ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ نے ''تجارب الامم'' میں، حافظ ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے ''علیۃ الاولیاء'' میں، شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے جو شیخ مفید رحمہ اللہ سے تلمذ کی حیثیت سے علامہ رضی کے ہم طبقہ اور علم الہدیٰ سیدمرتضیٰ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے اور نیز سال وفات کے اعتبار سے ان سے ذرا موخر ہیں۔ اپنی کتاب ''تہذیب'' اور کتاب ''الامالی'' میں، نیز عبدالواحد ابن محمد ابن عبدالواحد آمدی جو اسی عصر کے تھے اپنی مستقل کتاب ''غرر الحکم'' و درر الکلم جو امیر المومنینؑ کے مختصر کلمات پر مشتمل ہے اور مصر اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ نیز ابوسعید منصور ابن حسین آبی وزیر متوفی ۴۲۲ھ اپنی کتاب ''نزہۃ'' الادب ونثر ''الدرر'' میں جس کا ذکر ''کشف الظنون'' باب النون میں ہے اور قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قطاعی شافعی متوفی ۴۵۳ھ جن کی عظیم الشان کتاب اس موضوع پر ''دستور معالم الحکم'' کے نام سے ہے اور وہ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ سب تقریباً سیّد رضی کے معاصرین ہی ہیں۔ ان سب کی کاوشیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ سوائے ابوسعید منصور کی کتاب کے جس کا ''کشف الظنون'' میں تذکرہ ہے۔ باقی یہ سب کتابیں مطبوع ومتداول ہیں۔ ان میں جو کلام مندرج ہے وہ بھی علامہ سیّد رضی کے درج کردہ کلام سے عیناً طریقۂ کار یا اسلوب میں متفق ہی ہے۔ پھر اگر سیّد رضی کی نسبت یہ تصور کیا جائے کہ انہوں نے خود اس کلام کو تصنیف کر دیا ہے تو ان تمام جامعین اور اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کرنے والے دوسرے افراد کو کیا کہا جائے گا۔ پھر ان کی نسبت بھی یہی تصور کرنا چاہیے۔ جب کہ ان میں سے سب سے زیادہ افراد یقیناً جلالت شان اور ورع وتقویٰ وغیرہ میں علامہ سیّد رضی سے بالاتر نہیں معلوم ہوتے۔ اب اگر ان سب کی نسبت یہی خیال کیا جائے تو خیر علامہ سیّد رضی تو اشعر الطالبین تھے اور کتبِ سیر انہیں خود ادبیت اور فصاحت وبلاغت میں معراجِ کمال پر ظاہر کرتی ہیں، مگر ان میں سے ہر شخص کی نسبت تو یہ تصوّر قطعی غلط ہے کہ وہ سب علامہ سیّد رضی ہی جیسی ادبی حیثیت کے حامل تھے پھر ایسے مختلف المرتبہ اشخاص کی ذہنی کاوشوں اور قلمی ثمرات میں اتنا ہی فرق کیوں نہیں ہے جو خود ان اشخاص کے مبلغِ علمی میں یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ اشخاص کہ جو کلام کے جمع کرنے والے ہیں۔ ان میں آپس میں زمین وآسمان کا فرق اور کلام جو انہوں نے جمع کیا ہے وہ سب ایک ہی مرتبہ، ایک ہی شان کا اسے دیکھتے ہوئے سوائے ایسے شخص کے جو جان بوجھ

کرحقیقت کے انکار کرنے پر تلا ہوا ہو اور کسی کو اس میں شک وشبہ بھی باقی نہیں رہ سکتا کہ ان اشخاص کا کارنامہ صرف جمع وتالیف ہی ہے۔ جس میں ان کے سلیقہ اور ذوق کا اختلاف فقط شانِ ترتیب اور عنوان تالیف میں نمودار ہوتا ہے، لیکن اصل کلام میں ان کی ذاتی قابلیت، ذہانت اور مبلغِ علمی اور معیارِ ادبی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہے۔

نواں امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا افراد اگر چہ اپنے زمانۂ حیات کے کچھ حصّوں میں علاّمہ سیّد رضی سے متحد ہیں، مگر ان سے متعدد افراد کے سال وفات کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ ان کا زمانہ جمع وتالیف نہج البلاغہ سے موخر ہے اور اس کے بعد ایک ایسا طبقہ ہے جو بالکل علاّمہ سید رضی سے موخر ہی ہے۔ جیسے ابنِ ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ، سبط ابنِ جوزی متوفّی ۶۰۶ھ اور اس کے بعد بہت سے مصنفین۔ ظاہر ہے کہ علاّمہ سید رضی کی کتاب نہج البلاغہ گوشۂ گمنامی میں اور ان لوگوں سے مخفی نہ تھی۔ ان لوگوں کا محرک اس جمع و تالیف پر صرف یہ تھا کہ علاّمہ سیّد رضی نے انتخاب سے کام لیتے ہوئے یا ماخذوں کی کمی سے یا ان نسخوں کے کرم خوردہ یا ناقص ہونے کی وجہ سے جو ان کے پاس تھے، بہت سے اجزاء کلام امیر المومنینؑ کے نقل نہیں بھی کیے تھے۔ اس لیے مصنّفین کو مستدرک اور مستدرک در مستدرک کی ضرورت پڑتی رہی، جس کا سلسلہ ماضی قریب میں علاّمہ شیخ ہادی آل کاشف الغطاء تک جاری رہا۔ جنہوں نے مستدرک نہج البلاغہ تحریر فرمایا۔ جو نجفِ اشرف میں طبع ہو چکا ہے۔ اگر علاّمہ سیّد رضی کے قریب العہدی ان کے بعد کے اہل قلم میں کسی کو بھی نہج البلاغہ کے مندرجہ کلمات وخطب میں یہ خیال ہوتا کہ یہ جناب رضی نے تصنیف کر کے اس میں شامل کردیئے ہیں تو وہ سب بالخصوص معاصرین جو کسی رعایت کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے، اپنی کتابوں کی وجہ تالیف میں اس کا تذکرہ ضروری سمجھتے چونکہ اس کے قبل جو کتاب امیر المومنینؑ کے خطبوں پر مشتمل کہہ کر لکھی گئی ہے۔ اس میں آپ کا اصل کلام موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ ساختہ و پرداختہ اور وضعی ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم آپ کا اصلی کلام منظرِ عام پر لائیں، جب کہ ایسا نہیں ہوا اور یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ان سب کے نزدیک علاّمہ سیّد رضی نے جو کلام جمع کیا، وہ بلا شبہ کلام امیر المومنینؑ کی حیثیت سے اس کے پہلے سے مدون و متداول تھا اور ان کو سیّد رضی سے شکایت صرف بعض خطبوں کو چھوڑ دینے یا احاطہ و استغفار نہ کرنے یا شان ترتیب وعنوان تالیف میں کسی مناسب تر صورت کو اختیار کرنے ہی کی تھی، جس کے لیے انہوں نے بھی اس بارے میں کوشش

ضروری سمجھی، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور ممکن ہے کہ بعض مصنفین اب بھی کسی خاص ترتیب سے نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب کے متمنی ہوں۔ یہ دوسری چیز ہے اور اصل کلام کے بارے میں کسی شک وشبہ کا رکھنا دوسری چیز ہے۔

دسواں امر یہ ہے کہ تلاش کی جاتی ہے تو نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب و اقوال کا پتہ۔ اب بعینہ الفاظہا نہج البلاغہ کے قبل تالیف شدہ کتابوں میں مل جاتا ہے اور جب کہ اکثر حصہ اس کا قبل کی کتابوں میں مندرج موجود ہے تو تھوڑا سا حصہ اگر دستیاب نہ بھی ہو تو ایک معتدل ذہن میں اس سے کوئی شک و شبہ پیدا نہیں ہوسکتا، جب کہ یہ معلوم ہے کہ دنیا میں مختلف حوادث کے ذیل میں کتابوں کے اتنے ذخیرے تلف ہوئے ہیں جو اگر موجود ہوتے تو یقیناً موجودہ ذخائر سے بدرجہا زیادہ ہوتے۔ خود تاریخ نے کلامِ امیرالمومنینؑ کے جن جمع شدہ ذخیروں کا پتہ علّامہ سیّد رضی سے قبل ہم تک پہنچادیا ہے۔ وہ سب اس وقت کہاں موجود ہیں؟ اس لیے اگر بعض مندرجات رائج الوقت کتابوں میں نہیں بھی ملتے تو ذہن یہی فیصلہ کرتا ہے کہ ان کتابوں میں موجود ہوں گے، جن تک ہماری اس وقت دسترس نہیں ہے۔ نہج البلاغہ کے مندرجات کے ان احوال کو پہلے علّامہ شیخ ہادی کاشف الغطاء نے ''مستدرک نہج البلاغہ'' کے اثنائے تالیف ہی میں ''مدارنہج البلاغہ'' کے نام سے مرتب کیا تھا، جو غالباً مکمل شائع نہیں ہوا ہے اور ایک قابلِ قدر کوشش رامپور کے ایک سنی فاضل عرشی صاحب نے کی ہے، جو ''فاران'' کراچی میں مقالہ کی صورت میں شائع ہوئی ہے اور مزید تلاش کی جائے تو اس سلسلہ میں مزید کامیابی کا بھی امکان ہے۔

گیارہواں امر یہ ہے کہ محققین علمائے شیعہ کا رویہ دیکھا جائے تو وہ ہر اس کتاب یا مجموعہ کو جو معصومین میں سے کسی کی طرف منسوب ہو بلاچوں و چرا اس لیے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوجاتے کہ وہ معصومین کی جانب منسوب ہے بلکہ وہ پوری فراخ حوصلگی کے ساتھ محققانہ فریضہ کو انجام دیتے ہوئے اگر وہ قابلِ انکار ہوتا ہے تو کھل کر اس کا انکار کردیتے ہیں اور اگر مشکوک ہوتا ہے تو شک وشبہ کا اظہار کردیا کرتے ہیں اور اس طرح بہت سے وہ ذخیرے جو کلامِ معصومین کے نام سے موجود ہیں مقامِ اعتبار میں مختلف درجے اختیار کرچکے ہیں مثلاً دیوان امیرالمومنینؑ بھی تو بطور علیؑ ہی رائج ہے مگر علماء شیعہ بلارو رعایت اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اس سے ذرا بالاتر درجہ تفسیر امام حسن عسکریؑ کا ہے۔ حالانکہ وہ شہرت میں تقریباً نہج البلاغہ سے کم نہیں ہے اور شیخ صدوق ایسے بلندمرتبہ

قدیم محدث نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر اکثر علمائے شیعہ اسے تسلیم نہیں کرتے، یہاں تک کہ ہمارے قریبی دور کے محقق علامہ محمد جواد بلاغی نے ایک پورا رسالہ اس کے غلط ہونے کے اثبات میں لکھ دیا ہے۔ ''فقہ الرضا'' امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے مگر اس کے اعتبار اور عدم اعتبار کی بحث ایک مہتم بالشان علمی مسئلہ بن گئی ہے۔ جس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح جعفریات اور امام رضا علیہ السلام کا ''رسالہ ذہبیہ'' وغیرہ کوئی نقد و بحث سے نہیں بچا ہے۔ اس روّیہ کے باوجود سیّد رضی کے بعد سے اس وقت تک کسی دور میں بھی کسی شیعہ عالم کا نہج البلاغہ کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اور اس میں ذرّہ بھر بھی شک وشبہ کا اظہار نہ کرنا اس کا ثبوت قطعی ہے کہ ان سب کی نظر میں اس کی حیثیت ان تمام مجموعوں سے ممتاز اور جداگانہ ہے۔ نہج البلاغہ کے ہم پلّہ اس حیثیت سے اگر کوئی کتاب ہے تو وہ صرف ''صحیفۂ کاملہ'' ہے جو اسی طرح مسلّم طور پر امام زین العابدین علیہ السّلام کے کلام کا مجموعہ ہے اور کوئی کتاب اِس ذیل میں ان دونوں کے ہم مرتبہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ کا نتیجہ یہ ہے کہ علامہ سیّد رضی کے بعد تقریباً دوڈھائی سو برس تک نہج البلاغہ کے خلاف کوئی آواز اٹھتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی بلکہ متعدّد علمائے اہل سنت نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے ابوالحسن علی ابن ابی القاسم بیہقی متوفّی ۵۶۵ھ امام فخر الدین متوفّی ۶۰۶ھ ابن ابی الحدید متوفّی ۶۵۵ھ علامہ سعد الدین تفتازانی وغیرہ غالباً انہیں علمائے اہلِ سنّت کے شروح وغیرہ لکھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام میں نہج البلاغہ کا چرچا پھیلا اور اس کے ان مضامین کے بارے میں جو خلفا ثلاثہ کے بارے میں ہیں۔ اہلِ سنّت میں بے چینی پیدا ہوئی اور اب آپس میں بحثیں شروع ہوگئیں اور اس کی وجہ سے علماء کو اپنے اصول عقائد سنبھالنے کے لیے اور عوام کو تسلّی دینے کے لیے نہج البلاغہ کے بارے میں شکوک وشبہات اور رفتہ رفتہ انکار کی ضرورت پڑی، چنانچہ سب سے پہلے ابنِ خلکان متوفّی ۶۸۱ھ نے اس کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور علامہ سیّد مرتضٰی کے حالات میں یہ لکھا کہ:

قداختلف الناس فی کتاب نہج البلاغة المجموعة من کلام علی ابن ابی طالبؑ هل هو جمعه اواخوه الرضی و قد قیل انه لیس من کلام علی ابن ابی طالبؑ و انما الذی جمعه و نسبه الیه هو الذی وضعه واللّٰه اعلم.

لوگوں میں کتاب نہج البلاغہ کے بارے میں جو امیرالمومنین ابن ابی طالبؑ کے کلام کا مجموعہ ہے اختلاف ہے کہ وہ انہی (سیّد مرتضٰی) کا جمع کردہ ہے یا ان کے بھائی سیّد رضی کا اور بعض کہتے ہیں کہ

یہ جنابِ امیرؑ کا کلام ہی نہیں ہے، بلکہ جسے جامع سمجھا جاتا ہے، اسی کی یہ تصنیف ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ نہج البلاغہ کے بارے میں اختلافی آواز ڈھائی صدی کے بعد بھی نہج البلاغہ کے تالیف کے مرکز یعنی بغداد یا ملک عراق کے کسی شہر سے بلند نہیں ہوئی بلکہ مغربی مملکت جہاں بنی امیہ کی سلطنت تھی اور قیروان وقرطبہ میں جس سلطنت کے زیر اثر علماء کی پرورش ہورہی تھی وہاں ابن خلکان مغربی کی زبان سے یہ آواز بلند ہورہی تھی یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جنہیں اختلف الناس کہا جارہا ہے یہ مسلمان دارالخلافہ کے کوئی ذمہ دار افراد نہیں ہیں ورنہ اختلف العلماء، اختلف المحققون، اختلف الادباء ایسے کوئی وقیع الفاظ درج کئے جاتے بلکہ یہ الناس اموی سلطنت کے پروردہ کے پروردہ مملکت مغربیہ کے سنّی عوام ہیں جنہیں یہ خبر تک نہیں ہے کہ یہ کتاب سیّد رضی کی جمع کردہ ہے یا سیّد مرتضیٰ کی اور یہ جناب ابن خلکان کا تقیہ ہے کہ وہ خود اپنی اطلاعات کو جو اس کتاب اور اس کے جامع کے بارے میں یقیناً ان کو تھی، پیش نہیں کرتے بلکہ عوام کے جذبات کی تسلی کے لیے خود انہیں عوام کے اختلافات کی ترجمانی کردینا مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ اسے سیّد مرتضیٰ کا جمع کردہ کہتے ہیں اور بعض سیّد رضی کا اور خود ان کے ضمیر کا فیصلہ پہلے آجاتا ہے کہ جمع کرنے والا کوئی بھی ہو، لیکن ہے وہ کلامِ امیرالمومنینؑ ہی کا اور پھر عوامی جذبات کو دھچکا پہنچنے کے اندیشے سے وہ بعض ان متعصب مجہول الاسم والرسم اشخاص کے اس عذر کو جو اس کے مضامین کے تسلیم کرنے سے گریز کے لیے وہ مقامِ مناظرہ میں پیش کرتے تھے کہ ہم اسے کلام علیؑ ہی تسلیم نہیں کرتے وہ قیل کہہ کے ذکر کردیتے ہیں کہ بعض ایسا کہتے ہیں کہ یہ امیرالمومنینؑ کا کلام ہے ہی نہیں بلکہ جس نے جمع کیا ہے اسی نے اس کو تصنیف کردیا ہے۔ یہ خود قیل اس قول کے ضعف کے لیے کافی تھا لیکن خود ان کا ضمیر اس قیل سے چونکہ مطمئن نہیں لہٰذا آخر میں واللہ اعلم کہہ کر وہ اس میں مزید شک وشبہ کا اظہار کردینا چاہتے ہیں۔ اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن خلکان اس بارے میں اپنے فیصلے کو ماحول کے دباؤ سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور وہ صرف عوام کی باہمی چہ میگوئیوں کا تذکرہ کرکے اپنا دامن بچالے جانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تشکیک کا علمی دنیا میں کوئی وزن ہی نہیں مانا جاسکتا۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ اگر چہ علامہ ابن خلکان نے اپنے ضمیر کی تحریک سے بہت حد تک اپنے کو نہج البلاغہ کے انکار کی ذمہ داری سے بچایا تھا مگر ان کے ان الفاظ نے بعد والے میدان مناظرہ کے پہلوانوں کو آسانی سے یہ داؤں بتادیا کہ وہ نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین ہونے

کا انکار کردیں۔ چنانچہ اس کے ایک صدی کے بعد ذہبی نے جو اپنے دور کے انتہائی متعصب شخص تھے، یہ جرأت کی کہ وہ اس شک کو یقین کا درجہ دے دیں اور انہوں نے سید مرتضیٰ کے حالات میں لکھ دیا کہ من طالع کتابه نهج البلاغه جزم بانه مکذوب علی امیر المومنینؑ نفیه السّب الصریح بل حط علی السیدین ابی بکر وعمر۔

جو شخص ان کی کتاب نہج البلاغہ کو دیکھے وہ یقین کرسکتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی طرف اس کی نسبت بالکل جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ اس میں کھلا ہوا سب وشتم اور ہمارے دونوں سرداروں ابو بکر وعمر کی تنقیص ہے۔

اب آپ ذرا اس عجیب رفتار کو دیکھئے کہ تالیف نہج البلاغہ سے دو ڈھائی سو برس بعد یعنی ابن خلکان کے عہد تک تو اختلاف یا شک وشبہ کا بھی نہج البلاغہ کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ اس کے بعد ابن خلکان ملک مغرب میں بیٹھ کر عوام الناس کے اختلاف کا اس بارے میں اظہار کرتے ہیں کہ یہ سید مرتضیٰ کی جمع کردہ کتاب ہے یا سید رضی کی۔ اور ایک ضعیف قول اس کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی نسبت امیر المومنینؑ کی جانب غلط ہے اور پھر واللہ اعلم کہہ کر اس تغلیط کو مشکوک کرتے ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ قرب عہد کی وجہ سے پھر بھی ذرائع اطلاع زیادہ ہوسکتے تھے اور اس کے ایک صدی کے بعد ذہبی پہلے تو بیک گردش قلم اس اختلاف کو جو جامع کے بارے میں تھا، ختم کرکے اسے سید مرتضیٰ کا کارنامہ قرار دے دیتے ہیں اور پھر اس شک کو یقین کا درجہ دے کر یہ کہتے ہیں کہ جو بھی نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے وہ ایسا ہی یقین کرے گا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے وقت تک تین سو برس میں گویا کسی نے اس کتاب کا مطالعہ ہی نہ کیا تھا یا انہیں کوئی ایسی عینک ملی ہے جو اس کے پہلے کسی کے پاس نہ تھی اور اب وہ اسی عینک سے اپنے دور کے بعد ہر شخص کو نہج البلاغہ کے مطالعہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ عینک کیا ہے اسے خود اپنے آخر کلام میں درج کردیتے ہیں۔ علمی حیثیت سے اصول روایت کے لحاظ سے تنقیدی قوانین کے پیش نظر انہیں چاہئے تھا کہ اس کی نسبت غلط ہونے کے ثبوت میں امیر المومنینؑ کا وہ مسلّم کلام پیش کرتے جو سید رضی کے علاوہ دوسرے مستند ماخذوں سے ان کے نزدیک مسلّم ہوتا اور وہ سید رضی کے مندرجہ مضامین سے مختلف ہوتا۔ خود سید رضی کے زمانہ والے مصنفین کے انتقادات کا حوالہ دیتے کہ انہوں نے بھی اسے غلط قرار دیا ہے۔ اس تین سو برس کی مدت میں دوسرے علماء وناقدین نے جو کچھ اس کی ردّ وقدح کی ہوتی اسے پیش کرتے مگر ان کے

حبیب و دامن تحقیق میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے۔ ان کی دلیل اس نسبت کے یقینی طور پر جھوٹ ہونے کی صرف یہ ہے کہ اس میں ان کے سرداروں کی تنقیص ہے۔ کیا علمی دنیا میں اس دلیل کی کوئی قیمت ہوسکتی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے۔ جیسے قرآن نازل ہونے کے چند صدی بعد کوئی طبقہ مشرکین کا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے صرف اس لیے انکار کرے کہ اس میں ان کے الٰہہ کے خلاف تنقیض ومذمت کی آیتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو اپنے جذبات کا تابع بنا کر اگر جانچا جائے۔ تو کوئی حقیقت باقی ہی نہیں رہ سکتی لو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السموات والارض۔ اس دروازہ کے کھل جانے کے بعد تمام اصول روایت ودرایت معطل وبیکار ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر عقیدہ اور خیال کا انسان پھر ہر قوی سے قوی نص کو صرف اس بنا پر رد کردے گا کہ وہ اس کے عقیدہ اور خیال کے خلاف ہے۔ جہاں تک خلفائے ثلاثہ کے مقابل میں شیعوں کے استدلال کا تعلق ہے وہ احادیث رسولؐ یہاں تک کہ صحاح ستہ میں درج شدہ اخبار واحادیث سے بھی اس میں تمسک کرتے ہیں اور نہج البلاغہ کے مندرجات سے کچھ کم وہ احادیث پیغمبرؐ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ محتاط اور علمی اصول کے کسی حد تک پابند علماء اہل سنت کا یہ طریقہ رہا کہ وہ ان احادیث کے مضامین ومطالب کے تاویلوں سے ہمیشہ کام لیتے رہے اور بالکل ان احادیث کے انکار کی جرأت نہیں کی۔ مناظرانہ ضرورتوں سے انکار نصوص کا یہ رجحان جس کا مظاہرہ ذہبی نے کیا ہے یہ بڑھتے بڑھتے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے زمانہ میں یہاں تک آیا کہ شروع شروع عیسائی مبلغین سے مناظرہ میں انہیں وفات مسیحؑ کے خیال کو پیش کرنے کی ضرورت ہوئی۔ صرف اس جذبہ کے ماتحت کہ جناب عیسیٰؑ کی یہ ایک طرح کی فضیلت عیسائی پیش کرتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں، لہٰذا اس کو ختم کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس مناظرانہ ترکیب کو اصل قرار دیا اور پھر جو اسلامی نصوص اور متفق علیہ احادیث اس بارے میں تھے۔ ان سب کا انکار کردیا اور آخر میں خود ان کے دعوائے مسیحیت کے لئے ایک راستہ بن گیا۔ یہی جذبہ ترقی کر کے اب اہل قرآن کے ہاتھوں، جن کی نمایندگی طلوع اسلام وغیرہ کررہے ہیں، یہاں تک پہنچا ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ طبری اور دوسرے مفسرین اور مورخین سب کے یہاں کچھ نہ کچھ شیعوں کے موافق باتیں موجود ہیں۔ اس لیے کلیۃً احادیث تفاسیر اور تواریخ کے اعتبار پر انہوں نے ضرب لگادی ہے اور ان سب کے انکار کی یہی بنیاد ہے کہ ان لوگوں نے شیعوں کے موافق چیزیں درج کی ہیں۔ لہٰذا یہ سب جھوٹ ہے جو عمارت ایک غلط اساس پر قائم کی جاتی ہے، اس کا آخری انجام یہی ہوتا ہے۔

کاش ، یہ لوگ حقیقت کو صرف حقیقت کے اعتبار سے دیکھتے اور پھر اپنے جذبات کو اس کے ماتحت لانے کی کوشش کرتے جو ایک عام مسلمان کا فریضہ ایمانی ہے۔ چہ جائیکہ وہ افراد جو اپنے کو علماء اسلام قرار دیتے ہوں یا دنیا میں اس حقیقت سے متعارف ہوں۔

اس کے بعد کی صدیوں میں یہ دروازہ پاٹوں پاٹ کھل ہی گیا تھا۔ چنانچہ اب تو مناظرہ کے میدان کا یہ بہت ہی عام ہتھیار بن گیا کہ جب نہج البلاغہ کا کوئی کلام پیش ہوتو اسے غلط کہہ دیا جائے۔ اسکے بعد پھر موجودہ دور میں تو اور بھی بہت سے جذبات کارفرما ہوگئے ہیں۔ مثلاً تجدد پسند طبقے کا یہ رجحان کہ عورت ہر بات میں مرد کے برابر ہے، جب نہج البلاغہ کے مندرجات سے مجروح ہوتا ہے تو اس جذبہ کے تحفظ کے لیے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں عورتوں کی تنقیص ہے اور موجودہ سائنس سے اس کے نظریات کو ٹکراتے ہوئے دیکھا جاتا ہے تو سائنس کو اصل قرار دے کر اس کا انکار کردیا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام ہو۔ کبھی اس جذبہ کے ماتحت کہ اس میں ان علوم وفنون کی حقیقتوں کا اظہار ہے جسے بعد والے اپنے وقت کا کارنامہ سمجھتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کلام بعد کی پیداوار ہے۔ اس لیے کہ اس وقت عرب میں یہ علوم وفنون تھے ہی نہیں۔ یہاں تک کہ کسی ایک لفظ مثلاً سلطان بمعنی بادشاہ کو حادث قرار دے کر اس لفظ کے استعمال کو نہج البلاغہ میں اس کی دلیل بنایا جاتا ہے کہ یہ جناب امیرؑ کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔ حالانکہ یہ سب باتیں صرف اپنی خواہشوں کے تکمیل کا ایک بہانہ ہیں اور اپنے مزعومات کو اصل قرار دے کر حقیقتوں کو ان کا تابع بنالینے کا کرشمہ ہے۔ قرآن مجید میں درج حقائق کب ایسے ہیں جو اس وقت کے عربوں کو معلوم ہوں اور احادیث رسولؐ کے بہت سے معارف کب اس وقت کی دنیا کو معلوم تھے جو باب مدینۃ العلم کے اقوال میں کچھ ایسے علوم وفنون کے انکشاف پر تعجب کیا جائے ، جن کو اس وقت کی دنیا کو خبر نہ تھی۔ ہر لفظ جس کے لئے کسی قدیم عربی شعر کو سند میں پیش کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شعر سے پہلے اس کے ماخذ کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔ ورنہ اس شعر کو ہم سند ہی قرار دینے کی کیوں زحمت محسوس کرتے، تو کیا اس تصور کو حقیقت قرار دے کر اس کے پہلے یہ لفظ کہیں نہیں ہے ، ہم اس شعر کا انکار کردیں گے یا صحیح طریقہ یہ ہوگا اور یہی اصول معمول بہ ہے کہ اس شعر میں اس لفظ کے وجود سے ہم خود یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس لفظ کا زبان عرب میں رواج تھا۔ اسی طرح ہم آخر لفظ سلطان میں یہ اصول کیوں اختیار کرتے ہیں کہ ہم اپنے اس مزعومہ کو وحی منزل

قرار دیں کہ یہ لفظ حادث ہے اور کلام عرب میں موجود نہ تھی۔ خود جناب امیر علیہ السلام کے کلام میں اس کا وارد ہونا اس کا ثبوت کیوں نہ ہو کہ یہ لفظ چاہے عام اکثریت کی زبان پر جاری نہ ہو، لیکن وہ کلیۃً مفقود نہیں تھی اور اس کا شاید یہی کلام امیر المومنینؑ کیوں قرار نہ پائے۔ پھر السلطان کو لفظی طور پر بمعنی مَلِک قرار دینے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ وہ بمعنی مصدری یعنی حکومت واقتدار اور غلبہ یقینی موجود تھا اور قرآن مجید میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ ذریعہ غلبہ ہونے ہی کی بنا پر دلیل کو سلطان کہا گیا ہے جس طرح اسی اعتبار سے اس کو حجت کہا جاتا ہے اور یہی معنی مصدری بعد میں اسمی شکل اختیار کر کے بمعنی ملک ہو گئے ہیں تو اس میں کیا دشواری ہے کہ اذاتغیر السلطان تغیر الزمان میں ہم السلطان کو حاکم کے معنی میں نہیں، بلکہ حکومت واقتدار کے معنی میں لیں، جو ہماری زبان میں بھی بمعنی حاکم برابر رائج ہے۔ لفظی طور پر یہ معنی نہ کہیں کہ جب بادشاہ بدلتا ہے تو زمانہ بدل جاتا ہے بلکہ یہ معنی کہیں کہ جب اقتدار بدلتا ہے تو زمانہ میں بھی تغیر ہو جاتا ہے۔ نتیجہ وہی ایک ہے مگر وہ ہمارا مزعومہ بھی اگر ہمیں بہت عزیز ہو تو اس صورت میں محفوظ رہتا ہے۔ غرض یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں، جو کسی اصول روایت ودرایت پر منطبق نہیں ہوتیں۔ خلفاء کے بارے میں نہج البلاغہ میں ہرگز کوئی ایسی سخت بات نہیں ہے جو دوسری کتابوں میں موجود نہ ہو اور جناب امیر علیہ السّلام کے ان رجحانات کے مطابق نہ ہو، جو مسلّم الثُّبوت حیثیت سے دوسرے کتب اہلِ سنّت میں بھی موجود ہیں۔ ایسی صورت میں اس قسم کے الفاظ کا حضرت کی زبان پر آنا تو اس کا ثبوت ہے کہ وہ آپ کا کلام ہے۔ ہاں اگر آپ کے واقعی رجحانات کے خلاف اس میں الفاظ ملتے تو اس پر تو غور کرنے کی بھی ضرورت ہوتی کہ وہ کس بنا پر ہیں یا انہیں کسی مجبوری کا نتیجہ قرار دینا پڑتا جیسے بعض علماء کے خیال کے مطابق لله بلاء فلان والا خطبہ یہی نوعیت رکھتا ہے۔ مگر وہ کلام جو اپنے متکلّم کے خیالات کا نمایاں طور پر آئینہ بردار ہو اسے کسی حیثیت سے اس متکلم کی طرف نسبت صحیح ماننے میں تامّل کا کوئی سبب ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ابنِ خلکان کے اس اظہارِ تذبذب اور ذہبی کے اس جسارت انکار کے پھر بھی منصف مزاج اور حقیقت پسند علماء و محققین بلاتفریق مذہب ملّت نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلامِ امیر المومنینؑ مانتے رہے اور اس کا اظہار کرتے رہے جن میں سے کچھ افراد کا جو سرِ دست پیشِ نظر ہیں ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- علامہ شیخ کمال الدین محمد ابن طلحہ قریشی شافعی متوفّی ۶۵۲ھ اپنی کتاب ''مطالب السؤل فی

مناقب آل الرّسول" میں جو لکھنؤ میں بھی طبع ہو چکی ہے۔ علوم امیرالمومنینؑ کے بیان میں لکھتے ہیں:

و رابعها علم البلاغة و الفصاحة و كان فيها اماما لا يشق غباره و مقدما لا تلحق اثاره و من وقف على كلامه المرقوم الموسوم بنهج البلاغة صار الخبر عنده عن فصاحة عيانا و الظن بعلو مقامه فيه ايقاناً۔

چوتھے علم فصاحت و بلاغت آپ اس میں امام کا درجہ رکھتے تھے جن کے قدم تک بھی پہنچنا ناممکن ہے اور ایسے پیشرو تھے، جن کے نشانِ قدم کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور جو حضرت کے اس کلام پر مطلع ہو جو نہج البلاغہ کے نام سے موجود ہے اس کے لیے آپ کی فصاحت کی سماعی خبر مشاہدہ بن جاتی ہے اور آپ کی بلندی مرتبہ کا اس باب میں گمان یقین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

النوع الخامس فی الخطب و المواعظ مما نقلته الرواة وردته الثقات عنه عليه السلام قد اشتمل كتاب نهج البلاغة المنسوب اليه علىٰ انواع من خطبه و مواعظه الصادعة باوامرها و نواهيها المطلعة انوار الفصاحة و البلاغة مشرقة من الفاظها و معانيها الجامعة حكم عيون علم المعانی و البيان علىٰ اختلاف اساليبها۔

پانچویں قسم ان خطب اور مواعظ کی شکل میں ہے، جس کو راویوں نے بیان کیا ہے اور ثقات نے حضرت سے ان کو نقل کیا ہے اور نہج البلاغہ کتاب جس کی نسبت حضرت کی طرف دی جاتی ہے وہ آپ کے اپنے اوامر و نواہی کو مکمّل طور پر ظاہر کرتے اور فصاحت و بلاغت کے انوار کو اپنے الفاظ و معانی کے اصول اور اسرار کو اپنے مختلف اندازِ بیان میں ہمہ گیر صورت سے ظاہر کرتے ہیں۔

اس میں مندرجات نہج البلاغہ کو معتبر و ثقہ راویوں کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے یقینی طور پر کلام امیرالمومنینؑ تسلیم کیا ہے۔ ایک جگہ جو منسوب کی لفظ ہے۔ اس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ وہ بحیثیت مجموعی کتاب بشکل کتاب سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کتاب امیرالمومنینؑ کی جمع کردہ نہیں ہے۔ کتاب تو حقیقتاً سیّد رضی ہی کی ہے مگر عوام مجازی طور پر یا ناواقفیت کی بنا پر یونہی کہتے ہیں کہ یہ امیرالمومنینؑ کی کتاب ہے۔ یہ نسبت اس کلام کے لحاظ سے دی جاتی ہے جو اس کتاب میں درج ہے اور اسی لیے اس محل پر علاّمہ ابنِ طلحہ نے منسوب کی لفظ صرف کی ہے جو بالکل درست ہے اس سے اصل کلام کے بارے میں ان کے وثوق و اطمینان کو کوئی دھچکا نہیں پہنچتا۔

۲- علامہ ابوحامد عبدالحمید ابن ہبۃ اللہ المعروف بابن ابی الحدید مدائنی بغدادی متوفی ۶۵۵ھ جنہوں نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے وہ حضرت امیر علیہ السلام کے فضائلِ ذاتیہ میں فصاحت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اما الفصاحة فهو امام الفصحاء و سيّد البلغاء و عن كلامه قيل دون كلام الخالق و فوق كلام المخلوقين ومنه تعلّم النّاس الخطابة و الكتابة.

آپ کی فصاحت کا یہ عالم ہے کہ آپ فصحاء کے امام اور اہلِ بلاغت کے سرگروہ ہیں،آپ ہی کے کلام کے متعلّق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے اور آپ ہی سے دنیا نے خطابت وبلاغت کے فن کو سیکھا۔

اس کے بعد عبدالحمید بن یحییٰ اور ابن نباتہ کے وہ اقوال درج کیے گئے ہیں،جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں پھر لکھا ہے:

و لما قال محقن ابن ابی محقن لمعاوية جئتک من عند اعمي الناس قال له ويحک كيف يكو ن اعمي الناس فو الله ما سنّ الفصاحة لقريش غيره و يكفى هذا الكتاب الذى نحن شارحوه دلالة علىٰ انه لايجارى فى الفصاحة و لايجارى فى البلاغة.

اور جب محقن بن ابی محقن (خوشامد میں) نے معاویہ سے کہا کہ میں سب سے زیادہ گنگ شخص کے پاس سے آیا ہوں معاویہ نے کہا کہ وائے ہوتم پر وہ گنگ کیونکر کہے جاسکتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم فصاحت کا راستہ قریش کو سوا ان کے کسی اور نے نہیں دکھایا ہے اور یہی کتاب جس کی ہم شرح لکھ رہے ہیں اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ حضرت فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کوئی آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا اور بلاغت میں آپ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ مذکور دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

ان كثيرا من فصوله داخل فى باب المعجزات المحمدية لاشتمالها على الاخبار الغيبية وخروجها من وسع الطبيعة البشريه.

اس کتاب کے اکثر مقامات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ کہے جاسکتے ہیں۔اس لیے کہ وہ غیبی خبروں پر مشتمل ہیں اور انسانی طاقت کے حدود سے باہر ہیں۔

حالانکہ علامہ ابن ابی الحدید اپنے معتقدات میں جو شیعیت کے خلاف ہیں پورے راسخ ہیں اور

اس لیے نہج البلاغہ میں جہاں جہاں ان کے معتقدات کے خلاف چیزیں ہیں ان کو کافی زحمت در پیش ہوئی ہے، مگر اس کے باوجود کسی ایک مقام پر بھی وہ اس شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتے کہ یہ شاید امیرالمومنینؑ کا کلام نہ ہو۔ بلکہ خطبہ شقشقیہ تک جو سب سے زیادہ ان کے جذبات کے خلاف مضامین پر مشتمل ہے وہ اس امر کو بقوت تسلیم کرتے ہیں کہ یہ علی بن ابی طالب علیہ السّلام کا کلام ضرور ہے اور وہ اس کے خلاف ہر تصوّر کو دلائل کے ساتھ رد کردیتے ہیں، انہوں نے خطبہ ہی میں قدم المفضول علی الفاضل خدانے (معاذاللہ) کسی مصلحت سے غیر افضل کو افضل پر مقدّم کردیا اور اسی طرح خطبہ شقشقیہ وغیرہ کے تشریحات میں انہوں نے اپنے معتقدات کا اظہار کردیا ہے اور امیرالمومنینؑ کے الفاظ کو معاذاللہ آپ کے بشری جذبات کا تقاضہ قرار دیا ہے۔ یہ امور اس تصور کو ختم کردیتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب میں اس شیعہ رئیس کی خوشامد مدِ نظر رکھی ہے جس کے نام پر انہوں نے یہ شرح معنون کی تھی۔ ابن العلقمی شیعہ ضرور تھے، مگر وہ سلطنت بنی عبّاس کے وزیر تھے اور یہ کتاب دولتِ عبّاسیہ کے سقوط سے پہلے ان کے دور وزارت میں لکھی گئی ہے۔ اوّل تو اگر خوشامد مدِ نظر ہوتی تو وزیر کے بجائے خود خلیفۂ وقت کے جذبات کا لحاظ کرنا زیادہ ضروری ہوتا۔ دوسرے ظاہر ہے کہ سلطنتِ عباسیہ کے وزیر ہونے کے بنا پر خود ابنِ العلقمی بھی کھل کر ایسے شخص کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرسکتے تھے جو حکومتِ وقت کے مذہب کے موافق کوئی بات کہے نہ وہ خود ہی ایسے جذبات کا اعلانیہ اظہار کرتے تھے۔ پھر اگر ان کی خوشامد ہی پیش نظر ہوتی تو ابنِ ابی الحدید اسی کتاب میں شیعیت کا رد کیوں کرتے اور خلافت ثلاثہ کو شروع سے لے کر آخر تک بقدرِ امکان مضبوط کرنے کی کوشش کس لیے کرتے۔ ان کا یہ طرزِ عمل صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں اپنے حقیقی خیالات اور جذبات کو برابر پیشِ نظر رکھا ہے۔ وہ اگر نہج البلاغہ کی صحت میں ذرا سا شک و شبہ کا بھی اظہار کردیتے تو وہ اس سے زیادہ ابن العلقمی کے لیے تکلیف دہ نہیں ہوسکتا تھا۔ جتنا خدا کی طرف اس غلط کلام کو منسوب کرنا کہ وہ مفضول کو فاضل پر ترجیح دے دیتا ہے یا امیرالمومنینؑ کے اقوال کو معاذاللہ نفسانیت پر محمول کرنا جو خطبہ شقشقیہ وغیرہ کے شروع میں انہوں نے لکھ ڈالا ہے بلکہ ایک شیعہ کے لیے ان الفاظ کے کلام امیرالمومنینؑ ہونے سے انکار کردینا اتنا صدمہ نہیں پہنچا سکتا اور حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی اتنی بڑی توہین نہیں ہے جتنا یہ تصور کرنا کہ حضرت نے معاذاللہ حقیقت کے خلاف صرف اپنی ذاتی رنجش کی بنا پر یہ الفاظ فرما دیئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہرگز ابنِ ابی الحدید کو ابن العلقمی کی کوئی

خاطر داری اظہارِ خیالات میں پیشِ نظر نہ تھی اور اس کتاب پر ابن العلقمی نے اگر کوئی انعام دیا ہو تو یہ صرف ان کے وسعتِ صدر اور وسعتِ نظر اور تحمل کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ایک مخالفِ مذہب کے ایک علمی کارنامے کی صرف علمی کارنامہ ہونے کی بنا پر قدر کی جو کہ ان کے خود عقائد و خیالات سے متضاد مضامین پر بھی مشتمل تھا۔

۳- ابوالسعادات مبارکہ مجدالدّین ابنِ اثیر جزری، متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی مشہور کتاب ''نہایہ'' میں جو احادیث و آثار کے لغات کی شرح کے موضوع پر ہے۔ کثیر التعداد مقامات پر نہج البلاغہ کے الفاظ کو حل کیا ہے۔ ابنِ کثیر کی حیثیت فقط ایک عام لغوی کی نہیں ہے بلکہ وہ محدّث بھی ہیں۔ اگر صرف ادبی اہمیت کے لحاظ سے ان کو ان الفاظ کا حل کرنا ہی ضروری تھا تو وہ اس کو نہج البلاغہ کا نام لکھ کر درج کرتے پھر واقعہ تو یہ ہے کہ اگر اس کو وہ کلام امیرالمومنینؑ سمجھتے ہی نہ، تو انہیں اس کتاب میں جو صرف احادیث اور آثار کے حل کے لیے لکھی گئی ہے ان لغات کو جگہ ہی نہ دینا چاہیے تھی کیوں کہ اصطلاحی طور پر اثر صرف صحابہ اور ممتاز تابعین کی زبان سے نکلے ہوئے اقوال کو کہتے ہیں۔ کسی متاخر عالم کی کتاب کے الفاظ نہ حدیث میں داخل ہیں اور نہ اثر میں۔ ان کا ان الفاظ کو جگہ دینا ہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ اس کو سیّد رضی کا کلام نہیں سمجھتے بلکہ کلامِ امیرالمومنینؑ قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ کہ ان لغات کو درج کرنے میں ہر مقام پر تصریحاً وہ حدیثِ علیؑ لفظ کا استعمال کرتے ہیں، جیسے لغت جوئی میں منه حديث عليؑ یونہی فتق الاجواء وشق الارجاء میں زیادہ تر ان الفاظ کا تذکرہ حدیث علیؑ کی لفظوں کے ساتھ ہے اور کہیں پر خطبہ علیؑ ہے، جیسے لغت لوط میں فی خطبة عليؑ ولاطها بالبلة حتى لزبت ایک جگہ لغت ایم میں یہ الفاظ ہیں: كلام على مات قيّها و طال تايّمها. اسی طرح لغت اسل میں فی کلام علیؑ کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی دو ایک جگہ اور باقی تمام مقامات پر حدیث علیؑ لکھا ہے اور جو مکاتیب کے الفاظ ہیں، انہیں کتاب علیؑ کہہ کر درج کیا ہے۔ ان تمام مقامات کو استقصاء کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب ''نہج البلاغة کے استناد'' میں درج کیا ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۴- علامہ علاء الدّین قوشجی متوفّٰی ۸۷۵ھ ''شرح تجرید'' میں قولِ محقق طوسی'' افصحهم لسانا'' کی شرح میں لکھتے ہیں على مايشهد به كتاب نهج البلاغة و قال البلغاء ان كلامه دون كلام الخالق و فوق كلام المخلوق جس کی شاہد ہے۔ آپ کی کتاب نہج البلاغہ اور اہلِ بلاغت کا

قول ہے کہ آپ کا کلام خالق کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔

۵- محمد بن علی بن طباطبائی معروف بہ ابن طقطقی اپنی کتاب ''تاریخ الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ'' مطبوعہ مصر ص۹ میں لکھتے ہیں:

عدل ناس الی نہج البلاغة من کلام امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ فانّه الکتاب الّذی یتعلّم منه الحکم و المواعظ و الخطب و التوحید و الشجاعة و الزهد وعلوّ الهمّة و ادنیٰ فوائده الفصاحة و البلاغة.

حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام کا کلام ہے۔ کیوں کہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے حکم اور مواعظ اور توحید اور زہد اور علو ہمت، ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا سب سے ادنیٰ فیض فصاحت و بلاغت ہے۔

۶- علامہ محدّث ملاّ طاہر فتنی گجراتی، انہوں نے بھی ''مجمع الانوار'' ''نہایہ'' کی طرح احادیث وآثار کے لغات ہی کی شرح میں لکھی ہے اور انہوں نے بھی الفاظ نہج البلاغہ کو کلامِ امیرالمومنینؑ تسلیم کرتے ہوئے ان کی شرح کی ہے۔

۷- علامہ احمد بن منصور کازرونی اپنی کتاب مفتاح الفتوح میں امیرالمومنینؑ کے حالات میں لکھتے ہیں:

و من تامل فی کلامه و کتبه و خطبه ورسالاته علم ان علمه لایوازی علم احد و فضائله لاتشاکل فضائل احدبعد محمدصلی الله علیه وسلّم ومن جملتها کتاب نهج البلاغه.

جو حضرت کے کلام اور خطوط اور خطبوں اور تحریروں پر غور کی نگاہ ڈالے اسے معلوم ہوگا کہ حضرت کا علم کسی دوسرے کے علم کی طرح اور حضرت کے فضائل پیغمبرؐ کے بعد کسی دوسرے کے فضائل کے قبیل سے نہیں تھے۔ (یعنی بدرجہا زیادہ تھے) اور انہیں میں سے کتاب نہج البلاغہ ہے (اس کے معنی یہ ہیں کہ مصنّف کے پیشِ نظر یہ حقیقت تھی کہ حضرت کے کلام کا ذخیرہ نہج البلاغہ کے علاوہ بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے اور یہ صرف اس کا ایک جز ہے۔

و ایم الله لقد وقف دونه فصاحة الفصحاً و بلاغة البلغاء و حکمة الحکماء۔

اور خدا کی قسم آپ کی فصاحت کے سامنے تمام فصحاء کی فصاحت اور بلیغوں کی بلاغت اور حکماء روزگار کی حکمت مفلوج و معطل ہوکر رہ جاتی ہے۔

۸- علامہ یعقوب لاہوری ''شرح تہذیب الکلام'' میں افصح کی شرح میں لکھتے ہیں:

و من ازاد مشاهدة بلاغة ومسامعة فصاحته فلينظرالى نهج البلاغة ولاينبغى ان ينتسب هذا الكلام البليغ الى رجل شيعى.

جوشخص آپ کی فصاحت کو دیکھنا اور آپ کی بلاغت کو سننا چاہتا ہو وہ نہج البلاغہ پر نظر کرے اور ایسے فصیح و بلیغ کلام کو کسی شیعہ عالم کی طرف منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔

۹- علامہ شیخ احمد ابن مصطفیٰ معروف بہ طاشکبری زادہ اپنی کتاب ''شقائق نعمانیه فی علماء دولة عثمانیه'' قاضی قوام الدین یوسف کی تصانیف کی فہرست میں لکھتے ہیں۔ و شرح نهج البلاغة للامام الهمام على بن ابى طالب كرم الله تعالىٰ وجهه

۱۰- مفتی دیارِ مصریہ علامہ شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ جن کی اس سعی جمیل کے مشکور ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے مصر اور بیروت وغیرہ اہلِ سنّت کے علمی مرکزوں کو نہج البلاغہ کے فیوض سے بہرہ مند بنانے کا سامان کیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کے سبب سے اس جلیل القدر کتاب کا تعارف ہوسکا۔ انہوں نے نہج البلاغہ کو اپنی تفسیر حواشی کے ساتھ مصر میں چھپوایا۔ جس کے بہت سے ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں وہ اپنے اس مقدمہ میں جو شروع کتابت میں درج کیا ہے، اپنی اس وہشت وحیرت کا اظہار کرتے ہوئے جو نہج البلاغہ کے حقائق آگین عبارات سے ان پر طاری ہوئی ہے، تحریر کرتے ہیں: كان يخيل الى فى كل مقام ان حروباشبت وغارات شنت وان للبلاغة دولة وللفصاحة صولة وان الاوهام عرامة وللريب دعارة و ان جحافل الخطابة وكتائب الذرابة فى عقود النظام وصفوف الانتظام تنافح بالصفيح الابلج والقويم الاملج وتمثلج المهج بروائع الحجج فتفل من دعارة الوسادس وتصيب مقاتل الخوانس فما انا الاوالحق منتصر والباطل۔

''ہر مقام پر (اس کے اثنائے مطالعہ میں) مجھے ایسا تصور ہوجاتا تھا کہ جیسے لڑائیاں چھڑی ہوئی ہیں۔ بنرد آزمائیاں ہورہی ہیں۔ بلاغت کا زور ہے اور فصاحت پوری قوّت سے حملہ آور ہے۔ توہمات شکست کھارہے ہیں۔ شکوک وشبہات پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ خطابت کے لشکر صف بستہ ہیں۔ طلاقتِ لسان کی فوجیں شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں مصروف ہیں، وسوسوں کا خون بہایا جارہاہے اور توہمات کی لاشیں گررہی ہیں اور ایک دفعہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بس حق غالب آگیا اور باطل کی شکست ہوگئی اور فتح ونصرت کا سہرا اس کے علمبردار اسد اللہ الغالب علی ابنِ ابی طالبؑ کے سرہے۔

بلکہ اس کتاب کے مطالعہ میں جتنا جتنا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا۔ میں نے مناظرہ کی تبدیلی اور مواقف کے تغیّر کو محسوس کیا۔ کبھی میں اپنے کو ایسے عالم میں پاتا تھا جہاں معانی کی بلند روحیں خوشنما عبارتوں کا جامہ پہنے ہوئے پاکیزہ نفوس کے گرد چکر لگاتی اور صاف دلوں کے نزدیک آکر انہیں سیدھے راستے پر چلنے کا اشارہ کرتی اور نفسیاتی خواہشوں کا قلع قمع کرتی اور لغزش مقامات سے متنفر بنا کر فضیلت و کمال کے راستوں کا سالک بناتی ہیں اور کبھی ایسے جملے سامنے آجاتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ تیوریاں چڑھائے ہوئے اور دانت نکالے ہوئے ہولناک شکلوں میں آگے بڑھ رہے ہیں اور ایسی روحیں ہیں جو چیتوں کے پیکروں میں اور شکاری پرندوں کے پنجوں کے ساتھ حملہ پر آمادہ ہیں اور ایک دم شکار پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور دلوں کو ان کے ہوا و ہوس کے مرکزوں سے جھپٹ کر لے جاتے ہیں اور ضمیروں کو پست جذبات سے زبردستی علیٰحدہ اور غلط خواہشوں اور باطل عقیدوں کا قلع قمع کردیتے ہیں اور بعض اوقات میں میں یہ مشاہدہ کرتا تھا کہ ایک نورانی عقل، جو جسمانی مخلوق سے کسی حیثیت سے بھی مشابہ نہیں ہے، خداوندی بارگاہ سے الگ ہوئی اور انسانی روح سے متصل ہوکر اسے طبیعت کے پردوں سے اور مادیّت کے حجابوں سے نکال لیا اور اسے عالمِ ملکوت تک پہنچا دیا اور تجلیّات ربانی کے مرکز تک بلند کردیا اور لے جاکر عالمِ قدس میں اس کو ساکن بنادیا اور بعض لمحات میں معلوم ہوتا تھا کہ حکمت کا خطیب صاحبانِ اقتدار اور قوم کے اہلِ حل وعقد کو للکار رہا ہے اور انہیں صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کررہا ہے اور انہیں سیاست کی باریکیاں اور تدبّر وحکمت کے دقیق نکتے سمجھا رہا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو حکومت کے منصب اور تدبّر وسیاست کی اہلیت پیدا کرکے مکمّل بنا رہا ہے۔''

اس میں علاّمہ محمد عبدہ نے جس طرح یقینی طور پر اس کو کلامِ امیرالمومنینؑ تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اس کے مضامین کی حقانیت اور اس کے مندرجات کی سچائی کا بھی اعتراف کیا ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین حق کی فتح اور باطل کی شکست اور شکوک و اوہام کی فنا اور توہّمات و وساوس کی بیخ کنی کا سبب ہیں اور وہ شروع سے آخر تک انسانی روح کے لیے روحانیت و طہارت اور جلال و کمال کی تعلیمات کے حامل ہیں۔

علاّمہ محمد عبدہ کو نہج البلاغہ سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ اسے قرآن مجید کے بعد ہر کتاب کے مقابلہ میں ترجیح کا مستحق سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنا یہ اعتقاد بتایا ہے کہ جامعۂ اسلامیہ میں اس کتاب کی

زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونا اسلام کی ایک صحیح خدمت ہے اور یہ صرف اس لیے کہ وہ امیرالمومنینؑ ایسے بلند مرتبہ مصلح عالم کا کلام ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"لیس فی اهل هذه اللغة الا قائل بان کلام الامام علی بن ابی طالبؑ هو اشرف الکلام وابلغه. بعد کلام الله تعالیٰ و کلام نبیّه و اغزره مادة و ارفعه اسلوبا و اجمعه لجلائل المعانی فاجدر بالطالبین لنفائس اللغة و الطامعین فی التدرج لمراقیها ان یجعلوا هذا الکتاب اهم محفوظهم و افضل مأثورهم مع تفهم معانیة فی الاغراض التی جائت لاجلها و تامل الفاظه فی المعانی التی صیغت للدلالة علیها لیصیبوا بذٰلک افضل غایة و ینتهوا الیٰ خیر نهایة."

"یعنی اس عربی زبان والوں میں کوئی ایسا نہیں جو اس کا قائل نہ ہو کہ امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام کا کلام کلامِ خداوکلامِ رسول کے بعد ہر کلام سے بلندتر، زیادہ پرمعانی اور زیادہ فوائد کا حامل ہے لہٰذا زبانِ عربی کے نفیس ذخیروں کے طلّاب کے لیے یہ کتاب سب سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اسے اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم درجہ پر رکھیں اور اس کے ساتھ ان معانی ومقاصد کے سمجھنے کی کوشش کریں جو اس کتاب کے الفاظ میں مضمر ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ علاّمہ محمد عبدہ کی یہ کوشش پورے طور پر بارآور بھی ہوئی۔ ایسے تنگ نظری کے ماحول میں جب کہ علمی دنیا کا یہ افسوسناک رویّہ ہے کہ خود اہلِ سنت کی وہ کتابیں جو اہلِ بیت معصومین سے یا حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ سے متعلّق ہیں۔ انہیں زیادہ تر ایران کے شیعی مطبعوں نے شائع کیا ہے۔ مگر مصر، بیروت وغیرہ کے علمی مرکزوں نے انہیں کبھی قابلِ اشاعت نہ سمجھا۔ مثلاً سبط ابن جوزی کتب سیر میں پوری علمی جلالت سے یاد کئے گئے ہیں مگر ان کی کتاب تذکرہ صرف اس لیے سوادِ اعظم کی بارگاہ میں درخورِ اعتنا نہیں سمجھی گئی کہ اس میں اہلِ بیت رسولؐ کے حالات زیادہ ہیں اسی طرح حافظ نسائی کی ''خصائص'' وغیرہ مگر نہج البلاغہ اپنے تمام مندرجات کے باوجود جن سے سوادِ اعظم کو اختلاف ہوسکتا ہے۔ پھر بھی مصر اور بیروت کے علمی حلقوں میں پوری پوری مقبولیت اور مرکزیّت رکھتی ہے۔ اس کے مسلسل ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور مدارس اور یونیورسٹیوں کے نصابوں میں داخل ہے۔ یہ صرف ہندوستان یا پاکستان کی مناظرانہ ذہنیت اور اس کی مسموم فضا ہے کہ یہاں کے مدارس میں اکثر اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے جو خالص شیعی کتاب سے ہونا چاہیئے۔ علاّمہ شیخ محمد عبدہ نے

نہ صرف اس کتاب پر حواشی لکھ دیئے اور اسے طبع کردیا بلکہ وہ اپنی گفتگوؤں میں برابر اس کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مجلّہ "الہلال" مصر نے اپنی جلد نمبر ۳۵ کے شمارۂ اوّل بابت نومبر ۱۹۲۶ھ کے صفحہ ۸۷ پر چار سوالات علمی طبقہ کی توجہ کے لیے شائع کئے تھے۔ جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ:

ما هو انكتاب او الكتب التى طالعتموها فى شبابكم فافادتكم و كان لها اثرفى حياتكم.

یعنی وہ کونسی کتاب یا کتابیں ہیں جن کا آپ نے دورِ شباب میں مطالعہ کیا توانہوں نے آپ کو فائدہ پہنچایا اور ان کا آپ کی زندگی پر اثر پڑا۔

اس سوال کا جواب جو استاد شیخ مصطفےٰ عبدالرزّاق نے دیا ہے، وہ شمارۂ دوم بابت دسمبر ۱۹۲۶ھ کے صفحہ ۱۵۰ پر شائع ہوا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

طالعت بارشاد الاستاذ المرحوم الشيخ محمدعبده ديوان الحماسة و نهج البلاغة.

میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

عبدالسیمع انطاکی نے بھی جن کی رائے اس کے بعد آئے گی، اس کا ذکر کیا ہے کہ علامہ محمد عبدہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ انشاء پردازی کا درجہ حاصل کرلو، توامیرالمومنین حضرت علیؑ کو اپنا استاد بناؤ اور ان کے کلام کو اپنے لیے چراغ قراردو۔

موصوف کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام وکمال کا کلام ہے، اتنا نمایاں تھا کہ ان کے تمام شاگرد جو ان کے بعد سے اب تک مصر کے بلند پایہ اساتذہ میں رہے، اس حقیقت سے واقف تھے۔ چنانچہ استاد محمد محی الدین عبدالحمید مدرس کلیۃ نعتِ عربیہ، جامعہ ازہر جن کے خیالات خود ان کی عبارت میں اس کے بعد پیش ہوں گے۔ وہ اپنے شائع کردہ ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"عسيت ان تسأل رأى الاستاذ الامام الشيخ محمدعبده فى ذلك وهوالذى بعث الكتاب من مرقده و لم يكن احد اوسع منه اطلاعاً و لا ادق تفكير او الجواب علىٰ هذا تساؤل انا نعتقد انه رحمه الله كان مقتنعاً بان الكتاب كله للامام على رحمه الله۔"

یعنی ممکن ہے تم اس بارے میں استاد امام شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرنا چاہتے ہو جنہوں نے اس کتاب کو خوابِ گمنامی سے بیدار کیا اور ان سے بڑھ کر کوئی وسعتِ اطلاع اور باریکی نگاہ میں مانا بھی نہیں جاسکتا تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام وکمال امیرالمومنینؑ کا کلام سمجھتے تھے۔

علّامہ محمد عبدہ کا یہ مقدّمہ جس کے اقتباسات ہم نے درج کیے ہیں، خود دنیائے ادبیت میں کافی اہمیّت رکھتا ہے۔ چنانچہ سیّد احمد ہاشمی نے اپنی کتاب ''جواہرالادب'' حصہ اوّل میں صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ پر اسے تمام و کمال درج کردیا ہے اور اس پر عنوان قائم کیا ہے وصف نہج البلاغۃ للامام المرحوم الشیخ محمد عبدہ المتوفی ۱۳۲۲ھ۔

۱۱- ملک عرب کے مشہور مصنّف، خطیب اور انشاء پرداز شیخ مصطفیٰ غلایینی استاذ التفسیر و الفقہ و الادب العربیہ فی الکلیۃ الاسلامیہ، بیروت، اپنی کتاب ''اریج الزھر'' میں زیرِ عنوان نهج البلاغة واساليب الكلام العربی ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں:

"من احسن ماينبغی مطالعته لمن يتطلب الاسلوب العالی كتاب نهج البلاغة للامام علی رضی الله عنه و هوالكتاب الذی انشأت هذا المقال لاجله فان فيه من بليغ الكلام و الاساليب المدهشة وَ المعانی الرائقة و مناحی الموضوعات الجليلة مايجعل مطالعه اذا زاوله مزاولة صحيحة بليغا فی كتابته و خطابته و معانيه."

یعنی بہترین چیز جس کا مطالعہ بلند معیار ادب کے طلب گاروں کو لازم ہے وہ امیرالمومنین علی علیہ السّلام کی کتاب نہج البلاغہ ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس کے لیے خاص طور پر یہ مقدّمہ لکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں بلیغ کلام اور ششدر کردینے والے طرزِ بیان اور خوش نما مضامین اور مختلف عظیم الشان مطالب اپنی انشاپردازی اپنی خطابت اور اپنی گفتگو میں بلاغت کے معیار پر پورے اتر سکتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کتاب سے کثیرالتعداد افراد بلکہ اقوام نے استفادہ کیا ہے جن میں سے ایک کاتب الحروف بھی ہے۔ میں ان تمام افراد کو جو عربی کے بلند اسلوبِ تحریر کے طالب اور کلامِ بلیغ کے جویا ہوں۔ اس کتاب کے حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

۱۲- استاذ محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق نے ''الہلال'' کے چار سوالات کے جواب میں جن میں سے تیسرا سوال یہ تھا کہ ماهی الكتب التی تنصحون الشبان اليوم بقرأتها. وہ کونسی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے کی موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کو آپ ہدایت کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں لکھا ہے:

"اذا طلب البلاغة فی اتم مظاهرها و الفصاحة التی لم تشبهها عجمة فعليك بنهج البلاغة ديوان خطب اميرالمومنين علی بن ابی طالبؑ و رسائله الیٰ عماله يرجع الیٰ فصل

الانشاء والمنشئين فى كتابى" "القديم والحديث" طبع بمصر ۱۹۵۰ ه

اگر بلاغت کا اس کے مکمل ترین مظاہرات کے ساتھ مشاہدہ مطلوب ہو اور اس فصاحت کو جس میں ذرّہ برابر بھی زبان کی کوتاہی شامل نہیں ہے۔ دیکھنا ہو تو تم کو نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنا چاہیے، جو امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے خطب ومکاتیب کا مجموعہ ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "القديم الحديث"۔ مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ء فصل الانشاء والمنشؤن دیکھنا چاہیے۔

یہ جواب ''الہلال'' کی جلد نمبر ۳۵ کے شمارہ نمبر ۵ بابت ماہ مارچ ۱۹۲۷ء میں صفحہ ۵۷۲ پر شائع ہوا ہے۔

۱۳- استاد محمد محی الدين المدرس فى كلية العربية بالجامع الازهر جنہوں نے نہج البلاغہ پر تعلیقات تحریر کئے ہیں اور علاّمہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی برقرار رکھتے ہوئے بہت سے تحقیقات و شرح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامة مصر میں طبع ہوئی ہے۔ انہوں نے اس اڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدّمہ بھی تحریر کیا ہے، جس میں نہج البلاغہ کے استناد واعتبار پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ضروری اجزاء یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

" و بعد فهٰذا كتاب نهج البلاغة و هو ما اختاره الشريف الرضى ابوالحسن محمّد بن الحسن الموسوى من كلام اميرالمومنين على بن ابى طالبؑ الذى جمع بين دفتيه عيون البلاغة و فنونها و تهيائت به للناظر فيه اسباب الفصاحة و دنا منه قطانها اذ كان من كلام افصح الخلق بعد الرسول صلى الله عليه وسلم منطبقا و اشدهم اقتدار او ابرعهم حجة و املكهم لغة يديرها كيف شاء الحكيم الذى تصدر الحكمة عن بيانه و الخطيب الذى يملاء القلب سحرلسانه العالم الذى تهيّا له من خلاط الرّسول و كتابة الوحى و الكفاح عن الدين يسيفه و لسانه منذ حداثته ما لم يتهيّا لاحد سواه هذا كتاب نهج البلاغة و انا به حفى منذ طرائة السن و ميعة الشباب فلقد كنت اجد والدى كثير القرأة فيه و كنت اجد عمى الاكبر يقضى معه طويل الساعات يردد عباراته و يستخرج معانيها و يتقبل اساويه و كان لهما من عظيم التاثير علىٰ نفسى ماجعلنى اتفوا اثرهما فاحله من قلبى المحلّ الاوّل و اجعله سميرى الذى لا يمل و انيسى الذى اخلوا اليه اذا عزّ الانيس."

یہ کتاب نہج البلاغہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے کلام کا وہ انتخاب ہے جو شریف

رضی ابوالحسن محمد بن حسن موسوی نے کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے، جو اپنے دامن میں بلاغت کے نمایاں جوہر اور فصاحت کے بہترین مُرقعے رکھتی ہے اور ایسا ہونا ہی چاہیئے۔ کیوں کہ وہ ایسے شخص کا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد تمام خلق میں سب سے زیادہ فصیح البیان سب سے زیادہ قدرتِ کلام کا مالک اور قوتِ استدلال میں زیادہ اور الفاظِ لغت عربی پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والا تھا۔ کہ جس صورت سے چاہتا تھا انہیں گردش دے دیتا تھا اور وہ بلند مرتبہ حکیم جس کے بیان سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور وہ خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے۔ وہ عالم جس کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے ساتھ انتہائی روابط اور وحی کی کتابت اور دین کی نصرت میں شمشیر و زبان دونوں سے جہاد کے ابتدائی عمر سے وہ مواقع حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کو ان کے سوا حاصل نہیں ہوئے۔ یہ ہے کتاب نہج البلاغہ، اور میں اپنے عنفوانِ شباب اور ابتدائے عمر ہی سے اس کا گرویدہ رہا ہوں، کیوں کہ میں اپنے والد کو دیکھتا تھا کہ وہ اکثر اس کتاب کو پڑھتے تھے اور اپنے بڑے چچا کو بھی دیکھتا تھا کہ وہ گھنٹوں پڑھتے رہتے اس کے معانی کو سمجھتے رہتے اور اس کے اندازِ بیان پر غور کرتے رہتے اور ان دونوں بزرگواروں کا میرے دل پر اتنا بڑا اثر تھا، جس نے مجھے بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے مجبور قرار دیا جو ہمیشہ میرے لیے دلبستگی کا باعث ہے۔

اس کے بعد علامۂ مذکور نے ان اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کا رجحان یہ ہے کہ وہ اسے خود شریف رضی کا کلام قرار دیتے ہیں ان کے خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے موصوف رقم طراز ہیں کہ سب سے اہم اسباب جو اس کتاب کے کلامِ امیرالمومنینؑ نہ ہونے سے متعلق پیش کئے جاتے ہیں، صرف چار ہیں۔ پہلے یہ کہ اس میں اصحابِ رسول کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا حضرت علی علیہ السلام سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً معاویہ، طلحہ، زبیر، عمرو بن عاص اور ان کے اتباع کے بارے میں سب وشتم تک موجود ہے۔ دوسرے اس میں لفظی آرائش اور عبارات میں صنعت گری اس حد تک ہے جو حضرت علی علیہ السّلام کے زمانے میں مفقود تھی۔ تیسرے اس میں تشبیہات واستعارات اور واقعات و مناظر کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا پتہ صدرِ اسلام میں اور کہیں نہیں ملتا۔ اس کے ساتھ حکمت و فلسفہ کی اصطلاحیں اور مسائل کے بیان میں اعداد کا پیش کرنا، یہ باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔ چوتھے اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علمِ غیب کے ادّعا کا پتہ چلتا ہے، جو حضرت علیؑ ایسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

موصوف ان خیالات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں سے کسی ایک میں اور ان سب میں مجموعی طور پر بھی کوئی واقعی دلیل، بلکہ دلیل نما شکل بھی اس دعوے کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جو ان لوگوں کا مدّعا ہے بلکہ انہیں تو ایسے شکوک و شبہات کا درجہ بھی نہیں دیا جاسکتا جو کسی حقیقت کے ماننے میں تھوڑا سا دغدغہ بھی پیدا کرسکتے ہوں اور جن کے رفع کرنے کی ضرورت ہو۔ پھر انہوں نے ایک ایک کرکے ہر بات کو رد بھی کیا ہے۔ پہلی بات کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولؐ کے بعد مسئلہ خلافت میں طرزِ عمل ہی ایسا اختیار کیا گیا جس سے فطرتاً حضرت علی علیہ السّلام کو شکایت ہونا ہی چاہئے تھی اور آپ کی خلافت کے دور میں اہلِ شام نے آپ کے خلاف جو بغاوت کی، اس سے آپ کو تکلیف ہونا ہی چاہیے۔ ہر دور کے متعلق آپ کے جس طرح کے الفاظ ہیں وہ بالکل تاریخی حالات کے مطابق ہیں۔ اس لیے اس میں شک وشبہ کا کیا محل ہے۔

دوسری اور تیسری دلیل کا یہ جواب ہے کہ حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کا سا مرتبہ فصاحت اور حکمت دونوں میں کسی اور شخص کو حاصل نہیں تھا، تو پھر آپ کے کلام کی خصوصیتیں اس دور میں کسی اور کے یہاں مل ہی کیونکر سکتی ہیں۔ رہ گیا سجع و قافیہ کا التزام، وہ آپ کے یہاں اس طرح نہیں جس سے آورد ظاہر ہو یا معانی پر اس کا اثر پڑے اور اس حد تک قافیہ وغیرہ کا التزام اس دور میں عموماً رائج تھا۔

چوتھی دلیل کے جواب میں علامۂ مذکور نے جو کہا ہے، وہ ہمارے مذہبی عقائد کے بے شک مطابق نہیں ہے، مگر وہ خود ان کے نقطۂ نظر کا حامل ہے، وہ کہتے ہیں کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو حضرت علیؑ ایسے حکیم انسان سے بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا، یہ جواب انہوں نے مادی ذہنیت کے مطابق دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا کے دیئے ہوئے علم غیب کا مظاہرہ باعثِ انکار قرار دیا جائے، تو اکثر احادیثِ نبویہ بھی اس زد میں آجائیں گی اور خدا کی طرف سے علمِ غیب کا مظاہرہ تو اکثر قرآن کی آیات سے نمودار ہی ہے۔ پھر قرآن کی آیتوں کا بھی انکار کرنا چاہیے اور اگر علم الٰہی کی بنا پر ان آیات کو تسلیم کیا جائے تو اس کے عطا کردہ علم سے علیؑ جیسے عالم ربانی کے کلام میں اس طرح کی باتوں کے تذکرہ پر بھی کسی حرف گیری کا موقع نہیں ہے۔

۱۴- استاد شیخ محمد حسن نائل المرصفی نے بھی نہج البلاغہ کی ایک شرح لکھی ہے، جو دار الکتب العربیہ

سے شائع ہوئی ہے: اس کے مقدمہ میں کلمة فی اللغة العربیه کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

ولقد کان المجلّی فی هذه الحلیله علیٰ صلوات الله علیه و ما حسبنی احتاج فی اثبات هذا الیٰ دلیل اکثر من نهج البلاغة ذٰلک الکتاب الذی اقامه الله حجة واضحة علی ان علیاً رضی الله عنه قد کان احسن مثال حی لنور القران و حکمته و علمه و هدایة و اعجازه و فصاحته اجتمع لعلی فی هذا الکتاب مالم یجتمع لکبار الحکمأ و افذاذ الفلاسفة و نوابغ الربانیین من ایات الحکمة السامیه و قواعد السیاسیة المستقیمة و من کل موعظة باهرة و حجة بالغة تشهدله بالفضل و حسن الاثر خاض علی فی هذ الکتاب لجّة العلم و السیاسة و الدین فکان فی کل هذه المسائل نابغة مبرزاً.

اس میدان میں سب سے آگے حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ تھے اور اس دعویٰ کا سب سے بڑا ثبوت نہج البلاغہ ہے، جسے اللہ نے ایک واضح حجت اس کی بنایا ہے کہ علی ابنِ ابی طالبؑ قرآن کے نوراور حکمت اور علم اور ہدایت اور اعجاز اور فصاحت کی بہترین زندہ مثال تھے ان میں حضرت علیؑ کی زبان اور اتنی چیزیں یکجا ہیں، جو بڑے علماء اور یکتائے زمانہ فلاسفہ اور شہرۂ آفاق علمائے ربانیین ان سب کی زبان ملا کر بھی یکجا نہیں ملتیں۔ حکمت کی بلند نشانیاں اور صحیح سیاست کے قواعد حیرت خیز موعظہ اور موثر استدلال اس کتاب میں علی ابنِ ابی طالبؑ نے علمِ سیاست اور دین کے ہر دریا کی غواصی کی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ان میں سے ہر شعبہ میں یکتائے روزگار تھے۔

۱۵- استاد محمد الزہری الغمر اوی جنہوں نے مرصفی کی مذکورہ بالاشرح پر ایک مقدمہ تحریر کیا ہے۔ اس میں طبقات الفصحاء کے عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

”و لم ینقل عن احد من اهل هذه الطبقات مانقل عن امیرالمومنین علی ابن طالب کرم الله وجهه فقداشتملت مقالاته علی المواعظ الزهدیة و المناهج السیاسیة و الزواجر الدینیة و الحکم النفسیة و الاداب الخلقیة و الدرر التوحیدیة و الاشارات الغیبیة الردود علی الخصوم و النصائح علیٰ وجه العموم و قد احتوی علی غرر کلامه کرام الله وجهه کتاب نهج البلاغة الذی جمعه و هذبه ابوالحسن محمد بن طاهر المشهور بالشریف الرضی رحمة الله و اثابه و ارضاه.“

یعنی ان تمام طبقات کے لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی وہ کارنامہ نقل ہوکر ہم تک نہیں

پہنچا۔امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی زبانی پہنچا ہے۔ آپ کے مقالاتِ زاہدانہ مواعظ، سیاسی مسلک اور دینی ہدایات، نفیس فلسفی بیانات، اخلاقی تعلیمات، توحید کے جواہر، غیبی اشارات، مخالفین کی ردوقدح اور عمومی نصائح پر مشتمل ہے جو آپ کے کلام کے روشن اقتباسات پر مشتمل کتاب نہج البلاغہ ہے۔ جسے ابوالحسن محمد ابن طاہر مشہور بہ شریف رضی رحمۃ اللہ نے جمع کیا ہے۔

۱۶-الاستاذ عبدالوهاب حموده استاذ الادب والحديث بكلية الآداب جامعه فواد الاول مصر نے اپنے مقالہ الآراء الاجتماعيه فى نهج البلاغة. میں جو رسالۃ الاسلام، قاہرہ کے جلد ۳، عدد ۳ بابت ماہ رمضان ۱۳۷۰ھ مطابق جولائی ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے۔لکھا ہے کہ ولو اجتمع له رضى الله عنه فى كتاب نهج البلاغة مايجتمع لكبار الحكماء و افذاذ الفلاسفة و نوابغ الربانيين من ايات الحكمة السامية، قواعد السياسة المستقيمة ومن كل موعظة باهرة، و حجة بالغة و آراء اجتماعية، و اسس حربية، مما يشهد للامام بالفضل وحسن الاثر. "

ترجمہ: حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی زبان سے کتاب نہج البلاغہ میں تن تنہا وہ تمام چیزیں اکٹھا ہوگئی ہیں جو اکابر علماء اور یکتائے روزگار فلاسفہ اور سربرآوردہ علمائے ربانیین سے مجموعی طور پر یکجا کی جاسکتی ہیں۔ بلند حکمت کی نشانیاں اور صحیح سیاست کے قواعد اور ہر طرح کا حیرت خیز موعظ اور موثر استدلال اور اجتماعی تصورات یہ سب امیرالمومنینؑ کی فضیلت اور بہترین کارگزاری کا بیّن گواہ ہیں۔

۱۷- علاّمہ ابونصر پروفیسر بیروت یونیورسٹی نے اپنی کتاب علی ابن ابی طالبؑ کی فصل ۳۱ میں امیرالمومنینؑ کے آثارِ عربی میں نہج البلاغہ کا ذکر کیا ہے اور اس ذیل میں لکھا ہے کہ یہ کتاب علی ابن ابی طالبؑ کی عظیم شخصیت کی مظہر ہے۔

۱۸- قاضی علی ابن محمد شوانی صاحب نیل الادطار نے اپنی کتاب "اتحاف الاكابر باسانيد الدفاتر"۔ طبع حیدرآباد (باب النون) میں نہج البلاغہ کے لیے اپنی سند متصّل درج کرتے ہوئے لکھا ہے نهج البلاغه من كلام على رضى الله۔ یہ وہ حقیقت ہے، جس کا متعدد عیسائی محققین نے بھی اعتراف کیا ہے۔

۱- عبدالمسیح انطاکی صاحب جریدۂ "العمران" مصر، جنہوں نے امیرالمومنینؑ کی سیرت میں اپنی مشہور کتاب "شرح قصیدۂ علویہ" تحریر کی ہے اور وہ مطبع رعمسیس فجالہ، مصر میں شائع ہوئی ہے وہ اس

کے ص ۵۳ پر تحریر کرتے ہیں:

" لاجدال ان سیدنا علیاً امیرالمومنینؑ هو امام الفصحآء و استاذ البلغاء و اعظم من خطب و کتب فی حرف اهل هذه الصناعة الالبآء و هذاالکلام قد قیل فیه بحق انه فوق کلام الخلق و تحت کلام الخالق قال هذا کل من عرف فنون الکتاب و اشتغل فی صناعة التحبیر و التحریر بل هوّ استاذ کتاب العرب و معلمهم بلا مرآء فما من ادیب لبیب حاول اتقان صناعة التحریر الادبین یدیه القرآن و نهج البلاغة ذاک کلام الخالق وهذا کلام اشرف المخلوقین و علیهما یعوّل فی التحریر و التحبیراذا اراد ان یکو ن فی معاشر الکتبة المجیدین و لعل افضل من خدم لغة قریش الشریف الرضی الذی جمع خطب و اقوال و حکم و رسائل سیدنا امیرالمومنین من افواه الناس وامالیهم واصاب کل الاصابة باطلاقه علیه اسم"نهج البلاغة" و ما هذا الکتاب الا صراط المستقیم لمن یحاول الوصول من معاشر المتادِبین."

یعنی اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ سیّدنا حضرت علی امیرالمومنینؑ فصیحوں کے امام اور بلیغوں کے استاد اور عربی زبان میں خطابت اور کتابت کرنے والوں میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت ہیں اور یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں بالکل صحیح کہا گیا ہے کہ یہ کلامِ مخلوق سے بالاتر اور کلام خالقِ سے نیچے ہے۔ یہ ہراس شخص کا قول ہوگا جس نے انشاء پردازی کے فنون سے واقفیت حاصل کی ہو اور تحریر کا مشغلہ رکھا ہو بلکہ آپ بلاشبہ تمام عرب انشاء پردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی ادیب ایسا نہیں ہے جو تحریر کے فن میں کمال حاصل کرنا چاہے، مگر یہ کہ اس کے سامنے قرآن ہوگا۔ اور نہج البلاغہ کہ ایک خالق کا کلام ہے اور دوسرا اشرف المخلوقین کا اور انہیں پراعتماد کرے گا ہر وہ شخص جو چاہے گا کہ اچھے لکھنے والوں میں اس کا شمار ہو، غالباً زبانِ عربی کی خدمت کرنے والوں میں سب سے بڑا درجہ شریف رضیؒ کا ہے جنہوں نے امیرالمومنینؑ کے یہ خطبے اور اقوال اور حکیمانہ ارشادات اور خطوط لوگوں کے لئے محفوظات اور مخطوطات سے یکجا کیے ہیں، اور انہوں نے اس کا نام "نہج البلاغہ" بھی بہت ٹھیک رکھا۔ بلا شبہ یہ بلاغت کا صراط مستقیم ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس منزل تک پہنچنا چاہے۔

اس کے بعد انہوں نے شیخ محمد عبدہ کی رائے بیان کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ ابراہیم یازجی نے جو اس آخری دور میں متفقہ طور پر عربی کے کامل انشاء پرداز اور امامِ اساتذہ لغت مانے گئے ہیں مجھ سے فرمایا کہ مجھے اس فن میں جو مہارت حاصل ہوئی ہے، وہ صرف قرآن مجید اور

نہج البلاغہ کے مطالعہ سے یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانہ عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔

۲- فواد افرام البستانی، استاذ الآداب العربیۃ فی کلیۃ القدیس یوسف (بیروت) انہوں نے ایک سلسلہ تعلیمی کتابوں کاروائع کے نام سے شروع کیا ہے جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات، مصنف کے حالات، کمالات، کتاب کی تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دیئے ہیں اور وہ کیتھلک عیسائی پریس (بیروت) میں شائع ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ امیرالمومنینؑ اور نہج البلاغہ سے متعلق ہے جس کے بارے میں مولف نے اپنے مقدمہ میں تحریر کیا ہے:

"اننا نبدأ الیوم بنشر منتخبات من نہج البلاغۃ للامام علی ابنِ ابی طالبؑ اوّل مفکری الاسلام."

یعنی ہم سب سے پہلے اس سلسلہ کی ابتدا کرتے ہیں نہج البلاغہ کے انتخابات کے ساتھ جو اسلام کے سب سے پہلے مفکر امام علی ابنِ علی طالبؑ کی کتاب ہے۔

اس کے بعد وہ سلسلہ شروع ہوا ہے جو سلسلۂ روائع کی پہلی قسط ہے۔ اس کا پہلا عنوان ہے۔ ''علی ابنِ ابی طالبؑ'' جس کے مختلف عناوین کے تحت میں امیرالمومنینؑ کی سیرت اور ان کی خصوصیات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو ایک عیسائی کی تحریر ہوتے ہوئے پورے طور سے شیعی نقطۂ نظر کے موافق نہ سہی، لیکن پھر بھی حقیقت وانصاف کے بہت سے جوہر اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ دوسرا عنوان ہے ''نہج البلاغہ'' اور اس کے ذیلی عناوین میں ایک عنوان ہے ''جمعہ'' دوسرا عنوان ہے۔ ''صحۃ نسبتہ''۔ اس کے تحت میں لکھا ہے۔ ''نہج البلاغہ'' کے جمع وتالیف کو بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ بعض اہلِ نظر اور مؤرخین نے اس کی صحت میں شک کرنا شروع کیا جن کا پیشرو ابنِ خلکان ہے جس نے اپنی کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا ہے اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور پھر شریف رضی کے بسااوقات اپنے دادا مرتضیٰ کے لقب سے یاد کئے جانے کی وجہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوگیا۔ اور وہ ان میں اور ان کے بھائی علی بن طاہر معروف بہ سیّد مرتضیٰ متولّد ۹۶۶ء متوفّی ۱۰۴۴ء میں تفرقہ نہ سمجھ سکے اور انہوں نے نہج البلاغہ کے جمع کو ثانی الذّکر کی طرف منسوب کردیا۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے کیا ہے اور بعض لوگوں نے جیسے مستشرق کلیان نے یہ طرہ کیا کہ اصل مصنف کتاب کا سیّد مرتضیٰ ہی کو قرار دے دیا۔ ہم جب اس شک کے وجوہ واسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہر پھر کے پانچ

امر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے شک کے تقریباً وہی اسباب تحریر کئے ہیں جو ان کے پہلے محی الدین عبدالحمید شارح نہج البلاغہ کے بیان میں گزر چکے ہیں اور پھر انہوں نے ان وجوہ کو رد کیا ہے۔

۳- بیروت کے شہرۂ آفاق مسیحی ادیب اور شاعر پولس سلامہ اپنی کتاب ''اول ملحمہ عربیہ عیدالغدیر'' میں جو مطبعۃ النسر بیروت میں شائع ہوئی ہے۔ صفحہ ۷۱، ۲۷ پر لکھتے ہیں۔

''نہج البلاغہ'' مشہورترین کتاب ہے، جس سے امام علی علیہ السّلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کتاب سے بالاتر سوا قرآن کے اور کسی کتاب کی بلاغت نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد حسبِ ذیل اشعار نہج البلاغہ کی مدح میں درج کئے گئے ہیں:

هذه الكهف للمعارف باب   مشرع من مدينة الاسرار
تنثرالدر فی كتاب مبين   سفر نهج البلاغة المختار
هوروض من كل زهرجنی   اطلعته السماء فی نوّار
فيه من نضرةالورد العذاری   والخزامی و الفدّ و الجلنار
فی صفاء الينبوع يجری زلالا   كو ثر ارائقا بعيد القرار
تلمع الشط والضفاف ولكن   بالعجز العيون فی الاغرار

یہ معارف وعلوم کا مرکز اور اسرار و رموز کا کھلا ہوا دروازہ ہے۔ یہ نہج البلاغہ کیا ہے ایک روشن کتاب میں بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ یہ چنے ہوئے پھولوں کا ایک باغ ہے جس میں پھولوں کی لطافت چشموں کی صفائی اور آب کوثر کی شیرینی جس نہر کی وسعت اور کنارے تو آنکھوں سے نظر آتے ہیں مگر تہ تک نظریں پہنچنے سے قاصر ہیں۔

❊

نہج البلاغہ کے ترجموں اور تبصروں کا اجمالی خاکہ

سید قنبر علی رضوی، رائے بریلی

کتابوں اور مقالوں کی ترتیب وتالیف کا بنیادی مقصد قاری کو علمی حقائق ومعارف سے آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو خداوند عالم نے بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے آسمانی صحیفوں اور مقدس کتابوں کے نزول کا سلسلہ جاری کیا اور قرآن کریم خداوند عالم کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں کی آخری کڑی ہے اور قرآن میں مندرج احکامات الٰہیہ سے دنیاوالوں کو آگاہ کرنے کے لئے پیغمبر اکرم اور ان کے اہلبیت واصحاب صالح کی سنت وسیرت کا بہترین نمونہ بھی دنیا والوں کے سامنے پیش کردیا۔کتاب نہج البلاغہ درحقیقت قرآن مجید میں موجود الٰہی حقائق ومعارف اور احکام خداوندی کی وضاحت کا بہترین وسیلہ ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ عالمی سامراجی پروپگنڈوں کی وجہ سے دنیا قرآنی حقائق اور علوی ارشادات ومعارف کی طرف متوجہ نہیں ہوسکی اور دنیا کو انسانی والٰہی حقائق کی طرف متوجہ کرنا ہر ذی شعور کا فریضہ ہے۔(ایڈیٹر)

نہج البلاغہ کی عظمت وبزرگی اس کی گہرائی وگیرائی اس کی فصاحت وبلاغت اس کے موضوعات کی تشخیص اس کی جمع وترتیب اس کی تحقیق واستناد پر عربی وفارسی زبان میں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مسئلے پر (قطع نظر اس کے کہ حضرت علی علیہ السلام کے کلام کی نسبت سے یہ کچھ بھی نہیں) اتنا کام ہو چکا ہے کہ مجھ ایسے طالب علم کیلئے کسی نئی کوشش وکاوش یا تحقیق کرنے کا دعویٰ تحصیل حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ نہج البلاغہ سے متعلق اردو میں ہونے والے بعض کاموں کو دیکھا گیا کہ جس کو تحقیق کے نام پر پیش کیا گیا لیکن وہ زیادہ تر عربی وفارسی کا ترجمہ ہے نہ کہ تحقیق۔

اس لئے کہ نہج البلاغہ کی جمع آوری اس کے استناد، نہج البلاغہ کے مختلف زبانوں میں ہونے والے ترجموں، نہج البلاغہ پر اب تک کی گئی تفصیلی ومختصر شرحوں سے قطع نظر میں نے ایران میں اپنے زمانہ طالب علمی (۱۹۹۷۔۱۹۹۴ء) میں وہ کتابیں اور مقالات دیکھے جو نہج البلاغہ کی تالیف کے ایک ہزار

سال پورے ہونے پر ۱۴۰۰ھ ہجری میں ہزارہ نہج البلاغہ عالمی کانفرنس اور ہزارۂ سید شریف رضی علیہ الرحمہ کے موقع پر منظر عام پر آئے (واضح رہے کہ سید شریف رضی علیہ الرحمہ (۴۰۶-۳۵۹ ہجری) نے ۴۰۰ ہجری میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے منتخب خطبات، مکتوبات وکلمات حکمت کو جمع کر کے اس کا نام نہج البلاغہ رکھا اس اعتبار سے ۱۴۰۱ ہجری میں نہج البلاغہ کی جمع آوری کو ایک ۱۰۰۰ ہزار سال ہوئے اور ۱۴۰۶ھ ہجری میں سید رضیؒ کی وفات کو ۱۰۰۰/سال پورے ہوئے اس مناسبت سے ایران میں دونوں موقعوں پر ہزارۂ نہج البلاغہ وہزارۂ سید رضیؒ منایا گیا)

ان چھ برسوں میں نہج البلاغہ اور سید رضیؒ پر متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ اس سلسلے میں ایران اور دمشق وغیرہ میں بڑی بڑی نہج البلاغہ کانفرنسیں ہوئیں اور نہج البلاغہ پر بہت سے بڑے کاموں کا آغاز ہوا جن میں کی دو کتابیں ''آیات قرآن در نہج البلاغہ'' آقای محمد محمدی اشتہاردی) اور ''سید رضی مؤلف نہج البلاغہ'' (چوتھا ایڈیشن از آقای علی دوانی) ہمارے سامنے ہیں اگر انہیں دو کتابوں کا ترجمہ ہو جائے تو اجمالی طور پر پتہ چلے گا کہ ۱۴۰۶ء ہجری تک نہج البلاغہ پر کتنا کام ہو چکا تھا اور اب جب کہ اس کو ۲۵ سال گزر چکے ہیں ان بڑے کاموں کا جائزہ لیا جائے جو اس وقت شروع کئے گئے تھے تو پتہ چلے گا کہ نہج البلاغہ پر اب تک عربی وفارسی ودیگر زبانوں میں کتنا کام ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ ہزارۂ نہج البلاغہ کے موقع پر ایران میں ادارہ ''بنیاد نہج البلاغہ'' کا قیام عمل میں آیا تھا جس کے زیر نگرانی نہج البلاغہ پر بڑے کام ہوئے۔ نہج البلاغہ پر کسی بھی زبان میں کام کرنے والوں کو اس سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔

جہاں تک اردو میں نہج البلاغہ پر ہونے والے کاموں کی بات ہے تو بات ترجمے اور مختصر تشریح سے آگے نہ بڑھی، ہاں بس اردو والوں کے لئے فخر کی بات ہے کہ اگر عربی میں علامہ ہبۃ الدین شہرستانی نے ''ماھو نهج البلاغه'' لکھ کر نہج البلاغہ کے مستند ہونے پر ۱۳۵۲ ہجری میں عظیم کارنامہ انجام دیا تو اسی طرح اردو میں ادیب شہیر عالم اہلسنت امتیاز علی خاں عرشی نے ''استناد نہج البلاغہ'' لکھ کر وہ سارے حوالے پیش کر دیئے جو سید رضیؒ سے قبل کی کتابوں میں حضرت علی علیہ السلام کے خطبات ومکتوبات وکلمات حکمات کی شکل میں پہلے سے موجود تھے۔

یقیناً اردو والے استناد نہج البلاغہ پر جتنا بھی فخر کریں وہ کم ہے لیکن اردو میں فارسی وعربی کی بنسبت نہج البلاغہ کے حوالے سے بالکل کام نہیں ہوا، یا ہوا تو بہت کم ہوا۔ اردو میں نہج البلاغہ پر کام کی بہت

گنجائش ہے اگر صرف عربی وفارسی میں ہونے والے کاموں کا ترجمہ ہی کیا جائے تو اردو میں بہت بڑا کام ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ ''سید رضیؒ'' مولف نہج البلاغہ'' نامی کتاب میں آقای علی دوانی نے ''الذریعہ الی التصانیف الشیعہ'' (تالیف آقای بزرگ تہرانی) کے حوالے سے جو تعارف کرایا ہے وہ اس طرح ہے۔

''علامہ تہرانی فرماتے ہیں کہ چونکہ نہج البلاغہ عظمت وبزرگی اور فصاحت وبلاغت میں انتہائی درجہ میں پہنچی ہوئی ہے لہٰذا اس کا سمجھنا سب کے لئے آسان نہیں ہے پس ضرورت ہوئی کہ اس کی توضیح وتشریح کی جائے اور اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا جائے تاکہ سبھی اس سے استفادہ کرسکیں''۔

خداوند عالم نے عرب وغیر عرب سنی وشیعہ ودیگر اکابرین کو یہ توفیق عطا کی کہ اپنی استطاعت بھر اس کام کو انجام دیں۔ چنانچہ بعض نے پوری تشریح کی، بعض نے پوری نہج البلاغہ پر حاشیہ لگایا بعض نے مشکل الفاظ کو حل کیا، کچھ نے صرف خطبوں کا ترجمہ کیا، کچھ نے صرف مکتوبات کا، کچھ نے صرف کلمات حکمت کا ترجمہ کیا یا شرح کی۔ اس طرح سے بعض نے اس کا منظوم ترجمہ کیا۔ اس طرح سے مولف ''الذریعہ'' نے تقریبا ۱۵۰ رترجموں وشرحوں کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل ''الذریعہ'' کی چودہویں جلد میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں انہوں نے تقریباً پچاس صفحوں میں عربی وفارسی گجراتی وترجموں کی بنیاد پر نہج البلاغہ کی شرحوں ودیگر کتابوں کا ذکر کیا ہے۔[۱]

واضح رہے کہ آقای علی دوانی فرماتے ہیں اس سے پہلے علامہ نوری نے ۲۶ رشرحوں کا اور علامہ شہرستانی نے ۴۵ شرحوں کا اور علامہ عبد الزہرا حسینی نے ۱۰۱ رشرحوں کا ذکر کیا تھا جس کو علامہ تہرانی نے ۱۵۰ تک پہونچا دیا اور ۱۴۰۶ ہجری میں یہ تعداد ۴۰۰ تک پہونچ چکی ہے جو نہج البلاغہ کی مختلف زبانوں مثلاً فارسی، اردو، ترکی، گجراتی، جرمنی وانگریزی وغیرہ میں شرحوں ترجموں اور نہج البلاغہ سے متعلق دیگر کاموں پر مشتمل ہے۔[۲]

یہ ساری گفتگو ۱۴۰۶ ہجری کی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک ایران وغیرہ میں نہج البلاغہ پر کتنا کام ہوچکا ہوگا اس سلسلے میں ایک بڑا کام نہج البلاغہ مصحح کا ہے جو بنیاد نہج البلاغہ کے زیر اہتمام انجام پایا ہے جس میں نہج البلاغہ کے سارے مطبوعہ اور خطی نسخوں کا تقابل اور الفاظ کی شرح وموضوعات کی تشخیص ہے۔

اسی طرح سے اردو میں بھی نہج البلاغہ کے اردو ترجموں کا تقابل کرکے کم از کم خطبوں کی تعداد کے فرق کو بتانے کی ضرورت ہے اس لئے کہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے ترجمے میں تعداد کچھ اور ہے

سلسبیل فصاحت میں تعداد اور ہے اور علاّمہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم کے ترجمہ میں تعداد مختلف ہے جس کی وجہ سے سامع کو حوالہ کے باوجود حوالہ ڈھونڈنے میں پریشانی ہوتی ہے۔

جہاں تک اردو میں ہونے والے ترجموں کی بات ہے عام طور پر مفتی جعفر حسین مرحوم کا ترجمہ رائج ہے جس کے مقدمہ میں انہوں نے اپنے سے پہلے کے اردو ترجموں کا ذکر کیا ہے۔دوسرا قدیم ترجمہ علامہ ظفر مہدی گہر جائسی مرحوم کا ''سلسبیل فصاحت'' کے نام سے ہے جو صرف چند خطبوں کا ترجمہ ہے۔ پاکستان میں ایک مشترکہ ترجمہ ہے اگر ان سارے ترجموں کو سامنے رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ صرف ترجموں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اب عربی وفارسی بالکل نہ جاننے والوں کی تو مجبوری ہے کہ وہ صرف ترجموں پر بھروسہ کرسکتے ہیں۔ لیکن مسئلہ نازک تب ہوجاتا ہے جب ترجموں کا ترجمہ ہوتا ہے مثلاً نہج البلاغہ کا گجراتی ہندی وانگریزی ترجمہ جو رائج ہے وہ اردو سے ترجمہ ہے یعنی عربی سے ترجمہ نہیں ہوا ہے اس لئے اردو میں ہونے والے ترجموں کی تحقیق اور کم از کم تقابلی مطالعہ ضروری ہوجاتا ہے۔ کاتبوں کی غلطیوں کے ساتھ ساتھ خود متن اور ترجمے کو بھی دیکھنا ضروری اس لئے ہے کہ یہ دوسرے ترجموں کا بھی ماخذ بنتے ہیں۔

اب آیئے اشارۃً چند موارد کو دیکھتے ہیں جس سے تقابلی مطالعہ کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

نہج البلاغہ کا تیسرا خطبہ خطبۂ شقشقیہ ہے جو اہم ترین اور مشہور ترین خطبہ ہے، جس میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے اپنے سے پہلے کے حاکموں کا ذکر کیا ہے اور اپنے دور میں ہونے والی بغاوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں اپنی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حتی لقد وطی الحسنان بیعت کے وقت لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ میرے پیروں کے انگوٹھے کچل گئے یہاں اکثر فارسی و اردو مترجمین نے اور گجراتی ہندی، وانگریزی مترجمین نے ترجمہ کیا ہے کہ بیعت کے وقت امام حسنؑ وحسینؑ کچل گئے حالانکہ سید رضی علیہ الرحمہ کے بھائی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد پیروں کے انگوٹھے ہیں جس کا حوالہ ''سلسبیل فصاحت'' میں علامہ ظفر مہدی گہر جائسی نے دیا ہے (''سلسبیل فصاحت'' ترجمہ نہج البلاغہ ص ۱۷) جو بات زیادہ سمجھ میں آتی ہے اس لئے کہ جب حضرت علیؑ کی بیعت ہوئی وہ ۳۵ ہجری کی بات ہے جب امام حسنؑ وامام حسین علیہما السلام کا سن مبارک ۳۲/۳۳ سال بنتا ہے اور اگلا جملہ وشق عطفای میری ردا کے کنارے پھٹ گئے اس بات کا قرینہ بھی بن رہا ہے اس لئے کہ ردا کے کنارے پیروں کے انگوٹھے ہی پر آتے ہیں۔

اسی طرح نہج البلاغہ کے دوسرے جز مکتوبات ووصایا میں ۴۷ نمبر پر حضرت علی علیہ السلام کی وصیت ہے جہاں آپ ارشاد فرماتے ہیں صلاح ذات البین افضل من عامة الصلوٰة والصیام اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا عام نماز روزے سے افضل ہے (ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم ص ۷۳۸) اسی طرح سے تقریباً سارے اردو مترجمین اور اس سے انگریزی وہندی مترجمین نے بھی اس کا ترجمہ عام نماز روزہ کیا ہے حالانکہ فارسی ترجموں میں یہ ترجمہ ہے۔''

''من از جد شما شنیدم کہ می فرمود اصلاح میان مردم یک سال نماز روزہ برتر است''

یعنی آپس کا میل ملاپ وکشیدگی کو دور کرنا ایک سال کے نماز روزے سے افضل ہے (فروغ ولایت استاد آیت اللہ جعفر سبحانی ص ۶۹۹) یہ ترجمہ زیادہ سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ عام نماز وروزہ اور خاص نماز روزہ سمجھ میں نہیں آتا۔

اسی طرح سے پیغمبرؐ کی رحلت کے حوالے سے آپ نے جو خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا کہ لقد قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان راسہ لعلی صدری ولقد سالت نفسہ فی کفی فامررتھا علیٰ وجھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو ان کا سر اقدس میرے سینے پر تھا اور جب میرے ہاتھوں میں انکی روح طیب نے مفارقت کی تو میں تبرکا اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لئے (ترجمہ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵ ص ۵۵۲ مفتی جعفر حسین مرحوم) یہاں پر سارے اردو مترجمین نے سالت نفسہ کا ترجمہ روح کی مفارقت کیا ہے۔

حالانکہ علامہ بحرانی اور شارح نہج البلاغہ مفتی مصر محمد عبدہ نے اسی طرح عالم اہلسنت ابن ابی الحدید معتزلی ؒ (جن کی شرح ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے) اور علامہ حبیب اللہ خوئی ؒ نے جن کی شرح ۲۱ جلدوں پر مشتمل ہے) سبھی نے وضاحت کی ہے کہ سالت نفسہ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب پیغمبر ﷺ نے وقت آخر میرے ہاتھوں پر خون کی قے کی تو میں نے تبرکا اس خون کو اپنے چہرے پر مل لیا اور اسی روشنی میں شارح نہج البلاغہ مفتی مصر عالم اہل سنت نے خون رسولؐ (معصوم) کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔ اسی طرح علامہ حلیؒ نے ''تذکرۃ الفقہا'' میں طہارت خون معصوم پر استدلال کیا ہے[۵]

میں یہ نہیں کہتا کہ ان مقامات پر یہی ترجمہ کیا جائے لیکن ایک محقق کے لئے ان موارد سے واقف ہونا ضروری ہے بالخصوص جب شارحین نے اس کی وضاحت بھی کی ہو۔

یہ تو میں نے بعض موارد کی نشاندہی کردی ورنہ اگر تحقیق کی جائے تو بہت سے متون اور عربی

عبارتوں کو پیش کیا جاسکتا ہے جس سے تقابلی مطالعہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہر حال ابھی اردو میں نہج البلاغہ پر کام کرنے کی بہت گنجائش ہے۔ ابھی ہم اردو والے نہج البلاغہ کو جاننے کے مرحلے کو بھی پورا نہیں کرسکیں ہیں پہچاننا تو بہت دور ہے۔

حوالے:

۱۔سید رضی مولف نہج البلاغہ ص ۲۳۰ و ۲۳۱

۲۔الذریعہ جلد ۱۴ ص ۱۱۱۔۱۶۱

۳۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۱۰ ص ۱۸۲۔۱۸۳

۴۔منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ علامہ حبیب اللہ الخوئی جلد ۱۲ ص ۲۴۰

۵۔ترجمہ حضرت فاطمہ زہراؑ بضعۃ الرسول۔تالیف آیت اللہ شیخ احمد رحمانی ص ۳۲۸ و ۳۲۹

نہج البلاغہ میں علم و دانش کا تذکرہ

ڈاکٹر گلزار احمد خاں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم و دانش کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ کائنات کے خالق نے اپنے حبیب حضرت محمدؐ پر وحی کے ذریعہ جو کلام نازل کیا اس کی پہلی آیت ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ '' اپنے پالنے والے کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا ہے۔اور اس آیت کا پہلا فقرہ ''اقرا'' ہے جو پڑھنے کی تاکید اور علم کی ترغیب دے رہا ہے ۔ اس کے علاوہ سورہ ٔمبارکہ ''رحمٰن'' میں، جو اللہ کی نعمتوں کے ذکر سے لبریز ہے۔اور جسے حضرت امام جعفر صادقؑ نے ''عروس القرآن'' قرار دیا ہے ، خالق کائنات نے اپنا تعارف بھی علم ہی کے حوالے سے فرمایا۔ارشاد قدرت ہے۔

الرّحمٰن۔ عَلّم القرآن (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی)

مرسل آعظم نے خود اپنے بارے میں سبھی لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ

أنا مَدینة العلم و علیٌّ بابھا (میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں)

اس کے علاوہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور جان لو کہ خدا صاحبان علم کو دوست رکھتا ہے۔اگر تمہیں علم حاصل کرنے کے لئے چین تک جانا پڑے پھر بھی جاؤ۔ جو اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے اس کا ہر قدم عبادت ہوتا ہے اور فرشتے اس کے قدموں کے نیچے اپنا پر بچھا دیتے ہیں۔''[۱]

اور مومنوں کے امیر حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ ''ہم کائنات کے پالنے والے کی تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمارے لئے علم اور دشمنوں کے لئے مال رکھا ۔ کیوں کہ مال تو بہت جلد ختم ہو جانے والی چیز ہے جبکہ علم وہ دولت ہے جو باقی رہنے والی ہے اس کے لئے زوال نہیں ہے۔''

اہلبیتؑ نے اپنے چاہنے والوں کو علم کے حصول کی طرف بڑی رغبت دلائی ہے اور جس طرح مسند علم پر بیٹھ کر تشنگان معرفت کو سیراب کرتے رہے ہیں اس کا ذکر اپنوں نے بھی کیا ہے ،

غیروں نے بھی، مسلمان مورخین نے بھی اور غیر مسلم انصاف پسند دانشوروں نے بھی۔

چنانچہ فرانس سے شائع ہونے والی وہ مشہور کتاب جسے "۲۵" مشہور محققین نے مرتب کیا ہے اسی کا فارسی زبان ترجمہ' مغز متفکر جہان'اور اردو ترجمہ' اسلام میں مرد کامل، ہندی ترجمہ' امام صادقؑ اور ویگیانک آوشکار" اور انگریزی ترجمہ' امام صادقؑ دی گریٹ سائنٹسٹ" کے نام سے موجود ہے۔

اس کتاب کے لکھنے والوں نے تصریح کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کو اس وقت کے سیاسی حالات کی وجہ سے علم کی تبلیغ واشاعت کا بہترین موقع ملا اور معاشرہ کی جو علمی ضرورت تھی، اور لوگوں کے اندر علم کی جو تشنگی نظر آرہی تھی، اسی کی بنا پر آپ نے اپنے والد محترم حضرت امام محمد باقرؑ کے حلقہ' درس کو آگے بڑھایا، اور پھر اسے اس قدر وسعت عطا کی کہ درحقیقت مدینہ منورہ میں آپ کی درسگاہ نے ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کرلی جہاں مختلف علوم وفنون اور عقلی ونقلی مباحث کے سلسلہ میں تشنگان علم ومعرفت آپ سے کسب فیض کررہے تھے۔

قرآن کی آیتوں اور رسول خداؐ کی حدیثوں سے معلوم ہوا کہ علم ودانش شرف وبزرگی کا باعث ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں سیر اللہ فی العالمین علی ابن ابی طالبؑ نے علم ودانش کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔

"غرر الحکم" کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ فرماتے ہیں "جب تم سوال کرو تو سمجھنے کی غرض سے پوچھو الجھنے کے لئے نہ پوچھو کیونکہ جو جاہل سیکھنا چاہتا ہے مثل عالم کے ہے اور جو عالم الجھنا چاہتا ہے وہ مثل جاہل کے ہے۔"

"جو احسن طریقے سے پوچھتا ہے وہ عالم بن جاتا ہے اور جو اچھے طریقہ سے علم حاصل کرتا ہے وہ احسن طریقہ سے سوال کرتا ہے۔"

نہج البلاغہ کے باب حکمت میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اسے علم ودانش سے محروم کردیتا ہے۔"[۲]

کمیل بن زیاد کہتے ہیں کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور قبرستان کی طرف لے چلے جب صحرا میں پہنچے تو ایک لمبی آہ بھری اور فرمایا:

"اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے اور مال کی تمہیں

حفاظت کرنی پڑتی ہے اور مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے لیکن علم صرف کرنے سے بڑھتا ہے اور مال ودولت کے نتائج واثرات مال کے فنا ہونے سے فنا ہوجاتے ہیں''۳

باب حکمت شمارہ نمبر ۳۳۸ میں حضرت علیؑ نے فرمایا۔علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہوتا ہے۔ جو طبیعت میں ڈھل جاتا ہے اور ایک وہ ہوتا ہے جو صرف سن لیا جاتا ہے اور سناسنایا ہوا علم اس وقت تک کام نہیں آتا ہے جب تک مزاج کا جز و نہ بن جائے۔نہج البلاغہ میں علم ودانش کے بارے میں متعدد مقامات پر ذکر ہے جس میں علم کی اہمیت اور بلندی کا بیان ہے۔جیسے باب حکمت میں مختصر حکیمانہ کلمات درج ہیں۔

وہ علم بہت بے قدر و قیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بہت بلند مرتبہ ہے جو اعضاء وجوارح سے نمودار ہو۔۴

علم عمل سے وابستہ ہے لہٰذا جو جانتا ہے وہ عمل بھی کرتا ہے اور علم عمل کو پکارتا ہے اگر وہ لبیک کہتا ہے تو بہتر، ورنہ وہ بھی اس سے رخصت ہوجاتا ہے۔۵

اپنے علم کو جہل اور اپنے یقین کو شک نہ بناؤ جب جان لیا تو عمل کرو اور جب یقین پیدا ہوگیا تو آگے بڑھو۔علم ویقین کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے اور اگر اس کے مطابق ظہور میں نہ آئے تو اسے علم ویقین سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔''۶

''بہت سے پڑھے لکھوں کو (دین سے) بے خبری تباہ کردیتی ہے اور جو علم ان کے پاس ہوتا ہے انہیں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔۷''

اور اسی طرح عالم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ''پورا عالم ودانا وہ ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس اور اس کی طرف سے حاصل ہونے والی آسائش وراحت سے ناامید نہ کرے اور نہ انہیں اللہ کے عذاب سے بالکل مطمئن کردے۔۸ ''نیکی یہ نہیں ہے کہ تمہارے مال اولاد میں فراوانی ہوجائے بلکہ خوبی یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور حلم بڑا ہو۔۹

ہر ظرف اس سے کہ جو اس میں رکھا جائے تنگ ہوجاتا ہے مگر علم کا ظرف وسیع ہوتا جاتا ہے۔۱۰

تمہارے جاہل دولت زیادہ پاجاتے ہیں اور عالم آئندہ کی توقعات میں مبتلا رکھے جاتے ہیں۔۱۱

علم شریف ترین میراث ہے اور علمی و عملی اوصاف بالکل نئی خلعت ہیں اور فکر صاف وشفاف آئینہ ہے ۔۱۲

جو دانش و آگہی حاصل کرے گا اس کے سامنے علم و عمل کی راہیں واضح ہوجائیں گی اور جس کے لئے علم و عمل آشکار ہوجائے گا وہ عبرت سے آشنا ہوگا اور جو عبرت سے آشنا ہوگا وہ ایسا ہے جیسے وہ پہلے لوگوں میں موجود رہا ہو۔ ۱۳

جس نے غور وفکر کیا وہ علم کی گہراہیوں سے آشنا ہوا اور جو علم کی گہرائیوں میں اترا وہ فیصلہ کے سرچشموں سے سیراب ہوکر پلٹا اور جس نے حلم و بردباری اختیار کی اس نے اپنے معاملات میں کوئی کمی نہیں کی اور لوگوں میں نیک نام رہ کر زندگی بسر کی۔ ۱۴

تفکر و پیش بنی سے بڑھ کر کوئی علم نہیں اور علم کے مانند کوئی بزرگی و شرافت نہیں۔ ۱۵

''لوگ اسی چیز کے دشمن ہوتے ہیں جسے نہیں جانتے۔ انسان جس علم وفن سے واقف ہوتا ہے اسے بڑی اہمیت دیتا ہے اور جس علم سے عاری ہوتا ہے اسے غیر اہم قرار دے کر اس کی تنقیص و مذمت کرتا ہے۔'' ۱۶

''دو ایسے خواہشمند ہیں جو سیر نہیں ہوتے طالب علم و طلبگار دنیا۔'' ۱۷

حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ نیکی کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نیکی یہ نہیں کہ تمہارے مال واولاد میں فراوانی ہوجائے، بلکہ خوبی یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ اور حلم بڑا ہوا۔ ۱۸

ایک موقع پر جناب کمیل سے فرمایا۔ اے کمیل! یہ دل اسرار و حکم کے ظروف ہیں۔ ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ نگہداشت کرنے والا ہو۔ لہٰذا جو میں تمہیں بتاؤں اسے یاد رکھنا۔ دیکھو! تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ایک عالم ربانی دوسرا متعلم کہ جو نجات کی راہ پر برقرار رہے اور تیسرے عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے کہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہولیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے نہ انہوں نے نور علم سے کسب ضیا کیا نہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لی۔

اے کمیل! علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ جس کی اقتدا کی جاتی ہے اس سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم۔

اے کمیل ! مال اکٹھا کرنے والے زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔ بیشک ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں مگر ان کی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے سینہ اقدس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا دیکھو! یہاں علم کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے کاش ! اس کے اٹھانے والے مجھے مل جائیں۱۹

ایک موقع پر جابر ابن عبد اللہ انصاری سے فرمایا اے جابر ! چار قسم کے آدمیوں سے دین ودنیا کا قیام ہے۔ ۱۔عالم جو اپنے علم کو کام میں لاتا ہو ۲۔ جاہل جو علم کے حاصل کرنے میں عار نہ کرتا ہو۔ ۳۔سخی جو داد ودہش میں بخل نہ کرتا ہو۔ ۴۔ فقیر جو آخرت کو دنیا کے عوض نہ بیچتا ہو۔ تو جب عالم اپنے علم کو برباد کرے گا تو جاہل اس کے سیکھنے میں عار سمجھے گا۔اور جب دولت مند نیکی واحسان میں بخل کرے گا تو فقیر اپنی آخرت دنیا کے کے بدلے بیچ ڈالے گا۔ ۲۰

حضرت نے فرمایا:

جو لوگوں کا پیشوا بنے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہئے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت وکردار کے ذریعہ تعلیم دینا چاہئے۔اور جو اپنے نفس کی تعلیم وتادیب کرے وہ دوسروں کی تعلیم وتادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔'' ۲۱

ایک دوسرے موقع پر حضرت نے فرمایا

''ہر شخص کی قیمت وہ ہنر ہے جو اس شخص میں ہے۔''

سید رضی فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا انمول جملہ ہے کہ نہ کوئی حکیمانہ بات اس کے ہم وزن ہوسکتی ہے اور نہ کوئی جملہ اس کا ہم پایہ ہوسکتا ہے۔

انسان کی حقیقی قیمت اس کا جوہر علم وکمال ہے۔ وہ علم وکمال کی جس بلندی پر فائز ہوگا اس کے مطابق اس کی قدر ومنزلت ہوگی۔ چنانچہ جوہر شناس نگاہیں شکل وصورت بلندی قد وقامت اور ظاہری جاہ وحشمت کو نہیں دیکھتیں بلکہ انسان کے ہنر کو دیکھتی ہیں اور اسی ہنر کے لحاظ سے اس کی قیمت ٹھہراتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو اکتساب فضائل وتحصیل علم ودانش میں جدوجہد کرنا چاہئے۔

حوالے:

۱۔بحار الانوار جلد۔۱

۲۔ نہج البلاغہ باب حکمت کلمات قصار شمارہ ۲۸۸

۳۔ ایضاً ایضاً شمارہ ۱۴۷

۴۔ شمارہ ۹۲

۵۔ ایضاً شمارہ ۳۶۶

۶۔ ایضاً شمارہ ۲۷۴

۷۔ ایضاً شمارہ ۱۰۷

۸۔ ایضاً شمارہ ۹۰

۹۔ ایضاً شمارہ ۹۶

۱۰۔ ایضاً شمارہ ۲۰۵

۱۱۔ ایضاً شمارہ ۲۸۳

۱۲۔ ایضاً شمارہ ۴

۱۳۔ ایضاً شمارہ ۳۰

۱۴۔ ایضاً شمارہ ۳۰

۱۵۔ ایضاً شمارہ ۱۱۳

۱۶۔ ایضاً شمارہ ۱۷۲

۱۷۔ ایضاً شمارہ ۴۵۷

۱۸۔ ایضاً شمارہ ۹۶

۱۹۔ ایضاً شمارہ ۱۴۷

۲۰۔ ایضاً شمارہ ۳۷۲

۲۱۔ ایضاً شمارہ ۷۳

''نہج البلاغہ کی عصری معنویت''

از: پروفیسر الحاج سید مجاور حسین رضوی

علماء کہتے ہیں کہ اس کا کلام تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر اور خالق کے کلام کے نیچے ہے۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ نازک مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو سیرت علیؑ اس کا جواب دیدیتی ہے۔

مورخ بیان کرتا ہے کہ آج تک تاریخ نے کسی ایسی شخصیت کو جنم نہیں دیا جس میں بہ یک وقت متضاد صفات ہوں یعنی شجاعت کے ساتھ صبر، سخاوت کے ساتھ فقر، تقریر کے ساتھ شمشیر اور عبادت کے ساتھ خوش مزاجی۔

دور حاضر کے دانشور اس بات پر حیران ہیں کہ ہم نے تو علیؑ کو نہیں دیکھا لیکن جو کلام علیؑ سے منسوب ہے اسے چودہ سو برس پرانا کیوں کہا جاتا ہے۔ اسے پڑھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے معاصر دور کا ایک ایماندار مگر بہترین منتظم اعلیٰ جلیل القدر ماہر سیاست داں، معاشیات کا ماہر، عدلیہ یا (Judiciary) کا نباض اور ان سب سے بالاتر ایک عظیم عالم نفسیات ہے جو آج کے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا انہیں ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کے آداب سکھا رہا ہے۔ ہر لفظ کے معانی ان کے حدود کے تعین کے ساتھ سمجھا رہا ہے۔ یہیں سے وہ کائنات کا عظیم ترین انسان بن جاتا ہے۔

کسی خطیب نے آپ کے اقوال وارشادات،ملفوظات، خطبات ومکتوبات کے پیش نظر کیا خوب بات کہی تھی کہ فلاں اگر سجدہ نہ کرتا تو کافر قرار دیا جاتا۔ علیؑ اگر سجدہ نہ کرتے تو لوگ انہیں خدا کہتے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات ایک انسان کامل کا تصور پیش کرتی ہے اردو کا طالب علم جب اقبالؔ کا یہ شعر پڑھتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکارآفریں کارگشا کارساز

تو اس کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ علیؑ کو ''ید اللہ'' کیوں کہا جاتا ہے اور عقائد کی دنیا میں بھی اور تعقل پسندی اور ایماندارانہ شعور کے ساتھ غور کرنے پر یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ علیؑ کی جتنی بھی صفات بیان کی جائیں اور جتنی بھی مدح کی جائے الفاظ کی کمی کا شدید احساس ہوتا ہے البتہ میر تقی

میرؔ جیسا شاعر ہو تو وہ کہہ سکتا ہے۔

ہم علیؑ کو خدا نہیں جانا = پر خدا سے جدا نہیں جانا

آج اگر آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہوئی ظلمتوں میں گمراہیوں کے اندھیروں میں تاریکیوں میں گھری ہوئی دنیا کو نجات مل سکتی ہے تو علیؑ کے ارشادات منارۂ نور کی طرح اپنا رہنما بنا کر دنیا نجات حاصل کر سکتی ہے۔

یوں تو نہج البلاغہ کے شارحین مترجمین، جامعین کی ایک طویل فہرست ہے لیکن راقم الحروف اپنی کم علمی کی وجہ سے صرف تین نسخے دیکھ سکا ہے۔ (۱) مفتی جعفر حسین صاحب کا ترجمہ (۲) سید رئیس احمد جعفری اور عبد الرزاق ملیح آبادی کا ترجمہ (۳) علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کا ترجمہ۔ سردست عنوان کے سلسلے میں علامہ سید ذیشان حیدر مرحوم کے ترجمے سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سب سے پہلا سوال، استناد نہج البلاغہ کا سامنے آتا ہے۔ اس سلسلے میں اردو کے کلاہ افتخار کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ مشہور ماہر غالبیات اور اردو تحقیق کے بنیادی ستون امتیاز علی خاں عرشی رامپوری مرحوم نے اپنے گراں قدر مضمون ''نہج البلاغہ کا استناد'' میں ۶۷ دلائل دئے ہیں ۲۹ خطوط کے ماخذ اور حکم وامثال کے ۵۱ ماخذ اور جامعین خطب کی ۲۲ مثالیں دیں ہیں۔ جس کے بعد یہ سوچنے کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ نہج البلاغہ کا استناد کسی طرح کے شک وشبہ کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا ذیشان حیدر نے بھی دور حاضر کے سائنٹیفک مزاج کے مطابق ایک چارٹ تیار کیا ہے۔ جس میں ۶۱ حوالے ہیں۔ جن کے بعد کسی بھی علمی موشگافی کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ چارٹ درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	وفات	کیفیت
۱	کتاب اثبات الوصیہ	مسعودی	۳۰۲ھ	۵۰ سال قبل ولادت سید رضیؒ
۲	الاخبار الطوال	ابو حنفیہ دینوری	۲۹۰ھ	۶۹ سال قبل ولادت سید رضیؒ
۳	الاشتقاق	ابن درید	۳۲۱ھ	۳۸ سال قبل ولادت سید رضیؒ
۴	اعجاز القرآن	باقلانی	۲۷۲ھ	۲۸ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۵	کمال الدین	صدوقؒ	۳۸۱ھ	۲۰ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۶	اغانی	ابو الفرج اصفہانی	۳۵۶ھ	۳ سال قبل ولادت سید رضی

۷	امالی	زجاجی	۳۲۹ھ	۲۰ سال قبل ولادت سید رضی
۸	الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ	۲۷۶ھ	۵۳ سال قبل ولادت سید رضی
۹	الامتاع والموانسہ	ابوحیان توحیدی	۳۸۰ھ	۲۰ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۱۰	انساب الاشراف	بلاذری	۲۷۹ھ	۸۰ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۱۱	الاوائل	ابوہلال العسکری	۳۹۵ھ	۵ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۱۲	البخلاء	ابوعثمان الجاحظ	۲۵۵ھ	۱۰۴ سال قبل ولادت سید رضی
۱۳	البدیع	ابن المعتز	۲۹۶ھ	۸۳ سال قبل ولادت سید رضی
۱۴	بصائر الدرجات	الصفاء	۲۹۰ھ	۶۵ سال قبل ولادت سید رضی
۱۵	البلدان	ابن الفقیہ	۳۰۰ھ	۵۹ سال قبل ولادت سید رضی
۱۶	البیان والتبیین	الجاحظ	۲۵۵ھ	۱۱۴ سال قبل ولادت سید رضی
۱۷	التاریخ	یعقوبی	۲۸۴ھ	۷۵ سال قبل ولادت سید رضی
۱۸	تحف العقول	ابن شعبہ حرانی	۳۸۰ھ	۲۰ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۱۹	البصائر والذخائر	ابوحیان توحیدی	۳۸۰ھ	۲۰ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۲۰	تفسیر	العیاشیؒ	۳۰۰ھ	۵۹ سال قبل ولادت سید رضی
۲۱	توحید	صدوقؒ	۳۸۱ھ	۱۹ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۲۲	ثواب الاعمال	صدوقؒ	۳۸۱ھ	۱۹ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۲۳	الجمل	مدائنی	۲۲۵ھ	۱۳۴ سال قبل ولادت سید رضی
۲۴	الجمل	واقدی	۲۰۷ھ	۱۵۲ سال قبل ولادت سید رضی
۲۵	جمہرۃ الانساب	الکلبی	۲۰۴ھ	۱۵۵ سال قبل ولادت سید رضی
۲۶	۲۶جمہرۃ الامثال	ابوہلال عسکری	۳۹۵ھ	۵ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۲۷	خصائص	نسائی	۳۰۳ھ	۵۶ سال قبل ولادت سید رضی
۲۸	الخطب المعربات	ابراہیم بن ہلال ثقفی	۲۸۳ھ	۷۶ سال قبل ولادت سید رضی
۲۹	خطب امیر المومنین	زید بن وہب جہنی	۹۶ھ	۲۶۳ سال قبل ولادت سید رضی
۳۰	خطبۃ الزہراء لامیر المومنین	ابی مخنف بن سلیم ازدی	۱۵۷ھ	۲۰۲ سال قبل ولادت سید رضی

۳۱	خطب امیر المومنین	واقدی	۲۰۷ھ	۱۵۲ سال قبل ولادت سید رضی
۳۲	خطب علی	نصر بن مزاحم	۲۰۲ھ	۱۵۲ سال قبل ولادت سید رضی
۳۳	خطب علی کرم اللہ وجہ	ابو منذر بن الکلبی	۲۰۵ھ	۱۵۴ سال قبل ولادت سید رضی
۳۴	خطب علی وکتبہ الیٰ عمالہ	المدائنی	۲۲۵ھ	۱۳۴سال قبل ولادت سید رضی
۳۵	خطب امیر المومنین	ابن الخالد الخراز الکوفی	۳۱۰ھ	۴۹سال قبل ولادت سید رضی
۳۶	خطب امیر المومنین	القاضی نعمان المصری	۳۶۳ھ	۴سال قبل ولادت سید رضی
۳۷	دعائم الاسلام	القاضی نعمان المصری	۳۶۳ھ	۴سال قبل ولادت سید رضی
۳۸	دلائل الامامۃ	الطبری	۳۱۰ھ	۴۹ سال قبل ولادت سید رضی
۳۹	روضۃ الکافی	الکلینی	۳۲۵ھ	۳۴ سال قبل ولادت سید رضی
۴۰	الزواجر المواعظ	ابن سعید العسکری	۳۸۲ھ	۱۸ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۴۱	کتاب صفین	الجلودی	۳۳۲ھ	۲۷ سال قبل ولادت سید رضی
۴۲	کتاب صفین	ابراہیم بن الحسین المحدث	۲۸۱ھ	۷۸ سال قبل ولادت سید رضی
۴۳	کتاب صفین	نصر بن مزاحم	۲۰۲ھ	۱۵۷ سال قبل ولادت سید رضی
۴۴	الطبقات الکبریٰ	ابن سعد	۲۳۰ھ	۱۲۹ سال قبل ولادت سید رضی
۴۵	العقد الفرید	ابن عبدربہ	۳۲۸ھ	۳۱ سال قبل ولادت سید رضی
۴۶	غریب الحدیث	ابن قتیبہ	۲۲۳ھ	۱۳۶ سال قبل ولادت سید رضی
۴۷	غریب الحدیث	ابن قتیبہ	۲۷۶ھ	۸۳ سال قبل ولادت سید رضی
۴۸	الفاضل	المبرد	۲۸۵ھ	۱۰۱ سال قبل ولادت سید رضی
۴۹	الفتوح	ابن اعثم	۳۱۴ھ	۴۵ سال قبل ولادت سید رضی
۵۰	فتوح البلدان	بلاذری	۲۷۹ھ	۸۰ سال قبل ولادت سید رضی
۵۱	الفرج بعد الشدۃ	التنوخی	۳۸۴ھ	۱۶ سال قبل ولادت سید رضی
۵۲	قوۃ القلوب	ابو طالب المکی	۳۸۶ھ	۱۴ سال قبل تالیف نہج البلاغہ
۵۳	الکامل	الازدی البصری	۲۸۵ھ	۷۴ سال قبل ولادت سید رضی

۵۴	المجالس	الثعلب	۲۹۱ھ	۶۸ سال قبل ولادت سید رضی
۵۵	المحاسن	البرقی	۲۷۴ھ	۸۵ سال قبل ولادت سید رضی
۵۶	المحاسن والاضداد	الجاحظ	۲۵۵ھ	۱۰۴ سال قبل ولادت سید رضی
۵۷	الموفقیات	الزبیر بن بکار	۲۵۶ھ	۱۰۳ سال قبل ولادت سید رضی
۵۸	الموفق	المرزبانی	۳۷۷ھ	۲۳ سال قبل ولادت سید رضی
۵۹	نقص العثمانیہ	ابو جعفر محمد بن عبد اللہ المعتزلی	۲۴۰ھ	۱۱۹ سال قبل ولادت سید رضی
۶۰	الوزراء الکتاب	الجہشیاری	۳۳۱ھ	۲۸ سال قبل ولادت سید رضی
۶۱	الولاۃ والقضاۃ	الکندی	۳۵۰ھ	۹ سال قبل ولادت سید رضی

ان دلائل و براہین کے پیش نظر جب یہ بات حتمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ امیر المومنینؑ کا کلام ہے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ چودہ سو برس قبل کوفہ کے نواح میں ایک شخص دنیا کو وہ تصورات دے رہا ہے جو آج کے دور میں بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے اس دور میں تھے بلکہ اس سے پہلے لوگ تو بہت سارے گوشوں کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے جو دور حاضر میں زیادہ معنویت رکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ راقم الحروف کو نہ تو ابن ابی الحدید کے زور استدلال کا ایک شمہ میسر ہے نہ سید شریف رضی کے علم کی پرچھائیں مجھ پر پڑی ہے، نہ علامہ سعد الدین تفتازانی یا ابن عبد ربہ یا ڈاکٹر علی شریعتی جیسے حضرات کی دانش وآگہی و بصیرت کا ایک ذرہ بھی مجھے میسر ہے۔

لیکن ایک شرف وافتخار میرا ہے اور وہ یہ کہ میں خود کو امیر المومنینؑ کے غلاموں کا ایک غلام سمجھتا ہوں اور یہی سمجھ یا فکر میرے جذبہ عقیدت کو مہمیز کرتی ہے کہ علیؑ کے ایک ماننے والے کی حیثیت سے بنیادی بصیرت اور نجات آخرت کے لئے کچھ لکھوں چنانچہ نہج البلاغہ کے بارے میں تفصیل سے لکھنا تو ناممکن ہے صرف ایک فرمان کے کچھ نکات کو دور حاضر کے حالات کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

نہج البلاغہ میں مالک اشترؒ کے نام جو فرمان ہے اور جو ذیشان صاحب کے ترجمہ میں مکتوب نمبر ۵۳ ہے اس کے کچھ نکات کو دور حاضر کی روشنی میں پیش کرنے کی جرأت کی جارہی ہے۔

اس مکتوب میں جن گوشوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے ان کے صرف کچھ حصے پیش کئے

جا رہے ہیں جس میں سب سے اہم نکتہ شعبۂ سیاست سے متعلق ہے۔ اس میں آپ نے سیاست کے اصول، مسلمانوں کے حاکم کے لئے قوانین واصول زندگی، اسلامی مملکت کے دستور کی ستائش، مسلمانوں اور غیر مسلموں سے رویہ اور برتاؤ اوراس کے حدود، احکام نظام حکومت میں محکمہ جات کی تقسیم، عدلیہ، تجارت، اطلاعات، حکام (بیورو کریسی) فوج (ڈیفینس) طبقاتی تعلقات کی نوعیت، حکومت کا مالیاتی نظام، رقوم کی وصولی اور سب سے بڑھ کر اس کی منصفانہ تقسیم پہ روشنی ڈالی ہے۔

یہ ہیں وہ چند نکات جو اس فرمان میں ہیں ان میں سے بھی صرف دو یا تین گوشے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس فرمان میں حضرت نے واضح الفاظ میں تاریخ سے سبق لینے کا حکم دیا ہے۔ یہ حق ہے کہ تاریخ واقعات کا قبرستان نہیں ہوتی بلکہ اس لئے ہوتی ہے کہ جو حکومتیں گذر چکی ہے ان کے طرز عمل کو پرکھا جائے۔ ان کی خرابیوں سے گریز کیا جائے اور ان کی خوبیوں کو اختیار کیا جائے۔

ذیشان صاحب نے ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا ہے کہ بات گنجلک نہ ہو بلکہ واضح ہو چنانچہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہوتا ہے۔

''مخلوقات خدا کی دو قسمیں ہیں بعض تمہارے دینی بھائی ہیں اور بعض خلقت میں تمہارے جیسے بشر ہیں جن سے لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں اور انہیں خطاؤں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور جان بوجھ کر یا دھوکے سے ان سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہے لہٰذا انہیں ویسے ہی معاف کر دینا جس طرح تم چاہتے ہو کہ پروردگار تمہاری غلطیوں سے درگذر کرے''

اس ارشاد کی روشنی میں سیکولزم کا وہ سچا تصور سامنے آتا ہے جسکی بنیاد لامذہبیت پر نہیں بلکہ سماجی انصاف کے اصولوں پر ہے۔ حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے تمام افراد کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ سیکولر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہب چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کا مطلب دوسروں کے جذبات کا احترام ہے۔ جس کی تقلین امیرالمومنینؑ نے کی ہے اور جس کے سلسلے میں علامہ ذیشان حیدر جوادی نے تشریح کی ہے اور حاشیہ میں لکھتے ہیں:

یہ اسلامی نظام کا امتیازی نکتہ ہے کہ اس نظام میں مذہبی تعصب سے کام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ ہر شخص کو برابر کے حقوق دئے جاتے ہیں۔ مسلمان کا احترام اس کے مسلمان ہونے کی بنا پر ہوتا ہے اور غیر مسلم کے بارے میں انسانی حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے اور ان حقوق میں بنیادی نکتہ یہ ہے

کہ حاکم ہر غلطی کا مواخذہ نہ کرے بلکہ انہیں انسان سمجھ کر ان کی غلطیوں کو برداشت کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کرے اور یہ خیال رکھے کہ مذہب کا ایک مستقل نظام ہے۔ ''رحم کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے'' اگر انسان اپنے سے کمزور افراد پر رحم نہیں کرتا تو اسے جبار سموات وارض سے توقع نہیں کرنی چاہئے۔ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ تم اپنے سے کمزور پر رحم کروتا کہ پروردگار تم پر رحم کرے اور تمہاری خطاؤں کو معاف کردے جس پر تمہاری عاقبت اور بخششیں کا دارومدار ہے۔[۱]

ارشاد ہوتا ہے۔

''خبردار ! اللہ کی عظمت سے مقابل نہ ہونا اور اس کے جبروت سے تشابہ کی کوشش نہ کرنا کہ وہ ہر جبار کو ذلیل کردیتا ہے اور ہر مغرور کو پست بنادیتا ہے۔''

اس ارشاد گرامی پر آج کے دور کا انسان جب غور کرتا ہے تو اسے یہ خیال آتا ہے کہ ابھی برٹش سامراج کا یہ حال تھا کہ اس کے اقتدار کا سورج کبھی نہیں ڈوبتا تھا آج اس کی حکومت کمپیوٹر کا ماؤس نہیں بلکہ انگریزی کا لفظ ماؤس بمعنی چوہا ہوکر رہ گئی ہے۔ دنیا نے کچھ دن پہلے ہٹلر اور مسولینی کا انجام بھی دیکھا ہے اور عظیم الشان انقلاب کے بانیان اور اسٹالن کی لاشوں کا سفر بھی دیکھا ہے۔ ابھی شاید کچھ زمانہ گذرا ہے کہ صدام حسین کی بت شکنی بھی ہوئی ہے اور اسے پھانسی کے پھندے کو گلے لگانا پڑا ہے تیونیشا میں اقتدار پھسل گیا اور حسنی مبارک کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی ہے اور ابھی نہ جانے کتنے ملکوں کے ''جبارین'' کے ایوانوں میں لرزہ ہے اور تخت شاہی متزلزل۔ ہے کچھ ہیں جو اکڑ رہے ہیں کہ ہمارے اوپر کون ہے جو انگلی اٹھانے والا ہے لیکن امیر المومنینؑ نے کلیہ بیان کردیا ہے کہ جبارین کا انجام ایک ہے اور وہ تاریخ نمرود فرعون سے گذرتی ہوئی دور امیر المومنینؑ کے بعد یزید، عباسی سلاطین سے ہوتی ہوئی دور حاضر تک آئی ہے یہ بلیغ فقرہ عروج وزوال کی مکمل تاریخ ہے۔ آج کسی جابر کو اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ۔

دریائے آب ورنگ کا ڈیرا قریب ہے

تارے لرز رہے ہیں سویرا قریب ہے۔

آج کا دور جمہوریت کا نعرہ بلند کرتا ہے کہ کونسا ملک ایسا ہے جہاں عوام کی دہائی نہیں دی جاتی ''عام آدمی'' کی سب بات کرتے ہیں ہر جگہ نظام جمہوری کا نعرہ لگایا جاتا ہے اگر عوام کی فلاح کے لئے کچھ اقدامات کئے جاتے ہیں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ POPULIST ہے لیکن امیر المومنینؑ

نے کلیہ بیان کر دیا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''تمہارے لئے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہئے جو حق کے اعتبار سے بہترین، انصاف کے اعتبار سے سب کو شامل اور رعایا کی مرضی سے اکثریت کے لئے پسندیدہ ہو کہ عام افراد کی ناراضگی خواص کی رضا مندی کو بھی بے اثر بنا دیتی ہے اور خاص لوگوں کی ناراضگی عام افراد کی رضامندی کے ساتھ قابل معافی ہو جاتی ہے''

ذیشان صاحب نے اس پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو:

دنیا کے ہر سماج میں دو طرح کے افراد پائے جاتے ہیں خواص اور عوام۔ خواص وہ ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی بنیاد پر اپنے لئے امتیازات کے قائل ہوتے ہیں اور ان کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ انہیں قانون میں زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل ہوں اور ہر موقع پر ان کی حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے اگر چہ مصائب اور آفات کے موقع پر ان کا کوئی مصرف نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ کسی میدان حیات میں نظر آتے ہیں اس کے برخلاف عوام الناس ہر مصیبت میں سینہ سپر رہتے ہیں۔ ہر خدمت کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور کم سے کم حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مولائے کائنات نے اسی نکتہ کی طرف متوجہ کیا ہے کہ حاکم کا فرض ہے کہ عوام الناس کے مفادات کا تحفظ کرے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے کہ یہی دین کا ستون اور اس کی قوت ہیں اور انہیں سے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد خواص ناراض بھی ہو گئے تو ان کی ناراضگی کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور امت کے کام چلتے رہیں گے لیکن اس کے برخلاف اگر عوام الناس ہاتھ سے نکل گئے اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تو پھر اس طوفان کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا ہے اور سیلاب بڑے بڑے تخت و تاج کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔ [۲]

آج کی دنیا نے vested Interest یا مفاد پرست طبقہ کی اصطلاح وضع کی ہے مگر سچ پوچھئے تو دور حاضر میں خواص میں اجارہ دار، سرمایہ دار گھپلے باز اور زیادہ سے زیادہ لوٹ کھسوٹ کرنے والے لوگ ہیں جن کی طرف ایک لفظ سے امیر المومنینؑ نے اشارہ کر دیا ہے وہ اس نفسیاتی نکتہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ افلاطون کی مثالی ریاست رہی ہو یا میکاولی اور کوٹلیہ کا تصور اقتدار۔ بہر حال سماج میں دو طبقے ہوتے ہیں ایک وہ جو Haves کا ہوتا ہے اور ایک Have nots کا ہوتا ہے انہیں چاہے نادار کہہ لیجئے چاہے طبقاتی نظام کی اصطلاح استعمال کر کے بورژوائی

اور پرولتاریہ کہہ لیجئے۔ طبقہ دو ہی ہوتے ہیں۔ اور امیر المومنینؑ نے اپنے ارشاد میں اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ حقیقی جمہوریت وہی ہے جہاں عوام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو اور ان کی آنکھوں میں حکومت کے لئے رضامندی۔

اس سلسلے میں ذیشان صاحب کا حاشیہ درج کیا جاچکا ہے جنہوں نے بڑے مستحکم انداز میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''اور دیکھو تمہارے وزراء میں سب سے زیادہ بدتر وہ ہے جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر رہ چکا ہو اور ان کے گناہوں میں شریک رہ چکا ہو۔ لہٰذا خبردار ایسے افراد کو اپنے خواص میں شامل نہ کرنا کہ یہ ظالموں کے مددگار اور خیانت کاروں کے بھائی بند ہیں اور تمہیں ان کے بدلے بہترین افراد مل سکتے ہیں جن کے پاس انہیں کے جیسی عقل اور کارکردگی ہو اور ان کے جیسے گناہوں کے بوجھ اور خطاؤں کے انبار نہ ہوں۔ انہوں نے کسی بھی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد نہ کی ہو اور نہ کسی گناہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہو یہ وہ لوگ ہیں جن کا بوجھ تمہارے لئے ہلکا ہوگا اور یہ تمہارے بہترین مددگار ہوں گے اور تمہاری طرف محبت کا جھکاؤ بھی رکھتے ہوں گے اور اغیار سے انس والفت بھی نہ رکھتے ہوں گے انہیں کو اپنے مخصوص اجتماعات میں اپنا مصاحب قرار دینا اور پھر ان میں بھی سب سے زیادہ حیثیت اسے دینا جو حق کے حرف تلخ کو کہنے کی زیادہ ہمت رکھتا ہو اور تمہارے کسی ایسے عمل میں تمہارا ساتھ نہ دے جسے پروردگار اپنے اولیاء کے لئے ناپسند کرتا ہو چاہے وہ تمہاری خواہشات سے کتنی زیادہ میل کیوں نہ کھاتی ہوں۔'' ۳۶

اس طرح آپ نے یہ واضح کردیا کہ وہ افراد جو ذاتی مفادات کے لئے وفاداریاں بدلتے ہیں انحراف کرتے ہیں۔ عام زبان میں دل بدلو کہلاتے ہیں ان سے محتاط اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ یہ وہ مال ہوتا ہے جو کسی بھی وقت خریدا جاسکتا ہے اور اشعث بن قیس کی طرح وفاداریاں بدل سکتا ہے وزیر وہ ہو جسے دولت یقین حاصل ہو، جو تشکیک کا شکار نہ ہو بلکہ جس کے پاس عزم وثبات واستقلال ہو اور جو مالک اشتر، عمار یاسر اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص اور حضرت محمد ابن ابی بکر کی طرح پہاڑ کے چٹانوں جیسی وفاداری کا تصور رکھتا ہو۔

دور حاضر کے لئے یہ بہت بڑا اثاثہ اور سرمایہ ہے جو امیر المومنینؑ کے ارشاد میں ہے۔ اور

اسی روشنی میں عوام کو بھی اپنے نمائندوں کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ایسے لوگ نہ ہوں جو کرسیوں میں گوندلگا کے اقتدار کی خاطر چپک جائیں۔

وزراء یعنی منتظمہ یاعاملہ کے لئے امیر المومنینؑ کے ان ارشادات کو پیش کرنے کے بعد ایک پہلو اور پیش کرنا ہے اور وہ عدلیہ سے متعلق ہے۔

کسی ملک میں اگر ایسا نظام درکار ہے جہاں ہر بے راہ روی پر لگام کسی جاسکتی ہے اور مطلق العنایت یعنی ڈکٹیٹر شپ اور بدعنوانی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے تو اس کے لئے ایک ایماندار اور کارگر عدلیہ ضروری ہے۔ عدلیہ کے افراد کا انتخاب اور ان کے صفات کیسے ہوں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے امیر المومنینؑ کا ارشاد ہوتا ہے:

''اس کے بعد لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ان افراد کا انتخاب کرنا جو رعایا میں تمہارے نزدیک سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ اس اعتبار سے کہ نہ معاملات میں تنگی کا شکار ہوتے ہیں اور نہ جھگڑا کرنے والوں پر غصہ ہوتے ہیں۔ نہ غلطی پر اڑ جاتے ہوں اور حق کے واضح ہوجانے کے بعد اس کی طرف پلٹ کر آنے میں تکلف کرتے ہوں اور نہ ان کا نفس لالچ کی طرف جھکتا ہو اور نہ معاملات کی تحقیق میں ادنی فہم پر اکتفا کر کے مکمل تحقیق نہ کرتے ہوں۔ شبہات میں توقف کرنے والے ہوں اور دلیلوں کو سب سے زیادہ اختیار کرنے والے ہوں۔ فریقین کی بحثوں سے اکتا نہ جاتے ہوں اور معاملات کی چھان بین میں پوری قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوں اور حکم کے واضح ہوجانے کے بعد نہایت وضاحت سے فیصلہ کردیتے ہوں۔ نہ کسی کی تعریف سے مغرور ہوتے ہوں اور نہ کسی کے ابھارنے پر اونچے ہوجاتے ہوں۔ ایسے افراد یقیناً کم ہیں لیکن ہیں۔

پھر اس کے بعد تم خود بھی ان کے فیصلوں کی نگرانی کرتے رہنا اور ان کے عطایا میں اتنی وسعت پیدا کردینا کہ ان کی ضرورت ختم ہوجائے۔''

اس مقام پر قاضیوں کے حسب ذیل صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

(۱) خود حاکم کی نگاہ میں قضاوت کرنے کے قابل ہو (۲) تمام رعایا سے افضیلت کی بنیاد پر منتخب کیا گیا ہو (۳) مسائل میں الجھ نہ جاتا ہو بلکہ صاحب نظر واستنباط ہو (۴) فریقین کے جھگڑوں پر غصہ نہ کرتا ہو (۵) غلطی ہوجائے تو اس پر اکڑتا اور اڑتا نہ ہو (۶) لالچی نہ ہو (۷) معاملات کی مکمل تحقیق کرتا ہو اور کاہلی کا شکار نہ ہو (۸) شبہات کے موقع پر جلد بازی سے کام نہ لیتا ہو بلکہ دیگر مقررہ

قوانین کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہو (۹) دلائل کو قبول کرنے والا (۱۰) فریقین کی طرف مراجعہ کرنے سے اکتاتا نہ ہو بلکہ پوری بحث سننے کی صلاحیت رکھتا ہو (۱۱) تحقیقات میں بے پناہ قوت صبر وتحمل کا مالک ہو (۱۴) لوگوں کے ابھارنے سے کسی کی طرف جھکاؤ نہ پیدا کرتا ہو۔

ایسے نہ جانے کتنے امور ہیں جو دور حاضر کے لئے اور دور حاضر کے لئے ہی کیوں بلکہ ہر دور کے لئے معنویت رکھتے ہیں اس سلسلے میں مولانا ذیشان حیدر کا مفید حاشیہ درج کیا جا چکا ہے۔

اب تک جتنے مسائل کی طرف متوجہ کیا گیا ان سب کا تعلق سیاست سے تھا دور حاضر میں ایک عجیب وغریب بیماری نے وبائی ہیجان کی شکل اختیار کرلی ہے یہ بیماری تجد دپسندی کے نام پر ہر پرانے رواج کو دقیانوسیت یا بدعت کی سند دینے کی قائل ہے۔ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

''دیکھو کسی ایسی سنت کو مت توڑنا جس پر امت کے بزرگوں نے عمل کیا ہے اسی کے ذریعہ سماج میں الفت قائم ہوتی ہے اور رعایا کے حالات کی اصلاح ہوتی ہے اور کسی ایسی سنت کو رائج نہ کردینا جو گذشتہ سنتوں کے حق میں نقصاندہ ہو۔''

ذیشان صاحب نے اس کے حاشیے میں لکھا ہے کہ اس سنت سے مراد وہ اجتماعی طریقے ہیں جو ہر سماج میں پائے جاتے ہیں اور جن کے ذریعے سماج کے نظام کی اصلاح کی جاتی ہے اس کا سنت پیغمبرؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس میں مضراور مفید کی تقسیم کا کوئی امکان ہے۔

یہ پہلو دور حاضر میں جو مباح تقریبات ہوتی ہیں یعنی نذر ونیاز میں لوگ ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں اور جس سے باہمی میل جول اخوت اور ربط خاص پیدا ہوتا ہے اتحاد بین المسلمین کو فروغ ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اپنے ذاتی بخل کی وجہ سے اسے دقیانوسیت یا بدعت کہنے لگے ہیں جبکہ برسہا برس سے یہ دستور یا یہ اجتماعیت ہم آہنگی باہمی احترام اور وسیع النظری پیدا کرتی ہے اوراس سے سماج میں ایسی صحت مند روایات قائم ہوتی ہیں جن سے بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔

یہ ہیں کچھ نکات جنہیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں بلاغت کا جوش ہے فصاحت کی مستی ہے۔ کبھی معلوم ہوتا ہے کسی مجاہد کی آنکھیں میدان محاربہ میں شرارے برسا رہی ہیں۔ کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے زخم دل پہ مرہم رکھ رہا ہے۔

کاش.......ہمارے اندر اتنی فہم پیدا ہوسکے کہ ہم اسے پڑھ سکیں نشان راہ بنا سکیں اس لئے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہوائیں چاہے کتنا ہی اپنا رخ بدلیں

موسم تبدیل ہو جائے، سورج کی روش بدل جائے، سراب سے حباب پیدا ہو لیکن یہ وہ کتاب ہے جو ہر قید زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ اس کا جلال و جمال مرد خدا کے کمال کی دلیل ہے۔ شاید یہ شعر کسی حد تک اس کی بلندیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

حوالے:

۱۔ ترجمہ نہج البلاغہ از علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم ص ۵۷۳

۲۔ ترجمہ نہج البلاغہ از علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم ص ۵۷۵

۳۔ ترجمہ نہج البلاغہ از علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم ص ۵۷۷

نہج البلاغہ کے ترجموں کا اجمالی تجزیہ

تبصرہ:　مولانا سید محمد جابر جوراسی

"....اُردو زبان میں نہج البلاغہ کے کئی ترجمے شائع ہوئے اور ہر ترجمہ کسی نہ کسی انفرادی حیثیت کا حامل تھا، غالباً سب سے پہلے جناب مولوی حکیم ذاکر حسین صاحب اختر بھرت پوری مرحوم نے" نیرنگ فصاحت" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا، اور غالباً یہ پہلی کتاب تھی جس میں نہج البلاغہ کے پورے متن کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ مگر اس میں اختصار کو اس حد تک ملحوظ رکھا گیا تھا کہ اصل عبارت ہی نہیں شامل کی گئی تھی ۔ جناب مترجم مرحوم نے سید رضیؒ کی ان عبارتوں کا ترجمہ بھی ترک کردیا تھا جو سیدؒ نے جابجا امیر المومنینؑ کے بعض کلمات کی تشریح میں درج نہج البلاغہ کی تھیں یہ ترجمہ بہت عرصہ ہوا مقبول پریس دہلی سے شائع ہوا تھا۔ پھر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔"

دوسرا ترجمہ جناب علامہ ظفر مہدی صاحب گہرجائسی مرحوم مدیر" سہیل" یمن کا ۱ہے جو ترجمے کی لطافت وشگفتگی اور سیر حاصل تشریحی حواشی کی وجہ سے بہت ہی فائق اور ممتاز تھا مگر مولانا موصوف صرف بائیس خطبوں کا ترجمہ کرسکے یا یہ کہا جائے کہ صرف اتنے ہی شائع ہوسکے تھے جب علاّمہ مرحوم کی علالت پھر انتقال نے تکمیل کار کا ہر امکان ہی ختم کردیا۔

ان دو ترجموں کے علاوہ حال ہی میں پاکستان سے دو نئے ترجمے شائع ہوئے ہیں ایک ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنس لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے اور اس کے ترجمہ، اور تشریح میں شیعہ اور سنی دونوں مکاتب خیال کے ارباب علم ودانش اور صاحبان قلم سے مدد لی گئی ہے اور بہت سے مفید مطالب کے اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ دوسرا ترجمہ جناب مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مجتہد کا ہے جسے ادارۂ علمیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ ۲ یہ دونوں ترجمے اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بیحد قابل قدر ہیں لیکن ملکی تقسیم اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی دشواریوں کے سبب ان کا حصول ہندوستان کے شیدایان لسان اللہ کے لئے آسان نہیں ۳

ان ترجموں کے علاوہ ایک ترجمہ حضرت حجۃ الاسلام جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ طاب ثراہ سابق مدیر ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار جیسے یگانۂ روزگار عالم ومحقق کے قلم سے تھا جن کے علمی

خدمات اور مذہبی احسانات سے برصغیر کا شاید ہی کوئی شیعہ گھرانہ ناواقف ہو، یہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ مختصر سی شرح بھی ہے اور محققانہ انداز سے کہ اگر اسی انداز سے پوری کتاب مکمل ہوگئی ہوتی تو پھر کسی ترجمہ اور شرح کی احتیاج نہ ہوتی مگر افسوس کہ جناب مرحوم کا قلم صرف ایک سو سات خطبوں ہی تک اپنی منزل طے کرسکا تھا کہ کسی ناگہانی افتاد کے سبب اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور یہ کتاب پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔ ہم نے اس کتاب کا آغاز جناب مرحوم ہی کے ترجمے اور شرح سے کیا ہے تاکہ حقائق ومعارف کا یہ بہترین ذخیرہ جو عرصے سے نایاب تھا پھر ایک مرتبہ منظر عام پر آجائے جس قدر خطبات کے ترجمے ہمیں دستیاب ہوسکے وہ ہم نے ابتدا میں دیئے ہیں اس کے بعد بقیہ کتاب مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ اور شیخ غلام علی اینڈ سنس لاہور کے شائع کردہ ترجموں سے مکمل کی ہے۔ اس طرح ہم یہ ترجمہ مسلم الثبوت ارباب قلم کی کاوشوں کا ثمرہ اور گلہائے رنگا رنگ کا دل آویز گلدستہ بناکر پیش کررہے ہیں۔

آخر میں ہم نے صاحب سلونی کا وہ نادر روزگار خطبہ بھی شامل کردیا جس میں امیر المومنینؑ نے ایک جگہ بھی الف کا استعمال نہیں کیا ہے۔ [۴] یہ خطبہ اگرچہ جناب سید رضیؒ نے نہج البلاغہ میں درج کیا مگر کئی محققین اور علمائے اسلام نے اسے اپنی کتابوں میں بڑے اہتمام سے نقل کیا ہے۔ اس خطبے کا ترجمہ۔ [۵] حضرت حجۃ الاسلام الحاج مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ مجتہد صدر مدرسہ جوادیہ بنارس کے سحر کار قلم سے ہے۔ [۶]

عرض ناشر کے بعد جامع نہج البلاغہ علامہ شریف رضیؒ کی مختصر سوانح حیات ہے [۷] سوانح حیات کے بعد مولف نہج البلاغہ علامہ شریف رضی علیہ الرحمہ کا تحریر کردہ دیباچہ مع ترجمہ وتشریح کے ہے۔ [۸] اس کے بعد باب المختار میں امیر المومنینؑ کے منتخب خطبات واحکام ہیں۔ خطبہ نمبر ا سے لیکر خطبہ نمبر ۷۰ تک ترجمہ وشرح حجۃ الاسلام مولانا سید علی حیدر نقوی مدیر اول ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار کے قلم سے ہے۔ [۹] حصہ دوئم میں خطبہ نمبر ۷۱ سے خطبہ ۲۳۸ تک ترجمہ وتشریح علامہ مفتی جعفر حسینؒ کے قلم سے ہے۔ [۱۰] حصہ سوئم میں مکتوبات ورقعات ہیں جن کا ترجمہ مولوی عبد الرزاق خاں ملیح آبادی کے قلم سے ہے اس حصہ کا آغاز ''پہلا بول'' کے عنوان سے ہے [۱۱] اس میں ترجمہ کے سلسلہ میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ:

''ترجمہ جیسا بھی ہے آپ کے سامنے ہے، اس میں خامیاں بھی ہوسکتی ہیں، لیکن یہ بات

میرے لئے تسلی کی ہے کہ ترجمہ صحیح ہے۔ میں نے اردو زبان کی سلاست بھی کہیں کہیں صحت ترجمہ پر قربان کردی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس ترجمہ کو سامنے رکھ کر عربی ادب کے شیدائی ''نہج البلاغہ'' کا مطالعہ کریں گے تو بہت فائدہ اٹھائیں گے [۱۲]

نہج البلاغہ کے سلسلہ میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ سید رضیؒ نے ''نہج البلاغہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس لئے نہیں تیار کیا تھا کہ امیر المومنینؑ کا سب کلام جمع کردیں، بلکہ مقصود یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ فصیح وبلیغ کلام چن لیا جائے یعنی ''نہج البلاغہ'' امیر المومنینؑ کے کلام کا مکمل مجموعہ نہیں ہے بلکہ فصیح ترین کلام کا مجموعہ ہے۔ [۱۳] اپنی اس تحریر کے آخر میں انہوں نے اپنے نام کے بعد جگہ اور سنہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ نئی دہلی نومبر ۱۹۵۰ء۔

پہلا بول کے بعد دس صفحات پر مشتمل مترجم عالم اہلسنت مولوی عبد الرزاق صاحب کا مقدمہ ہے۔ [۱۴] مقدمہ کا آغاز انہوں نے اس طرح کیا ہے: ''امیر المومنین علیہ السلام خلافت کو اپنا ہی حق سمجھتے تھے مگر قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندان رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی اور وہ اس سے کھیل نہ سکیں گے۔ اسی لئے قریش خلافت کو اہلبیتؑ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے [۱۵]''

مقدمہ میں تاریخ کے نشیب وفراز کو مجملاً پیش کیا گیا ہے شہادت امیر المومنینؑ کے سلسلہ میں انہوں نے تحریر کیا ہے:

''ابن ملجم کی تلوار نے حضرت علیؑ کا کام تمام نہیں کیا بلکہ پوری امت مسلمہ کو قتل کرڈالا۔ تاریخ کا دھارا ہی بدل ڈالا، ابن ملجم کی تلوار نہ ہوتی، خلافت منہاج نبوت پر استوار رہتی اور امت مسلمہ سچ مچ ''خیر امت'' ہوکر ''شہداء علی الناس'' کے منصب کی مالک بن جاتی لیکن بدبخت ابن ملجم کی تلوار نے بنی امیہ کی شہنشاہی اور اس کی تمام تخریبوں کے لئے راہ صاف کردی۔ ابن ملجم کی تلوار سے ''خیر امت'' کا خاتمہ ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون [۱۶]

مقدمہ کے بعد اہل کوفہ کے نام حضرتؑ کے مکتوب اور اس کے ترجمہ سے، مکتوبات ورقعات ووصایا کا آغاز ہے۔ [۱۷] حصہ چہارم کا آغاز صفحہ ۷۷۸ سے ہے، اس حصہ میں ملفوظات وکلمات مع ترجمہ وحواشی علامہ سید مرتضی حسین فاضل طاب ثراہ ہیں۔ اس حصہ میں ۲۲ صفحات پر مشتمل زیر عنوان ''کلام علیؑ کا عربی ادب پر اثر'' علمی وتحقیقی تحریر ہے۔ [۱۸] پھر اس کے بعد ملفوظات وکلمات

قصار کا اُردو ترجمہ ہے۔ جو کلمہ ۴۷۲ پر تمام ہے۔[۱۹]

آخر کتاب میں خطبۂ معجزہ یعنی امیر المومنینؑ کے خطبہ بلاالف کا ترجمہ ہے[۲۰] جو ظفر الملت مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہؒ نے اس رعایت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ترجمہ میں بھی الف نہ آنے پائے۔

نہج البلاغہ کے اس زیر نظر نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پانچ سرکردہ شیعہ وسنی علماء کے تراجم شامل کیے گئے ہیں۔

حواشی:

۱۔ سلسبیل فصاحت:

۲۔ ماضی قریب میں علامہ سید ذیشان حیدر جوادیؒ کا ترجمہ نہج البلاغہ ۱۹۹۸ء میں ادارہ تنظیم المکاتب لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔ جس کی ضخامت ۸۰۰ صفحات کی ہے۔

۳۔ اب ان کے حصول میں پہلی جیسی دشواریاں نہیں۔

۴۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کا جو کلام شامل ہونے سے رہ گیا ہے اسے حیدر آباد کے مشہور عالم وخطیب حجۃ الاسلام علامہ سید رضا آقا صاحب قبلہ نے ایک ضخیم کتاب میں جمع کیا ہے اور اس کا نام ''نہج الاسرار'' رکھا ہے۔ اسکی ضخامت ۴۲۳ صفحات ہے۔

۵۔ منقول از ہفت روزہ سرفراز لکھنؤ، رجب نمبر ۱۳۵۶ھ۔

۶۔ نہج البلاغہ مع ترجمہ وحواشی صفحہ ۱۹۔۲۰۔

۷۔ ایضاً صفحہ ۲۱ تا ۲۴۔

۸۔ ایضاً صفحہ ۲۵ تا ۳۹۔

۹۔ ایضاً صفحہ ۴۰ تا صفحہ ۲۶۶۔

۱۰۔ ایضاً صفحہ ۲۶۹ تا صفحہ ۷۰۷۔

۱۱۔ ایضاً صفحہ ۷۱۱ و ۷۱۲۔

۱۲۔ ایضاً صفحہ ۷۱۲۔

۱۳۔ ایضاً صفحہ ۷۱۲۔

۱۴۔ ایضاً صفحہ ۷۱۳ تا ۷۲۳۔

۱۵۔ ایضاً صفحہ ۱۳۷۔

۱۶۔ ایضاً صفحہ ۲۲۳۷۔

۱۷۔ ایضاً صفحہ ۲۴۷ تا صفحہ ۸۷۵۔

۱۸۔ ایضاً صفحہ ۸۷۹ تا صفحہ ۹۰۰۔

۱۹۔ ایضاً صفحہ ۹۰۱ تا صفحہ ۱۰۰۴۔

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۱۰۰۵ تا صفحہ 1012۔

☙•❧

ارشادات علویہ کی روشنی میں علم وعمل کے درمیان باہمی ارتباط

سید محمد جواد ہادی

جس طرح قرآن کریم خزانۂ علوم وفنون اور تمام جوانب حیات بشری پر محیط ہے اس طرح نہج البلاغہ جو'' فوق کلام البشر ودون کلام اللہ'' کا مصداق ہے، ایک مجموعہ گراں بہا ہے، جو اپنے دامن میں انسان کی حیات دنیوی واخروی کے لئے عظیم سرمایہ سمیٹے ہوئے ہے۔ لیکن اس کلام عظیم اور سرمایۂ بے نظیر سے عملی زندگی میں جو فائدہ اٹھانا چاہئے تھا مسلمان کماحقہ وہ فائدہ حاصل نہ کرسکے۔ کم وبیش وہی سلوک نہج البلاغہ کے ساتھ ہورہا ہے۔ جو کچھ کلام اللہ مجید کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ مسلمان قرآن کو کلام اللہ سمجھ کر اس کا بھرپور احترام کرتے ہیں۔ قرآن کے مفاہیم کی تشریح میں درجنوں تفسیریں لکھی گئیں، مگر عملی زندگی سے قرآن غائب ہے۔ وہ جس توجہ کا استحقاق رکھتا ہے مسلمانوں نے کبھی بھی وہ توجہ اس کی طرف نہیں کی۔ نہج البلاغہ حیات بشری کی سعادت کا مکمل ضامن ہے علمی وفنی لحاظ سے اگر چہ کم وبیش مورد توجہ رہا ہے اور علماء ومحققین نے مفاہیم نہج البلاغہ کی تشریح وتفسیر میں قابل قدر اقدام کئے ہیں ۔ مگر عملی زندگی میں نہج البلاغہ ویسا ہی مہجور واقع ہوا ہے، جس طرح کلام اللہ ، در حالیکہ نہج البلاغہ میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کو کماحقہ اجاگر کیا گیا ہے اور انسانی معاشرہ کی سعادت کے لئے ہر میدان میں مکمل ضابطۂ حیات دیا ہے۔ انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کے پیچیدہ ترین مسائل کا فطری حل اور عملی زندگی سے متعلق ہزاروں مشکلات کے علاج کے لئے نافع ترین نسخہ موجود ہے۔ لیکن نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ میدان عمل میں مسلمانوں نے قرآن کے مانند نہج البلاغہ کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے اغیار کی طرف دست گدائی بڑھایا اور ایسے معاشرے کے مسائل کا حل جن کے افراد قرآن اور نہج البلاغہ کے روح پرور آیات اور خطبات سے مانوس اور اس کا نسخہ ان کے مزاج کے مطابق تھا۔ قرآن ونہج البلاغہ سے حاصل کرنے کے بجائے نامتجانس قوانین سے لینا چاہا جو مسلمانوں کے درد کا خاتمہ کرنے کے بجائے اضافہ کا باعث ہوتا رہا ہے۔ اس مقام پر مسلمانوں

سے مولا علیؑ کی وہ وصیت یاد آرہی ہے جو آپ نے قرآن کی اہمیت اور عملی زندگی میں اس کی افادیت کے بارے میں مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

الله الله فی القرآن لایسبقکم بالعمل به غیر کم

خدا را خدا را قرآن کو نہ بھولیں، ایسا نہ ہو کہ عملی میدان میں اغیار تم سے زیادہ خدائی نسخہ سے فائدہ اٹھائیں۔

جن خطرات کی جانب مولیٰ علیؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔ بعینہ سامنے آچکے ہیں، قرآن کریم نے جو کچھ انسانیت کے لئے باعث رشدو ہدایت قرار دیا ہے آج مسلمانوں نے اسے نظر انداز کردیا ہے۔ لیکن اغیار اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں ۔ اسی طرح نہج البلاغہ نے مسلمانوں کی سعادت وعزت، سرفرازی وسربلندی کے لئے جو ہدایت دی ہیں، مسلمانوں کے بہ نسبت اغیار نے ان پر زیادہ کاربند رہنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمانوں نے قرآن اور نہج البلاغہ کا دامن چھوڑنے کے نتیجے میں خسارہ کے سوا کچھ نہ پایا اور خسر الدنیا والاخرہ ذالک هو الخسران المبین کے مصداق قرار پائے۔ اس مقالہ میں کوشش کی جائے گی کہ اس بحر علوم وفنون اور صحیفہ ہدایت وسعادت یعنی نہج البلاغہ سے وہ نور تلاش کریں جس کی روشنی میں مسلم معاشرہ عملی زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل کا صحیح حل تلاش کرسکے۔ ہماری کوشش ہے کہ نہج البلاغہ کا ایک تحقیقی موضوعاتی مطالعہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کریں۔

علم اور عالم

موضوع کے انتخاب کے سلسلے میں معیار کی اہمیت اور ضرورت ہے اسی معیار کے پیش نظر سب سے پہلا موضوع ''علم'' انتخاب ہوا ہے۔ لہذا اس مقالے میں علم کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی جائے گی اس سلسلہ میں جن عناوین کو فوقیت حاصل ہے، وہ یہ ہیں۔

۱۔علم اور مومن ۲۔فضیلت ومنزلت علم ۳۔علم اور عمل کا باہمی رابطہ

۴۔علم اور جہل ۵۔علم اور مال کا موازنہ ۶۔اقسام علم ۷۔علم اور تعقل وتفکر

۸۔علم وحلم ۹۔اہل علم کی ذمہ داری ۱۰۔اہل علم وطالبان علم کے لئے رہنما اصول

۱۔ علم اور مومن

علم کی اہمیت نہج البلاغہ کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مولا امیر المومنینؑ کی فرمائشات پر غور کیا جائے جو آپ نے علم وحکمت کی تحصیل کے سلسلے میں اہل ایمان کو ترغیب دلانے کے لئے ارشاد فرمائے ہیں۔ امام عالی مقام اپنے گہر بار کلمات قصار میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الحکمة ضالة المومن فخذ الحکمة ولو من اھل النفاق۱

حضرت علیؑ علم وحکمت کو اہل ایمان کی عزیز ترین گمشدہ چیز سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اس تعبیر میں ایک خاص لطافت ہے جس کا احساس ان کلمات گہربار کے عمیق مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ علم وحکمت درحقیقت مومن ہی کی ملکیت ہے۔ اگر مومن اور اہل ایمان کے بجائے اہل کفر وضلالت کے پاس نظر آئے تو گویا وہ مومن ہی سے کسی طریقے سے چھینی گئی ہے لہٰذا مومن کا فرض اولین ہے کہ اس قیمتی سرمایہ کو جسے مولا امیر المومنینؑ نے ایک جگہ پر" الحکمة وارثة کریمه" سے تعبیر فرمایا ہے فوراً واپس لینے کی کوشش کرے۔ حضرت فرماتے ہیں مومن کو چاہئے کہ اپنی اس عزیز تر گمشدہ ملکیت کو جلد از جلد حاصل کرے اور اگرچہ یہ حکمت گمشدہ ملکیت اس وقت اہل نفاق ہی کے پاس ہی کیوں نہ پائی جائے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ جب کسی کی کوئی قیمتی چیز گم ہوجاتی ہے تو وہ کس بے قراری کے ساتھ صبح وشام اس کی تلاش میں رہتا ہے۔ اپنا آرام وآسائش، کھانا پینا، سب کچھ چھوڑ کر اس گمشدہ چیز کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔ جہاں کہیں ملنے کا شائبہ بھی ہوتا ہے وہاں فوراً پہنچ جاتا ہے۔ سردی، گرمی، سفر کی سختیاں مال ودولت کی بربادی سب کچھ تحمل کرلیتا ہے صرف اس لئے کہ کہیں سے اور کسی طرح سے اپنی گمشدہ شئی عزیز کو حاصل کرسکے۔ جب اس گمشدہ چیز کا سراغ مل جاتا ہے تو جہاں اور جس کے پاس بھی ہو اسے فوراً حاصل کرلیتا ہے پھر یہ نہیں دیکھتا کہ وہ جس کے پاس ہے وہ اہل ایمان ہے یا اہل نفاق، کہاں کا ہے اور کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ چیزیں نظر میں نہیں ہوتیں صرف ایک ہی چیز سامنے ہوتی ہے اور وہ اپنی گمشدہ شئی کا حصول ہے۔ جس کے پاس بھی ہو اس سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ منت وسماجت سے ترغیب وتخویف سے پیار اور محبت سے ہر مناسب طریقہ استعمال کرتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نگاہ میں مومن اور علم کا وہی رشتہ

ہے جو کسی فرد کا اپنی عزیز ترین گمشدہ شئ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مولا چاہتے ہیں کہ مومنین علم وحکمت کے لئے محنت وجانفشانی سے کام لیں۔ جہاں اور جس کے پاس ملے اسے حاصل کرلیں۔ اس لئے کہ علم وحکمت مومن کا زیور ہے۔ علم وحکمت وراثت کریمہ ہے۔ علم وحکمت گمشدہ مومن ہے۔ مولا علیؑ ایک دوسری جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

خذ الحکمة انی کانت فان الحکمة تکون فی صدر المنافق فتلجلج فی صدره حتی تخرج فتسکن الی صعابها فی صدر المومن۔

حکمت جہاں ملے لے لو حکمت جب منافق کے سینہ میں ہوتی ہے تو بے قرار رہتی ہے یہاں تک کہ منافق کے سینے سے مومن کے سینے میں منتقل ہوجائے اس وقت اسے قرار ملتا ہے۔

مولا علیؑ کے ان کلمات سے واضح ہے کہ آپ علم وحکمت کے کس قدر گہرے تعلق کے قائل ہیں مولا کے ان جملات پر غور کرنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے امام اور پیشوا اپنے پیروکاروں کو علم وحکمت کی دولت سے مالا مال ہونے کا کس قدر شوق دلاتے تھے۔ ہم جب خاصان خدا اور ائمہ معصومینؑ کے کلمات پر غور کرتے ہیں تو یہ نکتہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ کبھی ''طلب العلم فریضه علیٰ کل مسلم ومسلمة'' کی صورت میں تحصیل علم کی طرف ترغیب دلاتے ہیں کبھی ''اطلبو العلم من المهد الیٰ اللحد'' کی صورت میں مسلمانوں کو ''گہوارہ تا گور دانش بجو'' کی تلقین فرماتے ہیں اور کبھی ''اطلبو العلم ولو بالصین'' کا دستور صادر کرکے دنیا کے دور ترین گوشوں تک تحصیل علم کی خاطر سفر کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح طالب علم اور عالم کے مراتب وفضائل اور ان کے اجر اخروی کے ذکر اور انسانی معاشرے میں علماء صالح کے مراتب وفضائل اور ان کے اجر اخروی کے ذکر اور انسانی معاشرے میں علماء صالح کے مثبت آثار ونتائج کے تذکرہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو جہل وظلمت کی تاریک وادیوں سے نکال کر علم وحکمت کے زیور سے آراستہ کرکے ان کو دنیا میں انسانی معاشرے کی ہدایت اور پیشوائی کا خلعت پہنادیں مگر افسوس آج جب ہم مسلم معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ خداوند عالم، مرسل اعظمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات کو پس پشت ڈالدینے کے نتیجے میں آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ اور تمام علوم وفنون میں غیروں کے محتاج نظر آتے ہیں جبکہ یہی اسلام تھا جس نے جزیرة العرب کے وحشی ترین معاشرے کو تھوڑے ہی عرصے میں علم وحکمت کا گہوارہ بنادیا تھا جبکہ غیر مسلم بالخصوص اہل یورپ جہل وظلمت بھرے

معاشروں میں حیراں وسرگرداں تھے اور مسلمانوں کی ترقی وکمالات کو لالچ بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ اہل یورپ مسلمانوں کے افکار اور علوم سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے مسلمان دانشوروں کی تالیفات وتصنیفات کو صدیوں تک اپنی بڑی درسگاہوں میں پڑھاتے رہے۔ نتیجے میں وہ فرزندان اسلام کے افکار عالیہ اور ان کے علوم وفنون کی روشنی میں جہل وظلمت سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور خود مسلمان اسلام کی تعلیمات سے آہستہ آہستہ بیگانہ اور دور ہوتے چلے گئے۔ نتیجے میں ترقی وکمال کے منازل طے کرنے کے بجائے بڑی تیزی کے ساتھ انحطاط وزوال کے شکار ہونے لگے اور آج نتیجہ ہمارے سامنے ہے اگر ہم اسلام اور پیشوایان دین کی تعلیمات اور نصائح پر عمل کرتے ہوئے علم وحکمت کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے اور اپنے اسلاف کی میراث کی امانت داری سے حفاظت کرتے تو آج ہماری منزل بہت آگے ہوتی۔ آج بھی اگر مسلمانوں کو ہوش آجائے اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کریں اور علم وحکمت کو اپنی میراث اور عظمت وزینت سمجھ کر اسے حاصل کرنے کی مہم شروع کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ایک عظیم قوت بن کر دنیا کو اپنی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہ کردیں۔

فضیلت ومنزلت علم

علم ودانش جو انسانی معاشرہ کا سب سے عظیم سرمایہ ہے جس سے انسان کی سعادت دنیوی واخروی وابستہ ہے۔ اسلام نے اس علم کو فضائل وکمالات کے صحیفے میں سرفہرست رکھا ہے۔ جس قدر اسلام نے علم ودانش کی خدمت کی ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب اور آئین میں نہیں مل سکتی اسلام نے علماء اور دانشوروں کو معاشرے میں جو عظمت اور برتری دی ہے، علم کی جو قدر کی ہے، طالب علم اور علماء کے لئے جو فضائل وکمالات بیان کئے ہیں کسی آئین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مولا امیر المومنینؑ جو میدان علم ودانش کے یکتہ شہسوار ہیں علم کی عظمت ومنزلت کو بیان فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

کل وعاء یضیق بما جعل فیه الآوعاء العلم فانه یتسع به[۲]

حضرت علیؑ یہاں علم کا ایک بہت لطیف موازنہ فرماتے ہیں۔ علم کا دوسری چیزوں کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر ظرف اپنے اندر ایک خاص مقدار تک گنجائش رکھتا ہے۔ اس

مقدار معین کے بعد ہر ظرف لبریز ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ مقدار کو اپنے اندر سمونے کی گنجائش نہیں رکھتا، یہ فضیلت تو صرف علم ہی کو حاصل ہے کبھی اس کی فرضیت لبریز نہیں ہوتی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک خاص حد تک علم و دانش حاصل کرنے کے بعد مزید علم کی گنجائش نہ رہ گئی ہو۔ علم و دانش ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اگر بیک وقت کائنات کی پوری مخلوق اس میں تیرنا شروع کرے تب بھی اس کے کناروں کا پتہ نہ چل سکے گا۔

علم کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے حضرت علیؑ ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

قطع العلم عذر المتعللین[۳]

علم نے بہانے بازوں کے تمام بہانوں کے دروازے بند کردیئے ہیں۔ اور اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرنے کی صورت میں اہل علم کا کوئی بھی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ حضرت علیؑ اس فرمائش میں اہل علم کو ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں نہایت نازک اور لطیف انداز سے متنبہ فرماتے ہیں۔ ہم سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ معاشرے کے مختلف مسائل اور مشکلات چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، اخلاقی ہوں یا سیاسی ومعاشی ان کا صحیح اندازہ تعلیم یافتہ طبقہ ہی کرسکتا ہے۔ ان مسائل اور مشکلات کے مختلف پہلوؤں اور ان کے اصل اسباب وعلل کا صحیح جائزہ اسی دانشور طبقہ کے امکان میں ہے۔ لہٰذا اگر ان مشکلات ومسائل کا صحیح حل کوئی پیش کرسکتا ہے تو وہ اہل علم ودانش ہی ہوسکتے ہیں اور اسی طبقے سے اس کی توقع بھی کی جاسکتی ہے بلکہ ان کے علمی مدارج کے پیش نظر یہ ان کا اخلاق واجتماعی فریضہ ہے کہ اپنے معاشرے کے دکھ درد میں شریک ہوکر ان کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں اپنا پورا کردار ادا کریں۔ اگر انہوں نے اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی یا مختلف تاویلات اور عذر پیش کرنے کی کوشش کی تو ان کا یہ عذر اور درگاہ ایزدی نیز ضمیر کی عدالت میں مقبول نہ ہوگا۔ اگر ایک عام فرد علم ودانش سے بے بہرہ انسان اپنے فرائض کی ادائیگی میں پس وپیش کرے تو شاید اسے نظر انداز کیا جاسکے۔ لیکن اہل علم ودانش کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ فضیلت علم وعلماء اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ بوجھ اٹھانے کے لئے آمادہ ہوں۔ اگر آج ہم اپنے معاشرے میں یہ دیکھتے ہیں کہ اہل علم ودانش کماحقہ اپنے فرائض کا احساس نہیں کرتے اور معاشرے کی بنیادی ضروریات اور مشکلات کو نظر انداز کرکے دوسرے چھوٹے موٹے کاموں میں مشغول رہ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا اور اس کو عذر وبہانہ بنا کر بنیادی مسائل کے حل میں حصہ لینے

سے کتراتے ہیں ۔ مسلم معاشرے کی ثقافتی وتعلیمی پسماندگی ، اخلاقی بدحالی، معاشی استحصال ، سیاسی استعمار اور مسلمان معاشرہ پر اغیار کی سیاسی، فوجی ، معاشی اور ثقافتی یلغار کو بھول کر صرف ایک دو چھوٹے موٹے مسائل میں اپنے کو مشغول کر کے اور پھر اسی کو عذر وبہانہ بنا کر اپنے حقیقی فرائض کی انجام دہی سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ تو اس قسم کے افراد مولا امیر المومنینؑ کی نظر میں فرض شناس افراد کے زمرہ سے خارج ہیں اور ان کا علم قیامت کے دن ان پر حجت رہے گا۔

اہل علم کی ذمہ داری دوسروں کی نسبت اس وجہ سے بھی زیادہ ہے کہ اہل علم ، عالم اور دانشمند ہونے کی وجہ سے فضیلت وکمال کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہیں۔ اس فضیلت ومرتبہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوسروں کی نسبت بہتر کردار ادا کریں۔ اس لئے کہ ان سے زیادہ توقعات وابستہ ہیں لہٰذا اگر ہم دیکھتے کہ روایات واحادیث میں ان علماء کی مذمت کی گئی ہے جو اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں تو درحقیقت اس کی یہی وجہ ہے۔

اہل علم کے لئے جو فضائل ومراتب بیان ہوئے ہیں۔ وہ صرف اسی ادائیگی فرض کی خاطر ہے اسی وجہ سے مولا کا ارشاد ہے:

لا خیر فی علم لا ینفع [۴]

جس علم کا کوئی عملی فائدہ نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ علم جس سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے اس کی کوئی فضیلت نہیں۔

علم وعمل کا باہمی رابطہ:

دین مقدس اسلام نے جو عظمت ومنزلت علم کو دی ہے وہ کسی دوسری چیز کو نصیب نہیں ہوئی ہے اور نہ کسی دوسرے نظام وآئین نے علم کو اس حد تک قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام نے علم کو یہ منزلت بطور مطلق اور ہر صورت میں نہیں بخشی ہے بلکہ شرط یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل بھی ہو اگر علم عمل سے جدا ہو تو نہ صرف یہ کہ وہ علم اسلام کی نظر میں بے وقعت ہے بلکہ ایسے علم اور ایسے اہل علم کی سخت مذمت بھی ہوئی ہے اسی نکتہ کو مزید واضح کرنے کے لئے امیر المومنین حضرت علیؑ کے چند ارشادات خاص طور پر قابل غور ہیں۔

حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

اوضع العلم ماوقف علی اللسان وارفعه ماظهر فی الجوارح والارکان ۵

ترجمہ: ''پست ترین علم وہ ہے جو صرف زبان کی حد تک محدود ہو اور بلند مرتبہ ترین علم وہ ہے جو عملاً انسان کے اعضاء وجوارح سے ظاہر ہو۔''

مولا امیر المومنینؑ کے اس جملے سے بخوبی واضح ہے کہ آپ علم کو مطلق اور غیر مشروط طور پر لائق احترام نہیں سمجھتے بلکہ اس علم کے لئے عظمت کے قائل ہیں جس پر خود صاحب علم عملاً کاربند ہو اور جو صاحب علم میدان عمل میں اپنے علم ودانش پر کاربند نہ ہو اس کے علم کو حضرت علیؑ نے پست ترین علم قرار دیا ہے۔

حضرت علیؑ علم وعمل کا باہمی گہرا رابطہ بیان کرتے ہوئے ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

العلم مقرون بالعمل والعلم یهتف بالعمل فان اجابه والآ ارتحل عنه ۶

علم عمل کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ پس جو عالم ہو وہ عمل بھی کرے کیونکہ علم ہمیشہ اپنے ساتھی عمل کو آواز دیتا ہے اگر جواب مثبت ملے تو ٹھیک ہے ورنہ علم بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

جناب امیر علیہ السلام اپنے اس ارشاد میں علم وعمل کا دائمی رابطہ اور گہرا تعلق بیان فرماتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی نظر میں علم وعمل انسان کے دو بال اور دو پر ہیں کہ ان دونوں کی سلامتی کی صورت میں ہی انسان ترقی وکمال کی منازل طے کرسکتا ہے۔ اگر علم ہو لیکن علم ودانش کے مطابق عمل نہ ہو تو اس علم کا عملی زندگی میں کیا اثر ہوسکتا ہے۔ اس طرح اگر عمل بغیر علم ودانش کے ہو تو یہ نہ فرد اور نہ معاشرہ کسی کے لئے بھی مفید نہیں ہوسکتا علم سے بہرہ صرف عمل ہی کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے اگر صاحب علم اپنی دانش کو بروئے کار نہ لائے تو نہ خود اس علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ معاشرے کو اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے اعمال ایسے ہیں جس سے پورے معاشرے کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ اعمال یا تو ان لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں جو علم ودانش کے بغیر اندھا دھند عمل کرتے ہیں یا پھر ان کے اعمال ان کے علم ودانش کے بالکل خلاف ومتضاد ہوتے ہیں۔ مثلاً شراب نوشی، تمباکو نوشی کے مضرات کو طبیب اور ڈاکٹر حضرات سب سے زیادہ جانتے ہیں لیکن عملاً وہ اس کے مرتکب ہوتے ہیں یا دوسرے اخلاقی امراض جس کو اہل علم جاننے کے باوجود اس میں مبتلا رہتے ہیں تو ایسے علم کا عملی زندگی میں کوئی ثمرہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

فان العامل بغیر علم کا لسائر علی غیر طریق فلایزیده بعده عن الطریق الواضح الاّ بعداً من حاجته و العامل بالعلم کالسآئر علی الطریق الواضح فینظر ناظرٌ اسآئر هوأم راجع ے

جو شخص علم کے بغیر عمل کرتا ہے وہ اس کے مانند ہوتا ہے جو اپنی منزل مقصود تک جانے والے راستے کے بجائے کسی اور راستے پر چل پڑے نتیجے میں وہ جوں جوں آگے بڑھے گا اپنی منزل سے دور ہوتا چلا جائے گا لیکن جو شخص علم کی روشنی میں عمل کرے وہ ایسا ہوتا ہے جو مستقیم اور صاف ستھرے راستے پر منزل کی طرف جا رہا ہو لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے یا پیچھے آنا چاہتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے ان حکمت بھرے کلمات پر غور کرنے سے علم و عمل کے باہمی تعلق و رابطہ کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے اور عملاً مشاہدے میں بھی یہی آیا ہے کہ اگر علم و تجربہ کے بغیر کوئی عمل کرنا چاہے تو اس کو کتنی مشکلات اور خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا حضرتؑ کے ان کلمات کی روشنی میں ہر کام، ہر مشن اور ہر عمل کے لئے اس سے متعلق معلومات ضروری تربیت اور تجربہ حتمی طور پر حاصل کرنا چاہئے اگر ہم اپنی قوم وملت کے لئے کسی بھی میدان میں کوئی بھی کام کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کام سے متعلق مسائل اور امور میں آگاہ و دانا افراد کی دانش اور ان کے تجربے سے فائدہ اٹھائیں۔ بطور مثال اپنی ملت کو ظلم و طاغوت کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانا چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنے حقوق، استقلال اور آزادی کے لئے جدوجہد کرسکیں تو اس کے لئے مرحلہ بہ مرحلہ قدم بقدم مضبوط منصوبے صحیح پروگرام علم و تجربے کی روشنی میں آگے بڑھنا ہوگا۔ اگر ہم نے یہ سب چیزیں نظر انداز کیں بلکہ ایک اندھی تحریک شروع کی تو یقیناً ہم حضرت علی علیہ السلام کی اس فرمائش کے مطابق منزل مقصود تک پہنچنے کے بجائے آہستہ آہستہ منزل سے دور ہوتے چلے جائیں گے اور ایک وقت جب دیکھیں گے تو منزل اور ہمارے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوگا وقت گزر چکا ہوگا۔ ہم ہوں گے اور مسائل ومشکلات کا پہاڑ ہمارے سامنے ہوگا۔

مولا امیر المومنین علیہ السلام اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وان العالم العامل بغیر علمه کالجاهل الحائر الذی لایستفیق من جهله بل الحجة علیه اعظم والحسرة له الزم وهو عند الله الوم ۸

وہ عالم جو اپنے علم و دانش کے مطابق عمل نہیں کرتا اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ ایسے حیران وسرگردان جاہل کے مانند ہوتا ہے جو کبھی اپنی جہالت سے ہوش میں نہیں آتا۔ ایسے عالم پر خدا کی

حجت تمام ہے اور حسرت و پشیمانی اس کے لئے حتمی ہے اور خدا کی بارگاہ میں وہ ملامت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

ان کلمات پر ذرا غور کریں کہ مولا علیؑ کس تاکید سے اہل علم و دانش کو اپنے علم پر عمل کرنے اور اس سے نیک مقاصد کے لئے فائدہ اٹھانے کی تاکید فرماتے ہیں اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے انہیں کس طرح سے سرزنش کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو آپ نے ایسے بے ہوش اور غافل سے تعبیر فرمایا ہے جو کبھی ہوش میں نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان اپنے امامؑ کے ان کلمات کو اپنے عمل کے لئے راہنما اصول کے طور پر قبول کریں اور ان کے بتائے ہوئے اصول پر سختی سے کاربند رہنے کا فیصلہ کریں تو مسلمانوں کی پسماندگی اور قافلہ تمدن و ترقی سے عقب ماندگی بہت جلد ختم ہوسکتی ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے علم سے فائدہ اٹھانے پر نہایت ہی پر زور الفاظ میں تاکید فرماتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آپ کا یہ ارشاد قابل غور ہے:

یاجابر قوام الدین والدنیا باربعة عالم مستعمل علمه وجاهل لایستنکف ان یتعلم وجواد لایبخل بمعروفه وفقیر لایبیع آخرته بدنیاه فاذا ضیّع العالم علمه استنکف الجاهل ان یتعلم واذا بخل الغنی بمعروفه باع الفقیر آخرته بدنیاه [9]

اے جابر دین و دنیا کی بنیاد چار چیزوں پر ہے اول یہ کہ اہل علم اپنے علم کو استعمال کریں اور اس سے معاشرے کے مسائل اور مشکلات کے لئے فائدہ اٹھائیں دوسرے یہ کہ معاشرے میں موجود ناخواندہ طبقہ جہل اور ناخواندگی جیسے کمزوری کو دور کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ سخاوتمند اور مالدار حضرات بذل و بخشش میں بخل سے کام نہ لیں چوتھے یہ کہ فقیر اور غریب طبقہ مال و منازل دنیا تک پہنچنے کے لیے ایسے اعمال سے پرہیز کرے جس سے ان کی آخرت خراب ہوسکتی ہے۔

حضرت علیؑ نے دین و دنیا کی بنیاد چار چیزیں قرار دی ہیں جن میں سب سے پہلے وہ عالم ہے جو اپنے علم کو بروئے کار لائے اور اس سے فائدہ اٹھائے اگر ایسا نہ کرے تو بہت سارے نقصانات کے علاوہ ایک بڑا نقصان یہ ہوگا کہ معاشرے میں جہل و ناخواندگی کا مرض پھیل جائے گا اور لوگ علم و معرفت کی نعمت سے محروم ہوجائیں گے۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ علیہ السلام علم کے ساتھ صرف عمل کا ہونا ضروری نہیں سمجھتے ہیں بلکہ عمل کے بغیر علم کو بے فائدہ اور بے ثمر سمجھتے ہیں:

الداعی بلاعمل کا الرامی بلاوتر!

جو شخص خود عمل نہیں کرتا لیکن دوسروں کو عمل کی دعوت دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی بغیر تیر کے نشانہ مارنا چاہتا ہو۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کے ان ارشادات سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کی نظر میں علم وعمل کے اشتراک ہی سے معاشرے کی تقدیر بدل سکتی ہے ورنہ صرف علم ودانش انسانی مسائل کے حل میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتی۔

انشاء اللہ ہم مسلمان اپنے مولا کے ان ارشادات پر بیش از پیش توجہ دیں۔ ایک طرف علمی میدان میں ترقی اور مسلمانوں کی علمی پسماندگی کو ختم کرنے کے منصوبے بنائیں اور دوسری طرف اپنے علم ودانش سے معاشرے کے مسائل کے حل کے لئے صحیح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں تاکہ ہم امیر المومنینؑ کی اس ملامت اور سرزنش کے مستحق نہ ٹھہریں جہاں آپ فرماتے ہیں کہ:

جاھلکم مزدادٌ وعالمکم مسوف" کہ تم کیسے لوگ ہو کہ تمہارا جاہل اور نادان طبقہ "عمل بغیر علم" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا ہے اور تم میں جو دانشور وعالم ہیں وہ عمل سے لاتعلق اور بیگانہ ہیں۔[11]

حوالے:

۱۔کلمات قصار ۸۰
۲۔کلمات قصار ۳۰۵
۳۔کلمات قصار ۲۸۴
۴۔مکتوب ۳۸
۵۔کلمات قصار علی علیہ السلام ۹۲ نہج البلاغہ
۶۔کلمات قصار ۳۶۶
۷۔خطبہ ۱۵۲
۸۔خطبہ ۱۱۰
۹۔کلمات قصار ۳۷۲
۱۰۔کلمات قصار ۳۳۷
۱۱۔کلمات قصار ۲۸۳

دور حاضر میں نہج البلاغہ کی اہمیت

پروفیسر سید محمد سیادت نقوی
امام جمعہ امروہہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی قدیم وجدید، مروّجہ وغیر مروّجہ اور زندہ ومردہ تمام زبانوں میں کوئی زبان ایسی نہیں جس میں کم از کم محدود خطے اور محدو علاقے کے سماج اور معاشرے کی اصلاح اور تہذیب واخلاق انسانی کے عروج وارتقاء کو اولین حیثیت نہ دی جاتی رہی ہو۔ چنانچہ ہر زبان میں اس اصلاحی عنصر کی اہمیت کے پیش نظر ایسا ماحول بھی تعمیر کیا جاتا رہا ہے جو اس بنیادی مقصد کو پورا کرنے میں معاونت کرسکے اور اس زبان کے لئے عوامی مقبولیت کا ضامن بھی ہو۔ اسی لئے ہر زبان میں زندگی کے اس عظیم موضوع کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے، جسے سماجی اصطلاح کے مطابق وعظ ونصیحت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی جتنی بھی قدیم زبانیں ہیں، ان تمام زبانوں میں اس اہم موضوع پر زبردست لٹریچر اور مواد پایا جاتا ہے۔ بلکہ بیشتر زبانوں میں تو بڑا حصہ وعظ وحکمت پر ہی مشتمل ہے، یعنی ان زبانوں کی بنیادی قدامت کا سبب اور ان کی مقبولیت کا راز ہی وعظ وحکمت کی ترویج وتبلیغ میں مضمر ہے۔

عربی زبان جو دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں اپنی لسانی نوعیت کے اعتبار سے ابتداہی سے انفرادیت کی حامل رہی ہے۔ جس میں حیات انسانی سے متعلق ان تمام موضوعات پر مفصل ومجمل دونوں حیثیتوں سے مکمل مواد پایا جاتا ہے۔ جو حیات انسانی کے لئے ہر زمانے میں ناگزیر سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اس میں بھی وعظ وحکمت کے موضوع کو بطور خاص اہمیت دی گئی ہے۔ جس کا اولین اور لاثانی نمونہ ''قرآن مجید'' ہے، جسے خالق کلام کا کلام ہونے کا شرف حاصل ہے اور دوسرا نمونہ کلام، کلام رسولؐ ہے۔ جو احادیث کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد عربی نثر میں ''نہج البلاغہ'' کے نثری انداز وآہنگ اور اسلوب وعظ وحکمت کا جواب باوجود ارتقائے علم وادب آج تک کوئی نہیں لاسکا۔

قرآن مجید اور کتب احادیث کی حیثیت اپنے متکلم کی عظمت کے اعتبار سے بالکل علیحدہ ہے۔

لیکن اس کے بعد ''نہج البلاغہ'' ایک ایسا مجموعہ کلام ہے جس کی مثال دنیائے علم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حقیقتاً کلام خدا اور کلام رسولؐ ہی نہج البلاغہ کی اساس اور سرچشمہ ہیں۔ انہیں کی تشریحات وتوضیحات کو نہج البلاغہ میں موضوع کلام قرار دیا گیا ہے۔

نہج البلاغہ کے خطبات ومکتوبات کو منظر عام پر آئے ہوئے ایک ہزار سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن اس کی لسانی وادبی اہمیت اور اس کے اثرات نیز اس کے موضوعات ومواد میں آج تک کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طویل عرصے کے لسانی تغیرات وانقلابات کے باوجود یہ ایک ایسا زندہ وپائندہ کلام ہے کہ ارتقائے علم اور ارتقائے بشریت کے ساتھ اس کی مقبولیت اور اثر انگیزی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

رفتار زمانہ کے ساتھ جس کے ارتقائے علم وحکمت کے ذریعے روز بروز، نو بہ نو انکشافات رونما ہورہے ہیں۔ اسی قدر یہ کلام بلیغ دل کی دھڑکنوں کو تیزی، احساسات وجذبات کو لطافت اور آنسوؤں کو روانی عطا کررہا ہے اور جب تک انسانیت باقی رہے گی یہ کلام دنیائے انسانیت کی رہنمائی کرتا رہے گا اور بشریت کو اس کے نقطہ عروج وارتقاء کے سلسلے میں محو جستجو رکھے گا۔

حقیقتاً نہج البلاغہ کی علمی ولسانی اہمیت کو کماحقہ سمجھنا عام انسان کے دائرہ فکر سے باہر ہے۔ اسی لئے دنیا کے وہ زبردست صاحبان فکر ونظر جن کی علمی بصیرت اور لسانی عظمت دنیائے ادب میں مسلمہ حیثیت رکھتی ہے، اس کی لسانی عظمت اور فکری پرواز کو دیکھ کر'' تحت کلام الخالق وفوق کلام البشر'' کہے بغیر نہ رہ سکے اور زندگی بھر اس کے گہرہائے آبدار سے ضیا حاصل کرتے رہے ہیں۔

اس عظیم کلام کا خالق وہ عظیم انسان اور وہ لاثانی شخصیت ہے جسے رسول اکرمؐ نے بابِ شہر علم وحکمت ہونے کا شرف بخشا۔ جیسا کہ مرسل اعظمؐ کی متفقہ حدیث ہے کہ'' انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا'' یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس شہر کا دروازہ ہیں۔ یہ قول اس عالم علم لدنّی کا ہے'' جسے خالق کائنات نے ویعلمہم الکتاب والحکمۃ[۱] کی سند عطا فرمائی ہے۔ کیا کہنا بلاغت کلام رسالت کا کہ رسول اکرمؐ نے خود کو شہر علم فرمایا ہے۔ بیت العلم یا دار العلوم نہیں فرمایا۔ جبکہ بظاہر ''بیت'' اور ''دار'' کی لفظیں زیادہ قرین ذہن وقیاس معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن پیغمبر اسلامؐ نے ان دونوں سامنے کے الفاظ کو نظر انداز کرکے '' شہر'' کے لفظ کو منتخب فرمایا۔ اس لئے کہ لفظ'' بیت'' اور'' دار'' اپنے مفہوم ومعنی کے لحاظ سے محدود ومتعین ہیں جو کسی مخصوص فرد یا مخصوص خاندان سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن

لفظ ''شہر'' کا اطلاق اپنے وسعت مفہوم ومعنی کے اعتبار سے ایک ایسے مقام کے لئے ہوتا ہے جسے بیک وقت مختلف النوع اور مختلف الخیال اقوام وقبائل کی مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔

حقیقتاً رسول اکرمؐ نے اس حدیث میں اپنے لئے لفظ ''شہر'' استعمال کر کے اپنی علمی لامحدودیت کی طرف انتہائی بلیغ پیرایۂ بیان میں ارشاد فرمایا ہے، یعنی جس طرح ایک شہر میں مختلف النوع اور مختلف الخیال اقوام اپنے علیحدہ علیحدہ طرز حیات کے مطابق نشوونما اور پرورش پا کر اپنی شہری نوعیت کے اعتبار سے ایک ہیں اسی طرح رسول اکرمؐ کی ذات والا صفات، مختلف النوع علوم، خواہ معلومہ ہوں یا غیر معلومہ، ان تمام علوم کا بحیثیت مجموعہ ایک مرکز وماویٰ ہیں اور جس طرح رسول اکرمؐ تمام علوم کا ملجاوماویٰ ہیں بالکل اسی طرح علی ابن ابیطالبؑ کی ذات ان تمام علوم کا منبع ومخرج ہے۔

حقیقتاً تاریخ انسانیت میں رسول اکرمؐ کے بعد مولائے کائنات حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی ذات دنیائے علم وحکمت میں ایک ایسی منفرد ذات ہے کہ تاریخ انسانیت جس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

دور حاضر جسے ہر اعتبار سے علم وحکمت کے ارتقاء وعروج کا دور تصور کیا جاتا ہے جس میں سائنسی تحقیقات وایجادات اس طرح تیزی سے اپنی معراج حاصل کر رہی ہیں کہ صبح کی تحقیق شام تک باسی ہوجاتی ہے۔ اس زبردست ارتقاء عروج کے باوجود خطیب منبر سلونی کے علمی کمالات کا احاطہ کرنا اور جن حکیمانہ اسرار ورموز کے انکشافات آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر پیش کئے جا چکے ہیں۔ ان انکشافات کے سلسلے میں شمہ برابر روشنی ڈالنا آج کی علمی دنیا کے بس سے باہر ہے۔ حقیقتاً باب مدینۃ العلم کی شخصیت علم وحکمت کا ایک ایسا بحرِ بیکراں ہے۔ جس کی وسعت، عمق اور حدود کا تصور کرنا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ جیسا کہ مولائے کائنات کا وہ خطبہ جو خطبۂ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے اس میں آپ نے خود اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

ینحدر عنّی السّیل ولا یرقی الیّ الطّیر۔[۲]

''علوم ومعارف، میرے سرچشمۂ فیض سے سیلاب کی طرح جاری ہوتے ہیں۔ کوئی کتنا بھی تیز پرواز کیوں نہ ہو، علم ودانش کے آسمان میں وہ میری رفعت وبلندی کو نہیں پہنچ سکتا۔''

نہج البلاغہ جو آپ کے فرمودات کا ایک ایسا نایاب وگرانقدر خزانہ ہے جس کے گہرہائے آبدار اپنی تابش اور تابندگی سے ہر دور میں صاحبان علم وحکمت کی نگاہوں کو خیرہ کرتے رہے ہیں۔ زندگی

سے متعلق کوئی موضوع ایسا نہیں ہے۔ جس پر اس گرانقدر علمی سرمایہ میں مختلف انداز سے روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ چنانچہ تاریخ انسانیت میں کوئی دور ایسا نہیں ملتا جس میں بقدر ظرف اس سے اخذ فیض نہ کیا گیا ہو اور اس کی علمی برتری اور حکیمانہ عظمت تسلیم نہ کی جاتی رہی ہو۔

جہالت اور علمی کم مائیگی کے سبب وہ فطری حقائق جو آج سے تقریباً ایک ہزار سال پیشتر پردۂ خفا میں تھے اس دور ارتقاء میں جدید تحقیقات اور سائنسی انکشافات کے ذریعے جس قدر بے نقاب ہوتے جارہے ہیں، نہج البلاغہ کی قدر و منزلت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اس نایاب علمی سرمائے کی طرف عام طور پر اذہان متوجہ ہورہے ہیں۔ صاحبان فکر و نظر اس بحر ذخار میں غوطے لگا کر گہر ہائے آبدار کی تلاش و جستجو میں مصروف ہیں۔

یہاں انہی فرمودات میں سے چند اقوال پیش کئے جارہے ہیں۔ تاکہ ہماری نئی نسل کو مولائے کائنات کے عالمانہ جاہ وجلال اور ان کی حکیمانہ عظمت کا ہلکا سا اندازہ ہوسکے اور اپنی تجرباتی زندگی کو اس گرانقدر علمی خزانے کے ذریعہ کامیابی سے ہمکنار کرسکے۔

چنانچہ ایک مقام پر خلقت انسانی اور اس کے اعضاء وجوارح پر اظہار کرتے ہوئے ان اعضاء کے بنیادی حقائق پر بلیغ اشاریت کے ذریعے اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

"اعجبوا لهذا الانسان ينظر بشحمٍ، ويتكلم بلحم، ويسمع بعظمٍ، ويتنفس من خرم۔"[۳]

لائق تعجب ہے یہ انسان کہ چربی سے دیکھتا ہے، گوشت کے لوتھڑے سے بولتا ہے، ہڈی سے سنتا ہے اور ایک سوراخ سے سانس لیتا ہے۔

آج جبکہ طبی تحقیقات اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہی ہیں۔ یہ بات پوری طرح ثابت ہوچکی ہے کہ انسان کا نقطۂ بصارت چربی ہے، جس سے وہ دیکھتا ہے اور کان میں ایک ایسی ہڈی ہے جس پر آواز جاکر ٹکراتی ہے اور اس کے ارتعاش سے قوت سماعت پیدا ہوتی ہے۔ جسے مولائے کائنات ایک ہزار سال پیشتر واضح کرچکے ہیں۔

علم وحکمت کے بنیادی حقائق اور اس کی افادیت سے روشناس کرنے کے سلسلے میں نہج البلاغہ میں بڑے اہتمام سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جابجا مختلف انداز سے زندگی میں اس کی اہمیت وضرورت پر انتہائی بلیغ پیرایہ بیان میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر حیات انسانی میں فلسفہ و

حکمت کی اہمیت وعظمت کا احساس بیدار کرنے کے لئے حصول حکمت کے سلسلے میں اس طرح پر زور انداز اختیار کیا جاتا ہے۔

"خذا الحكمة انّى كانت فان الحكمة تكون فى صدر المنافق فتلجلج فى صدره حتى تخرج فتسكن الى صواحبها فى صدر المومن۔"[۴]

حکمت جہاں کہیں ہو وہاں سے حاصل کرو۔ اس لئے کہ حکمت منافق کے سینے میں بھی ہوتی ہے لیکن جب تک اس کی زبان سے نکل کر مومن کے سینے میں نہیں پہنچ جاتی ہے اس وقت تک تڑپتی رہتی ہے۔

یا ایک مقام پر حکمت کو مرد مومن کی ملکیت بتاتے ہوئے اس کے حصول کے لئے مومن کے دل میں اس طرح جذبۂ آمادگی کو برانگیختہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

الحكمة ضالة المومن فخذ الحكمة ولو من اهل النفاق۔"[۵]

حکمت مومن ہی کا گمشدہ مال ہے۔ اسے حاصل کرو۔ چاہے منافق سے لینا پڑے۔

علم کی اہمیت اور اس کی افادیت پر بھی مختلف پہلوؤں سے اظہار خیال کیا گیا ہے چنانچہ کبھی علم کی حقیقت اور اس کی افادیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ:

"العلم علمان مطبوعٌ ومسموعٌ ولا ينفع المسموع اذالم يكن المطبوع۔"

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو سننے کے بعد قلب کی گہرائیوں میں اتر جائے اور نفس میں رچ بس جائے اور دوسرا وہ کہ جو صرف سننے کی حد تک رہے۔

یعنی وہ علم جو سننے کے بعد دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اس کے ذریعے عالم باعمل بن جاتا ہے جو صحیح مقصد علم ہے اور جس علم کا تعلق صرف سننے تک محدود رہتا ہے اور علمی دنیا میں جس کا اظہار نہیں ہوتا وہ نہ خود عالم کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے اور نہ سماج کے لئے۔ لہٰذا علم کے حصول کا مقصد خود کو اور سماج کو فائدہ پہنچانا ہونا چاہئے جو صرف عالم باعمل بننے کے بعد حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور مقام پر علم وعمل کی ایک دوسرے سے وابستگی پر الفاظ بدل کر اس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ جس کا علمی دنیا میں کوئی وجود نہیں، وہ انسانیت کو تباہ وبرباد کرنے والا ہے اور وہ علم جو باعمل بھی ہے صرف وہی دنیا میں انسانیت کی فلاح وبہبود کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً

العلم مقرون بالعمل فمن علم عمل و العلم يهتف بالعمل فان اجابه و الا ارتحل عنه۔

علم، عمل سے وابستہ ہے۔ لہٰذا جو یہ جانتا ہے وہ عمل بھی کرتا ہے اور علم عمل کو پکارتا ہے اگر وہ لبیک کہتا ہے تو بہتر ورنہ پھر علم بھی اس سے کوچ کر جاتا ہے۔

یعنی اگر صاحب علم، عمل کی حقیقت کو سمجھتا ہے تو وہ عالم باعمل بنتا ہے اور وہ جتنا باعمل بنتا ہے، اسی قدر اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور سماج کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے اور اگر صاحب علم عمل کی حقیقت کو نظر انداز کر کے بے عملی کو اپنا شعار بنالیتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ حاصل کیا ہوا علم بھی اس سے رخصت ہوجاتا ہے اور ایک وقت وہ بھی آجاتا ہے کہ وہ بالکل ورق سادہ بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور مقام پر علم وعمل کی وابستگی پر روشنی ڈالتے ہوئے علم کی حقیقی اقدار کو اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

"اوضع العلم ما وقف علی اللسان وارفعه ماظهر فی الجوارح والارکان" ۸

یعنی وہ علم بہت بے قدروقیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بہت بلند ہے جو انسان کے اعضاء وجوارح سے نمودار ہو۔

ایک مقام پر علم کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس عطیہ خداوندی کی ایک ایسی منفرد وممتاز صفت کو جو ہر صاحب علم کے یہاں وسعت ظرف پیدا کردیتی ہے۔ اس طرح موضوع کلام قرر دیا گیا ہے۔

"کل وعاء یضیق بما جعل فیه الا وعاء العلم فانه یتسع" ۹

یعنی ہر ظرف اس چیز سے کہ جو اس میں رکھی جاتی ہے تنگ ہوجاتا ہے۔ مگر علم کا ظرف، جتنا علم بڑھتا ہے وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے۔

ایک مقام پر مولائے کائناتؑ نے تحصیل علم کے بنیادی مقاصد کو بیان کرتے ہوئے علم کی عظمت وافادیت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے جس سے ہر طالب علم مقصد علم سے بخوبی واقف وآشنا ہوکر حصول علم کی طرف بھرپور دلچسپی اور لگن کے ساتھ راغب ہوسکے تاکہ علم عالم اور سماج دونوں کے لئے باعث طمانیت وسکون قرار پائے۔ بے چینی اور اضطراب کا سبب نہ بن سکے۔ اس لئے کہ بعض مقامات پر علم عالم اور سماج دونوں کے لئے الجھنوں کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا علم یقیناً لائق نفرت وبیزاری ہوتا ہے۔ چنانچہ مولیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

"سل تفقها ولاتسئل تعنتا فان الجاهل المتعلم ، شبيه بالعالم وان العالم المتعسف شبيه بالجاهل المتعنت"[۱۰]

ایک شخص نے آپ سے ایک مشکل مسئلہ دریافت کیا جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھو۔ الجھنے کے لئے مت پوچھو۔ اس لئے کہ وہ جاہل جو سیکھنا چاہتا ہے مثل عالم کے ہے، اور جو عالم الجھنا چاہتا ہے وہ مثل جاہل کے ہے۔

ایک مقام پر عالم کے صحیح مقام سے اس طرح آشنا کیا گیا ہے:

"الفقيه كل الفقيه من لم يقنط الناس من رحمة الله ولم يوسيهم من روح الله ولم يومنهم من مكرالله"[۱۱]

یعنی صحیح معنی میں پوری طرح عالم ودانا وہ شخص ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس اور اس کی مایوسی سے بالکل مطمئن کردے۔

اس کے علاوہ ایک خطبے میں عالم بے عمل کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

"فان العالم العامل بغير علم كالجاهل الحائر الذى لا يستفيق من جهله بل الحجة عليه اعظم والحصرة له الزم ، وهوا عند الله الوم" [۱۲]

یعنی وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا بلکہ اس پر اللہ کی حجت زیادہ ہے اور اس کے لئے حسرت و افسوس بھی لازم وضروری ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت بھی ہے۔

اب آخر میں چندوہ اقوال بھی ملاحظہ ہوں جو تہذیب اخلاق کے سلسلے میں مولائے کائنات نے ارشاد فرمائے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر نصیحت کا حکیمانہ انداز ملاحظہ ہو۔

"اذاتمّ العقل نقص الكلام" [۱۳]

یعنی جب عقل مکمل ہوجاتی ہے تو باتیں کم ہوجاتی ہیں۔

یا ایک مقام پر خیر الکلام ماقل ودل کی بہترین مثال ملاحظہ ہو۔

"المرء مخبوء تحت لسانه" [۱۴]

یعنی انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔

اسی نظریے کو دوسرے مقام پر وضاحت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ

"تکلموا تعرفوا فان المرء مخبوء تحت لسانہ"[۱۵]

بات کرو تا کہ پہچانے جاؤ اس لئے کہ آدمی اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔

یعنی کسی انسان کے عیب و ہنر اس وقت تک سامنے نہیں آتے جب تک وہ کچھ بولتا نہیں ہے۔

اسی بات کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

تا مردِ سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد[۱۶]

اس حکیمانہ قول سے سماج کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ انسان کو معاشرے میں کم سے کم بولنا چاہئے تا کہ وہ کم سے کم غلطی کا مرتکب ہوسکے۔

حقیقتاً انسان کی چرب زبانی اس کی پریشاں خیالی کے سبب ہوتی ہے اور پریشاں خیالی اس کی عقل کی خامی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جب انسان کی عقل کامل اور فہم میں پختگی آجاتی ہے تو اس کے ذہن وفکر اور نظریات وخیالات میں توازن پیدا ہوجاتا ہے۔

دنیائے انسانیت کو اپنے بلیغ انداز بیان ولطیف اشاریت کے ذریعے تہذیب اخلاق کا درس اس طرح بھی دیا جاتا ہے جو اپنے مقام پر کلیہ بھی ہے اور تعلیم بھی۔

"من لا ن عودہ کثفت اغضانہ"[۱۷] یعنی جس درخت کی لکڑی نرم ہوتی ہے اس کی شاخیں گھنی ہوتی ہیں۔

علم موسمیات بھی دیگر علوم متداولہ کی طرح انسانی زندگی میں زبردست حیثیت کا حامل ہے۔ ابتدا میں اگرچہ اس علم کی باقاعدہ کوئی شکل نہیں تھی۔ لیکن ترقی علم کے ساتھ جہاں دنیا کے دیگر جدید علوم کا انکشاف ہوا وہیں یہ علم بھی باقاعدہ ایک علم کی صورت میں سامنے آیا۔ اور آج تو قدم قدم پر ہر انسان کے لئے اس علم سے قربت خاص کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ مولائے کائنات نے اس وقت کہ جب اس علم کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ علم موسمیات اور اس کے تغیر پذیر اثرات پر طبی نقطۂ نظر سے اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"توقوا البرد فی اولہ وتلقوہ فی آخرہ فانہ یفعل فی الابدان کفعلہ فی الاشجار اولہ یحرق وآخرہ یورق"[۱۸]

یعنی شروع سردی میں سردی سے احتیاط کرو اور آخر میں اس کا خیر مقدم کرو۔ کیونکہ سردی ابتدا میں جسموں میں وہی عمل کرتی ہے جو درختوں کے ساتھ کرتی ہے کہ شروع میں درختوں کو جھلسا دیتی

ہے اور آخر میں سرسبز شادابی عطا کرتی ہے۔

حیات انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے مولائے کائنات نے اپنے خطبات ومکتوبات میں نمایاں طور پر نہ پیش کردیا ہو۔ نہج البلاغہ جہاں ان تمام علوم وفنون کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو رہتی دنیا تک ہر صاحب فکر کو دعوت فکر دیتا رہے گا اور علم وفن کے ہر متلاشی کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اس کے ساتھ اخلاقیات کا بھی ایک ایسا بے تھاہ سمندر ہے جس میں قیامت تک ہر متجسس ذہن غوطہ زنی کرکے اخلاقیات کے انمول موتی رولتا رہے گا۔ مفتی جعفر حسین صاحب نے بھی ایک مقام پر اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے۔

''نہج البلاغہ اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اس کے مختصر جملے اور ضرب المثلیں اخلاقی شائستگی، خود اعتمادی حق گوئی اور حق شناسی کا بہترین درس دیتی ہیں۔ [۱۹]

اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہوئے قوم کے تمام صاحبان فکر ونظر کی خدمت میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ علم وحکمت کی پر وقار راہوں اور سنگلاخ وادیوں میں نہج البلاغہ ہی ہر سرگرداں مسافر کے لئے شمع راہ بن کر اپنی تابانیوں سے بہترین رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ موجودہ ارتقائی دور میں اس کی علمی حیثیت میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ دنیا کے مفکرین وعلماء اس سے اخذ فیض کرنے کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں۔ لہٰذا ہمارا اولین فریضہ ہے کہ اس عظیم سرمائے کی اہمیت وعظمت کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اس سے فیضیاب ہونے کی کوشش کریں تاکہ ہمیں دنیا کی دوسری اقوام میں سربلندی حاصل ہوسکے۔

حواشی:

۱۔ قرآن کریم سورۂ جمعہ

۲۔ ترجمہ نہج البلاغہ، مرزا یوسف حسین لکھنوی ص ۱۸۸

۳۔ ترجمہ نہج البلاغہ علامہ مفتی جعفر حسین ص ۸۰۵

۴۔ ایضاً ص ۸۲۷

۵۔ ایضاً ص ۸۲۷

۶۔ ایضاً ص ۸۰۵

۷۔ ایضاً ص ۹۲۳

۸۔ ایضاً ص ۸۳۰

۹۔ ایضاً ص ۸۶۷

۱۰۔ ایضاً ص ۹۱۲

۱۱۔ ایضاً ص ۸۳۰

۱۲۔ ایضاً ص ۳۱۲

۱۳۔ ایضاً ص ۸۲۳

۱۴۔ ایضاً ص ۸۵۲

۱۵۔ ایضاً ص ۸۲۳

۱۶۔ حکایت گلستان شیخ سعدی

۱۷۔ ترجمہ نہج البلاغہ علامہ مفتی جعفر حسین ص ۸۷۰

۱۸۔ ایضاً ص ۸۴۳

۱۹۔ ایضاً ص ۲۰

تعلیم وتربیت ارشادات علویہ کی روشنی میں

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

نہج البلاغہ[۱] تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہے۔عرب دنیا جب تاریخ کے تصور سے ناواقف تھی اس دور میں مولا علیؑ کے یہ ارشادات تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔آپ کے خطبات ورقعات ساتویں صدی عیسوی کے سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی حالات کے مطالعہ کے لئے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب قرآن اور احادیث کے علاوہ کچھ اور مطالعہ کے لئے موجود ہی نہیں تھا۔ مولانا ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی میں، جو تیرہویں صدی عیسوی کی تاریخ کا ایک شاہکار ہے لکھتے ہیں ''صحابہ میں مرتضیٰؑ کو کئی حیثیتوں سے مسلمہ طور پر شرف حاصل ہے..... پانچویں یہ کہ صحابہ میں وسعت علم کے لحاظ سے ان کی نظیر نہ تھی''[۲]، برنی کا یہ جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مولا علیؑ کے علم اور نظام تعلیم سے متعلق ساتویں صدی میں دیے گئے ارشادات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

علم سے متعلق فرماتے ہیں'' وہ علم بہت بے قدر وقیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بلند پایہ ہے جو اعضاء وجوارح سے نمودار ہو'' ظاہر ہے کہ جو علم صرف بیان کیا جاتا ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں لیکن جس علم پر عمل کیا جائے وہ فائدہ مند ہے اور ایسا کرنے والے کو ہی عالم باعمل کہا جاتا ہے۔ مولا علیؑ کا ارشاد گرامی یہی ہے کہ علم رکھنے والے کو اس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔[۳] پھر فرماتے ہیں جب کوئی حدیث سنو تو اسے عقل کے معیار پر پرکھ لو، صرف نقل الفاظ پر بس نہ کرو، کیونکہ علم کے نقل کرنے والے تو بہت ہیں اور اس میں غور کرنے والے کم ہیں[۴] ہم مذہبی جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور مذہبی مسائل کا تجزیہ نہیں کرتے مولا علیؑ ساتویں صدی میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی حدیث سنو تو پہلے اس کو عقل کے معیار پر پرکھو کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ورنہ آج ہم اگر ایسی احادیث کو جگہ دیدیں گے جس کا کوئی تعلق رسول اللہؐ کے ارشادات سے نہیں ہے تو آنے والے دور میں یہ فساد کا باعث ہوگا لہٰذا آپ ہدایت فرما رہے ہیں پھر آپ اس دور کے لوگوں کی صلاحیتوں سے بھی واقف ہیں کہ غور وفکر کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔

پھر عالم کے مرتبے اور اس کے مقام کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ''انبیاء سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو ان کی لائی ہوئی چیزوں کا زیادہ علم رکھتے ہیں ۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابراہیمؑ سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو تھی جو ان کے فرمانبردار تھے اور اب اس نبیؐ اور ایمان لانے والوں کو خصوصیت ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا دوست وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور ان کا دشمن وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اگرچہ نزدیکی قرابت رکھتا ہو''۵

عالم کو ہدایت فرمارہے ہیں'' جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہئے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت وکردار سے تعلیم دینا چاہئے اور جو اپنے نفس کی تعلیم وتادیب کرے وہ دوسروں کی تعلیم وتادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے''۶ پہلے خود اپنے علم کو مکمل کرے پھر اپنے اخلاق کو درست کرے تب دوسروں کو تعلیم دے۔ آج تعلیم کے لئے تو بڑی دانشگاہیں ہیں لیکن اخلاق پر توجہ ہی نہیں۔ مولاعلیؑ کے مطابق علم بہترین سیرت کے ساتھ ہونا چاہئے تب اس علم کا دوسروں پر اثر ہوگا۔ مولاعلیؑ حضرت کمیل سے مخاطب ہوکر فرمارہے ہیں۔''اے کمیل! یہ دل اسرار وحکم کے ظروف ہیں۔ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عالم ربانی ، دوسرا متعلم جو نجات کی راہ پر برقرار ہے اور تیسرا اعوام الناس کا وہ گروہ جس نے نور علم سے کسب ضیا نہیں کیا۔ اے کمیل یاد رکھو کہ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے ۔ علم کی شناسائی ایک دین ہے۔ یاد رکھو کہ علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم ۔ اے کمیل ! مال اکھٹا کرنے والے زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں بے شک ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں مگر ان کی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں یہاں علم کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے کاش ! اس کے اٹھانے والے مجھے مل جاتے۷'' کس انداز میں آپ نے علم کی توجیح فرمائی ہے۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں اور اپنے شیعوں سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ علم کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے حاصل کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے؟ آج بھی دنیا میں اور ہندوستان میں جہاں ہم رہتے ہیں مسلمان اور شیعیان علیؑ تعلیم کے میدان میں ان کی شرح دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ آپ فرماتے ہیں'' جو عبرت حاصل کرتا ہے وہ بینا ہوجاتا ہے اور جو بینا ہوتا ہے وہ بافہم ہوجاتا ہے اور جو بافہم ہوتا ہے اسے علم حاصل ہوجاتا ہے ۸ جنہوں نے علم حاصل کرلیا ہے ان کے بارے میں فرماتے ہیں'' علم نے انہیں ایک دم حقیقت وبصیرت کے انکشافات تک پہونچادیا

ہے۔ وہ یقین واعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں۔''

علمائے بے عمل کے بارے میں فرماتے ہیں ''مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے لئے ہر اس شخص سے اندیشہ ہے جو دل سے منافق اور زبان سے عالم ہے۔ کہتا وہ ہے جسے تم اچھا سمجھتے ہو اور کرتا وہ ہے جسے تم برا سمجھتے ہو''۹

مولاعلیؑ نے علم تاریخ کی اہمیت کے بارے میں فرمایا ''گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات اس کے سامنے رکھنا۔ تمہارے پہلے لوگوں پر جو بیتی ہے اسے یاددلانا۔ ان کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا اور دیکھنا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا، کہاں سے کوچ کیا، کہاں اترے اور کہاں ٹھہرے ہیں۔''۱۰ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ یہ علم تاریخ کی بنیاد ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں نے علم تاریخ پر توجہ دی اور کام کیا۔ اس لئے کہ تاریخ سے ہمیں سبق حاصل کرنا ہے اور پھر اپنے مستقبل کی تعمیر کرنی ہے۔ جس صدی میں مولاعلیؑ نے یہ ارشادات جاری فرمائے۔ یوروپ اور ہندوستان اس سمجھ سے قطعی ناواقف تھا۔ قدیم ہندوستان کی کوئی تاریخ ہی نہیں لکھی گئی ہندوستان میں تاریخ نگاری کی صحت مند روایت مسلمانوں نے شروع کی۔ ہندوستان کے لئے مسلمانوں کا یہ بہت بڑا تحفہ تھا۔ پھر مولاعلیؑ فرماتے ہیں ''ان کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا'' یعنی آثار قدیمہ کا مطالعہ کرنا۔ تاریخ ہی نہ تھی تو دنیا آثار قدیمہ کے مطالعہ سے قطعی ناواقف تھی ہندوستان میں آثار قدیمہ پر کام کنگھم نے ۱۰ ویں صدی عیسوی سے کیا تب وادی سندھ کی تہذیب کی تاریخ لکھی گئی۔ آج مسلمان ان تمام میدانوں میں پیچھے ہے جن کی ہدایت ان کے امام اور خلیفہ چہارم ساتویں عیسوی میں دے چکے تھے۔ وزیر اعظم ہند ڈاکٹر منموہن سنگھ نے ''دہلی کے آثار قدیمہ'' نام کی کتاب کی رسم اجرا کے موقع پر ۲۸ رستمبر ۲۰۱۰ء کو فرمایا کہ دہلی ایک میوزیم ہے۔ لیکن دہلی کو میوزیم بنانے میں تیرھویں صدی عیسوی سے اٹھارویں صدی عیسوی تک کا یہ کارنامہ مسلمانوں نے انجام دیا۔ آج ہم اپنی تاریخ سے ہی واقف نہیں تو ہمیں کیا پتہ ہوگا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا کارنامے انجام دئے۔ آج دہلی میں عوام کو تو رہنے دیجئے۔ دہلی کی چار دانشگاہوں دہلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جواہر لال نہرو یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد کے کتنے اساتذہ اور طلباء نے دہلی کے ان آثار قدیمہ کو دیکھا ہے۔ خاص طور سے وہ اساتذہ اور طلبا جن کا تعلق شعبہ تاریخ، شعبہ فارسی، شعبہ عربی، شعبہ اردو، شعبہ اسلامک اسٹیڈیز سے ہے۔ مولاعلیؑ کے نہج البلاغہ میں

ارشاد فرمانے کا کیا اثر ہوا؟ سرسید احمد خاں نے مولا علیؑ کے ارشادات پر عمل کر کے ان کھنڈروں میں گھوم گھوم کر" آثار الصنادید ۱۸۴۶ میں لکھ دی جو دہلی کے آثار قدیمہ پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اتر پردیش ہائی کورٹ نے بابری مسجد مقدمہ میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا سے وہاں ہوئی کھدائی پر رپورٹ تیار کرائی۔ مولا علیؑ اس کی بات ساتویں صدی عیسوی میں کر رہے ہیں۔

علم تاریخ کی اہمیت اور اس کے مطالعہ کی اہمیت سے متعلق مولا علیؑ فرماتے ہیں" اے فرزند! اگر چہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی۔ پھر میں نے ان کی کارگزاریوں کو دیکھا، ان کے حالات وواقعات میں غور کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیر و سیاحت کی، یہاں تک کہ گویا میں بھی انھیں میں کا ایک ہو چکا ہوں۔ بلکہ ان سب کے حالات و معلومات جو مجھ تک پہونچ گئے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے ان کے اول سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گذاری ہے"[۱۱] ظاہر ہے کہ کسی بھی دور کی تاریخ کے مطالعہ کے بعد وہ شخص اس عہد میں پہونچ جاتا ہے اور پھر اس مطالعہ سے مستفید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولا علیؑ تاریخ کے مطالعہ پر زور دے رہے ہیں۔ اکیسویں صدی میں ٹیکنالوجی کے دور میں تاریخ کو پس پشت ڈالدیا گیا ہماری نئی نسل اپنی تاریخ ہی سے واقف نہیں۔

تعلیم وتربیت سے متعلق اپنے فرزند حضرت حسنؑ سے مخاطب ہیں۔ فرماتے ہیں۔چونکہ مجھے تمہاری ہر بات کا اتنا ہی خیال ہے جتنا ایک شفیق باپ کو ہونا چاہئے اور تمہاری اخلاقی تربیت بھی پیش نظر ہے لہٰذا مناسب سمجھا ہے کہ یہ تعلیم وتربیت اس حالت میں ہو کہ تم نوعمر اور بساط دھر پر تازہ وارد ہوئے اور تمہاری نیت کھری اور نفس پاکیزہ ہے اور میں نے چاہا تھا کہ پہلے کتاب خدا، احکام شرع اور حلال وحرام کی تعلیم دوں اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا رخ نہ کروں لیکن یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چیزیں جن میں لوگوں کے عقائد اور مذہبی خیالات میں اختلاف ہے تم پر اسی طرح مشتبہ نہ ہو جائیں جیسے ان پر مشتبہ ہو گئی ہیں باوجودیکہ ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے مجھے ناپسند تھا مگر اس پہلو کو مضبوط کر دینا تمہارے لئے مجھے بہتر معلوم ہوا اس سے کہ تمہیں ایسی صورت حال کے سپرد کر دوں جس میں مجھے تمہارے لئے ہلاکت وتباہی کا خطرہ ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تمہیں ہدایت کی توفیق دے گا اور صحیح راستے کی راہنمائی کرے گا۔"[۱۲]

نظام تعلیم وتربیت پر مولا علیؑ کے یہ ارشادات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یعنی کچھ ایسی چیزیں

بھی تھیں جن پر وہ اپنے فرزند سے بات کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن ضرورت کا تقاضہ تھا باوجودیکہ "ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے مجھے ناپسند تھا" انہوں نے اس کو ترجیح دی آج جب کوئی ایسی چیز آتی ہے کہ اسکول کے بچوں کو بتائی جائے تاکہ وہ اس کے مضرات سے محفوظ رہ سکیں تو ہم لوگ ایسی اخلاقی قدروں کی بات کرتے ہیں کہ اسکولی بچوں سے یہ باتیں کیوں کی جائیں؟ لیکن مولاعلیؑ نے ان باتوں کو احکام شرع وغیرہ کی تعلیم دینے سے زیادہ اہمیت دی اور پہلے وہی جو ناپسند تھا اس پر اپنے فرزند سے بات کی تاکہ وہ معاملات ان کے ذہن میں صاف ہوسکیں۔

مشائخ کا سلسلہ حضرت علیؑ سے وابستہ ہے لہٰذا مشائخ نے بھی حضرت علیؑ کی تقلید کی انہوں نے بھی تحصیل علم پر بہت زور دیا شیخ علی ہجویری صاحب "کشف المحجوب" فرماتے ہیں کہ "تمام علوم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔ ۱۳ پھر فرماتے ہیں لہٰذا چاہئے کہ علم حاصل کیا جائے اور اس پر مجد دوسعت عمل کرنے کی سعی ہو۔ جب بندہ علم میں درجہ کمال حاصل کرلیتا ہے تو وہ علم الٰہی کے مقابلے میں ایک جاہل کا درجہ پاتا ہے۔ ۱۴ شیخ ضیاء الدین صاحب" آداب المریدین" میں فرماتے ہیں "اگر علم عمل سے خالی ہو تو وہ عقیم ہے اور اگر عمل، علم سے خالی ہو تو وہ سقیم ہے۔ ۱۵" آگے فرماتے ہیں "صوفیا فروغ علم میں علماء کے اختلاف کو برا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا "علماء کا اختلاف رحمت ہے" ۱۶ سید شاہ گل حسن قلندر صاحب تعلیم غوثیہ فرماتے ہیں "صوفیا معلم بھی تھے نہ خود کوئی اور کام کرسکتے تھے نہ طالب علموں کو تعلیم وتربیت کے دوران رزق کمانے دیتے تھے بلکہ توکل اور قناعت کی تلقین کرتے تھے تاکہ دنیاوی جاہ وجلال کے بجائے وہ درویشی کو شیوہ بنائیں اور آگے چل کر اسی بے لوثی اور بے غرضی سے اپنی اپنی خانقاہوں میں محض توکل علی اللہ پر طالبان راہ خدا کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہوں ۱۷" خواجہ امیر خورد صاحب "سیر الاولیاء" شیخ فرید الدین گنج شکر اور شیخ نظام الدین اولیاء کے بارے میں فرماتے ہیں "بیعت ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ میرے لئے کیا حکم ہے اب میں تعلیم کو جاری رکھوں اوراد ونوافل میں مشغول ہوجاؤں۔ فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں روکتا وہ بھی کرو، یہ بھی کرو" ۱۸ مشائخ نے ہندوستان میں اپنی خانقاہوں میں مدارس قائم کئے اور ان مدارس میں نصاب کی کوئی قید نہ تھی جو بھی شخص حصول علم کے لئے آتا اس کو تعلیم دیتے۔ مشائخ نے ان مدارس کا قیام نہ صرف ہندوستان کے بڑے شہروں دہلی، لاہور، ملتان وغیرہ میں کیا بلکہ قصبات میں بھی اپنی خانقاہیں قائم کیں جیسے کنخور، امروہہ، سیتھل،

کول، سنبھل، سرسی، جلالی وغیرہ وغیرہ اور وہاں تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری کیا۔ جن باتوں کی ہدایت مولا علیؑ نے نہج البلاغہ میں کی تھی اس پر عمل کرتے ہوئے تعلیم کو ہندوستان میں عام کیا اور ایک خاص طریقے سے ارشاد مولا علیؑ ہے" جو ہم اہل بیت سے محبت کرے اسے جامہ فقر پہننے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے" ۱۹ انہوں نے جامہ فقر پہنا، سلاطین سے دوری اور مخلوق خدا سے قربت اختیار کر کے تعلیم کو عام کیا۔ علم اور اولیاء اللہ کے بارے میں مولا علیؑ کا ارشاد ہے" علم نے انہیں ایک دم حقیقت وبصیرت کے انکشافات تک پہونچا دیا ہے وہ یقین واعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں وہ ایسے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے سہتے ہیں کہ جن کی روحیں ملاء اعلیٰ سے وابستہ ہیں یہی لوگ تو زمین میں اللہ کے نائب اور اس کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ہائے ان کی دید کے لئے میرے شوق کی فراوانی ہے" ۲۰ مسلمانوں کے خلیفہ چہارم کے تعلیم سے متعلق یہ ارشادات بڑی اہمیت کے حامل ہیں جب تک ہم نے ان ارشادات کی اتباع کی ہم نے ترقی حاصل کی لیکن جب سے ہم نے اس ذخیرے کا مطالعہ بند کر دیا ہم تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ گئے اور دنیا ہم سے آگے نکل گئی۔ آج ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہوگی جو نہج البلاغہ کا مطالعہ تو دور کی بات ہے کبھی نام بھی نہ سنا ہوگا۔ یہی حال شیعیان علیؑ کا بھی ہے انہوں نے نام تو سنا ہوگا لیکن اس کے مطالعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ نہج البلاغہ کے تراجم یوروپین دانشوروں نے اپنی زبانوں میں کئے تا کہ وہ اس کتاب سے استفادہ کر سکیں۔ کتاب سے استفادہ عقیدہ سے حاصل نہیں ہوسکتا جو پڑھے گا وہ مستفید ہوگا۔

مولا علیؑ کی وسعت علمی کی ایک اور دلیل معاویہ سے متعلق مولانا حافظ شاہ محمد علی حیدر سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری، ضلع لکھنؤ، صاحب" مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔" ابی حازم سے مروی ہے کہ ایک شخص نے معاویہ سے ایک مسئلہ پوچھا وہ کہنے لگے کہ علیؑ سے پوچھو وہ بہت عالم ہیں۔ اس شخص نے کہا اے معاویہ تمہارا جواب علیؑ کے جواب سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ معاویہ نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو نے بری بات کہی تو ایسے شخص سے کراہت ظاہر کرتا ہے جس کے ظرف کو آنحضرتؐ نے پورے طور پر علم سے بھر دیا تھا" ۲۱

مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہج البلاغہ قرآن مجید کے بعد وہ عظیم کتاب ہے جو باب العلم حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی تخلیق ہے جس میں خالق کائنات کے الٰہی کلمات یعنی قرآن مجید کی جھلک بخوبی محسوس کی جاسکتی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت علیؑ کو قرآنی علوم

www.kitabmart.in

ومعارف پر جو دسترس حاصل تھی وہ پیغمبر اکرمؐ کے علاوہ روئے زمین پر کسی اور کو قطعی حاصل نہ تھی چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قرآنی رموز تک رسائی حاصل کرنے میں مولای متقیان کے خطبات، مکتوبات، فرامین اور کلمات قصار پر مبنی نہج البلاغہ بہت ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

حوالے:

۱۔مولاعلیؑ۔ نہج البلاغہ

۲۔ضیاء الدین برنی۔تاریخ فیروز شاہی۔صفحہ ۴۵، ۲۴ نہج البلاغہ۔ ۸۳۰

۳۔نہج البلاغہ ۸۳۰ ۴۔ ایضاً۔ ۸۳۲

۵۔ایضاً ۸۳۲

۶۔ایضاً ۸۲۴

۷۔ایضاً ۸۵۱

۸۔ایضاً ۸۶۹

۹۔ایضاً ۶۷۸

۱۰۔ایضاً ۶۹۱

۱۱۔ایضاً ۶۹۴

۱۲۔ایضاً ۶۹۴

۱۳۔شیخ علی ہجویری۔کشف المحجوب، ص،۸۱

۱۴۔ایضاً ۹۳

۱۵۔شیخ ضیاء الدین۔آداب المریدین، ص ۲۲

۱۶۔ایضاً ۲۳

۱۷۔سید شاہ گل حسن قلندر۔تعلیم غوثیہ،ص۔۳۶۱

۱۸۔خواجہ امیر خورد، سیر الاولیاء، ص۔۱۹۷

۱۹۔نہج البلاغہ۔ ۸۳۷

۲۰۔ایضاً۔ ۸۵۲

۲۱۔مولانا حافظ شاہ محمد علی حیدر، مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ، ص۔ ۱۶۲

نہج البلاغہ میں جنگی آداب واخلاقیات

ڈاکٹر مظفر سلطان حسن ترابی اعظمی، رضا کالج رامپور

باطل پرست اور ظلم پسند استکباری طاقتوں اور استعماری قوتوں کے ظالمانہ وجارحانہ اور توسیع پسندانہ نظام ونظریہ اور آمرانہ وجابرانہ طرز فکر کے تناظر میں جنگ وجدل اور حرب وضرب کے حوالے سے اور خصوصاً میدان جنگ کی محاذ آرائی میں موت کی گرم بازاری وتباہ کاری اور فاتح قوموں اور جماعتوں کی اپنے مفتوح حریفوں اور غنیموں کی املاک کی تاراجی وغارتگری نیز بستیوں اور آبادیوں کی تباہی وبربادی کے پس منظر وپیش منظر میں جنگی اصول وآداب اور حربی تہذیب واخلاقیات کی بات کرنا اور اس موضوع پر گفتگو کرنا کچھ شدت پسند افراد اور انتہا پسند اشخاص خصوصاً مغرب پرست اور یورپ زدہ اور صہیونیت نواز تشدد پسند وتخریب کارلابیوں اور بلاکوں کو عجیب سالگے گا۔ کیونکہ توسیع پسند اور اقتدار پرست قوموں اور قوتوں نے اپنی اقتدار پرستی اور توسیع پسندی کے عزائم ومقاصد کی تکمیل کے لئے دوسری قوموں اور ملکوں پر غاصبانہ قبضہ وتسلط کی غرض سے مسلط کردہ تحمیلی جنگوں میں ہمیشہ نہ صرف انسانی قدروں اور اخلاقی اصولوں نیز تہذیبی روایتوں کو پامال کیا ہے بلکہ عالمی اداروں میں متفقہ طور پر مرتب اور منظور کئے گئے مسلمہ جنگی ضابطہ اخلاق کی بھی مسلسل خلاف ورزی کی ہے اور بین الاقوامی قوانین عدل وانصاف کے حدود سے بھی تجاوز کیا ہے۔ اور اپنے اس جابرانہ فعل کے جواز کے لئے ایک نہایت ہی غیر عاقلانہ وغیر عادلانہ اور غیر منصفانہ خود ساختہ ومفروضہ مقولہ ایجاد کر کے مشہور کردیا ہے کہ evrything is fair in love and war (یعنی محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے اور پھر اس خود ساختہ ومفروضہ مقولے کا پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اتنے وسیع پیمانے پر اتنی شدت وکثرت سے اور اتنے شاطر اور موثر طریقے پر پروپگنڈہ کیا گیا کہ پورے سماج اور معاشرے کے دلوں، دماغوں اور ذہنوں پر پوری طرح سے چھا گیا اور یہاں تک کہ اہل حکومت اور ارباب اقتدار کے حلقوں میں بھی اس طرح اثر انداز تھا کہ جب حضرت سلیمانؑ پیغمبر نے ملکہ ٔ ملک سبا شہزادی بلقیس کو خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے ابتدا کر کے خط لکھ کر دعوت حق دی ہے تو اس کے شعور ولاشعور میں بھی فاتح اور غالب قوموں کے ذریعے مفتوح ومغلوب قوموں کے شہروں اور

علاقوں کی تاراجی وغارتگری اور تباہی وبربادی کا خوف وہراس اس طرح نفوذ کئے ہوئے تھا اور اتنی دہشت و وحشت بیٹھی ہوئی تھی کہ اس نے بھی حضرت سلیمانؑ جیسے نبی خدا کی طرف سے بھی اس قسم کے عمل اور ردعمل کا خطرہ وخدشہ اور اندیشہ اپنے درباریوں اور مشیروں کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''بادشاہوں کا قاعدہ اور طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی بستی میں (فاتح انداز میں) داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کردیتے ہیں (یعنی اسے اجاڑ دیتے ہیں) اور وہاں کے معزز ومحترم لوگوں کو ذلیل ورسوا کردیتے ہیں۔ گویا یہ لوگ یعنی حضرت سلیمانؑ اور ان کے ساتھی ایسا ہی سلوک ہمارے ساتھ بھی کریں گے[۱]

اس خود ساختہ ومفروضہ مقولے کا مطلب یہ ہے کہ نہ جنگ وجدل کے کچھ اصول وآداب ہیں اور نہ ہی حرب وضرب کی کوئی جنگی تہذیب واخلاقیات۔ یعنی جنگ کے موقع پر میدان جنگ میں اور محاذ جنگ پر حالت جنگ میں تمام انسانی تقاضوں اور اخلاقی مطالبوں کو بالائے طاق رکھ کر فریق مخالف پر فتح وکامرانی حاصل کرنے کے لئے ہر جائز وناجائز حربہ وطریقہ اور مناسب ونامناسب حیلہ واسلحہ استعمال کرنا جائز ہے اور اسی طرح اپنے حریف پر فتح وپیروزی حاصل کرلینے کے بعد اس کے ملک پر غلبہ وقبضہ حاصل کرنے اور اہل ملک پر اپنا رعب ودبدبہ قائم کرنے کیلئے شہروں میں ہر طرح کی تاراجی وغارتگری اور فتنہ گری وفساد انگیزی روا ہے۔ جبکہ اسلام فتنہ پردازی وفساد پروری اور ناحق قتل وخون ریزی کا شدید مخالف اور سب سے بڑا دشمن ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس کا صاف اعلان ہے کہ فتنہ پروری وفساد انگیزی قتل وخون ریزی سے بھی شدید ترین گناہ ہے[۲]'' اور دوسری جگہ اس کا فرمان ہے کہ ''فتنہ پردازی وفساد پروری قتل وخون ریزی سے بھی عظیم ترین جرم ہے۔[۳]''

اسی طرح ناحق قتل وخون ریزی کی مذمت ومخالفت کے سلسلے میں قرآن مجید کا تاکیدی ارشاد ہے کہ ''جس کسی نے کسی ایک نفس (جان) کو بغیر کسی نفس (جان) کے بدلے یا فساد برپا کرنے کی غرض سے ناحق قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا۔[۴]'' یہاں تک کہ دین اسلام فتنہ خیزی وفساد انگیزی کے خدشے اور اندیشے کی وجہ سے کبھی جنگ کی ابتدا کرنے کی بھی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اگر اس پر فریق مخالف کی طرف سے زبردستی جنگ مسلط ہی کردی جائے تو بھی تمام جنگی اصولوں اور حربی ضابطوں کے حدود وقیود کے ساتھ انسانی قدروں، تہذیبی روایتوں، اخلاقی تقاضوں اور بشری مطالبوں کے دائرے میں رہ کر ہی صرف فتنہ کوبی اور فساد کشی کے مقصد سے ہی

جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ اس کا واضح اعلان ہے کہ" اور دشمنوں سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہ جائے ۔۵؎"

جنگ کے اصول وآداب اور جنگی تہذیب واخلاقیات کے سلسلے میں حقوق انسانی کے عظیم محافظ ، اقتدار انسانی کے علم بردار اور ندائے عدالت انسانی کے نقیب انسان کامل اور امام عادل ، مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے اپنی مایہ ناز اور شہرۂ آفاق شاہکار" نہج البلاغہ" میں جو جنگی آداب اور ضابطۂ اخلاق بیان فرمائے ہیں وہ ہر دور میں میدان جنگ میں دونوں متحارب فریقوں کے لئے بہترین ومکمل ترین اور مفید ترین رہنما اصول وخطوط قرار دئے جاسکتے ہیں۔ ان جنگی اصول وآداب اور ضابطۂ اخلاق اور حرب وضرب کی تہذیب واخلاقیات کی خوبیوں اور ان کی عظمت وافادیت کو آج کے ترقی یافتہ دور کی جدید ترین ٹکنالوجی سے آراستہ ملٹری سائنس کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ کیونکہ ان اصول وآداب اور قواعد وضوابط میں دونوں متحارب فریقوں کے افسروں اور سرداروں کے خود اپنے فوجیوں اور سپاہیوں کے ساتھ مطلوبہ ومجوزہ ضروری اقدامات وانتظامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور فریق مخالف کے شکست خوردہ اور ہزیمت یافتہ فوجیوں او رسپاہیوں اور اہل شہر کے ساتھ برتے جانے والے انسانی حقوق کی بنیادوں پر مبنی ومشتمل امور و معاملات اور سلوک وبرتاؤ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور اس اعتبار سے حقوق نسواں اور حقوق اطفال کے ساتھ ہی بحیثیت مجموعی مکمل طور پر حقوق انسانی کی بھی پاسداری ونگہداری کی پوری ضمانت دی گئی ہے اور ان اصول وآداب اور قواعد وضوابط نے پوری طرح سے یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ میدان جنگ میں موت کی گرم بازاری کے دوران اور پھر فتح وظفر کے بعد مفتوح ومغلوب فریق مخالف کے ساتھ نفرت وعداوت کے باجود انسانی حقوق کے پیش نظر جنگی اخلاقیات اور بشری تقاضوں کی تہذیبی روایات کی بھی اہمیت اور قدر وقیمت اپنی جگہ بہر حال مسلم ہے جن کی رعایت بہر صورت ضروری ہے۔

جنگی حکمت عملی

ملٹری سائنس کے مطابق جنگ کے اصول وآداب میں جنگی حکمت عملی اور حربی منصوبہ بندی کو بنیادی حیثیت اور اساسی اہمیت حاصل ہے ۔ کیونکہ مناسب حکمت عملی اور فوری منصوبہ بندی کے بغیر میدان جنگ میں کامیابی وفتح مندی کے امکانات مشکوک اور غیر یقینی ہوجاتے ہیں ۔اسی لئے

جنگی آئین وقوانین کے ماہرین اور میدان جنگ کے مبصرین ہمیشہ موثر حکمت عملی کا نقشہ اور مکمل منصوبہ بندی کا خاکہ تیار کرنے پر بہت زور دیتے رہے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ محاذ جنگ پر فتح وپیروزی کا انحصار بہت کچھ جنگی حکمت عملی اور حربی منصوبہ بندی پر ہوتا ہے۔

اصول جنگ وجدل اور آئین حرب وضرب کے تحت میدان جنگ کی حکمت عملی اور سامان حرب کی منصوبہ بندی میں میدان جنگ اور محاذ جنگ کے محل وقوع کے اعتبار سے اور دفاعی اور حفاظتی نقطۂ نظر سے لشکر کی معقول ومحفوظ قیام گاہ کے مناسب انتخاب میں نہایت ہوشمندی وہوشیاری اور تجربہ کاری وموقع شناسی کی ضرورت ہے۔ مقام قیام ایسے موقع ومحل پر واقع ہونا چاہئے جو نہ صرف دشمن کے کسی اچانک اور چوطرفہ حملے سے محفوظ ہو بلکہ جہاں سے فوج مخالف کی حرکات وسکنات اور لشکر حریفوں کی نقل وحرکت پر اچھی طرح نظر رکھی جاسکے۔ اور لشکر گاہ کے لئے باہمی صلاح ومشورے سے کسی وادی نما دامن کو ہسار کا انتخاب بہت مفید اور سودمند ثابت ہوگا جو آبی ذخائر ومنابع وسائل کے قریب کسی نہر کے کنارے حتی الامکان مناسب بلندی پر واقع ہو۔ اس سے اپنے لشکر کی نگہبانی اور دشمن کی فوج کی نگرانی میں بہت آسانی ہوگی اور اس طرح دشمن کو کسی کمین گاہ سے حملہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ جیسا کہ سردار لشکر اسلام سپہ سالار فوج خیر الانام، اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالبؑ اسی جنگی حکمت عملی اور حربی منصوبہ بندی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اپنے لشکر کو نصیحت فرمارہے ہیں کہ

"جب دشمن کے سامنے اترنا یا وہ تم پر آئے تو تمہارا پڑاؤ اور قیام بلند ٹیلوں یا پہاڑوں کے دامن میں یا نہروں کے کناروں پر ہونا چاہئے تاکہ تمہارے لئے حفاظت اور مدد ہو۔ اور تمہاری جنگ ایک یا دو رخوں سے ہو۔ اور پہاڑوں کی بلندیوں اور سطح دار ہموار ٹیلوں پر نگراں ونگہبان مقرر کردو تاکہ دشمن کسی کمین گاہ یا محفوظ اور بے خوف وخطر جگہ سے اچانک حملہ آور نہ ہوجائے۔ اور یہ بھی جان لو کہ فوج کا اگلا ہراول دستہ اس کا جاسوس اور ہراول دستے کے جاسوس اس کے فرستادے ہوتے ہیں (اس لئے ان کا انتظام بھی کرو) اور خبردار! تم میں اختلاف اور تفرقہ نہ پڑنے پائے۔ جب بھی کہیں اترو تو سب ایک ساتھ اترو اور جب کہیں سے کوچ کرو تو بھی سب ایک ساتھ، جب رات آجائے تو نیزوں سے اپنے گرد حلقہ وحصار بنالو اور اس طرح مختصر نیند سوؤ جیسے غرارہ یا کلی کرتے ہو یعنی ذراسی جھپکی لو اور پھر فوراً ہی اٹھ بیٹھو[۶]"

اپنی فوج کے سپاہیوں کو تازہ دم رکھنے، فوجیوں اور لشکریوں کو چاق وچوبند رکھنے اور سواریوں کو چست وچابک بنائے رکھنے کے لئے انہیں ضروری قیام وآرام کے مواقع فراہم کرنا اور کوچ وقیام کے لئے مناسب نظام الاوقات مرتب کر کے سفر کرنا اور دوران سفر دشمن کی فوج کونفسیاتی طور پر حیران وہلکان اور ذہنی طور پر ہراساں و پریشاں اور سرگرداں رکھنے کے لئے ہر منزل پر اس سے ایک مناسب فاصلہ بنائے رکھنے کا فیصلہ بھی جنگی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ ہے۔ کیونکہ اس جنگی حکمت عملی اور حربی منصوبہ بندی سے جہاں اپنی فوج پر مثبت وخوشگوار اور حوصلہ افزا اثرات مرتب ہوتے ہیں وہیں دشمن کی فوج اس کے منفی اثرات سے دوچار ہوکر نفسیاتی فساد اور ذہنی انتشار کا شکار ہوجاتی ہے جس سے اس کا حوصلہ پست کر کے اس کو شکست دینے میں بہت مدد ملتی ہے اور اپنی یقینی فتح وکامرانی میں آسانی ہوتی ہے۔ اس حکمت عملی سے جہاں اپنی فوج کے سپاہی پرسکون ومطمئن رہیں گے وہیں فوج مخالف کے سپاہی فکروتشویس اور کشمکش وکشاکش میں مبتلا رہیں گے۔ ان ہی اہم نکات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شاہ مرداں شیر یزداں، اشجع زماں حضرت علی مرتضیٰؑ اپنے لشکر کو تاکید فرمارہے ہیں۔

''اسی سے لڑنا جو تم سے لڑے، (صبح وشام کے) دونوں ٹھنڈے وقتوں میں سفر کرنا۔ دوپہر قیام کرنا، اور شروع رات میں نہ چلنا کیونکہ خدا نے رات کو قیام وآرام اور سکون کے لئے بنایا ہے۔ سفر کے لئے نہیں، پس رات میں اپنے جسم کو راحت وآرام دو اور اپنی سواری کو بھی۔ پھر جب پو پھٹے اور صبح نمودار ہوتو برکت الٰہی کے ساتھ کوچ کرو۔ اور جب دشمن کا سامنا ہوتو اپنے ساتھیوں کے بیچ ہی میں ٹھہرنا۔ اور دشمن کے اتنے نزدیک بھی نہ ہوجانا کہ معلوم ہو کہ بس اب تم لڑائی شروع ہی کردوگے اور نہ اتنی دور ہی رہنا کہ یہ شک ہو کہ جنگ سے ڈر کر جی چرا رہے ہو، جب تک میرا حکم پہنچے عداوت تمہیں لڑائی کرنے پر آمادہ نہ کردے مگر یہ کہ تم انہیں دعوت دے کر عذر کا دروازہ ان پر بند کرچکے ہو۔ے''

دوران جنگ بعض اوقات کچھ ایسے ناسازگار وناخوشگوار حالات بھی پیدا ہوجاتے ہیں اور ایسے واقعات سے بھی سامنا ہوجاتا ہے جہاں وقت کا تقاضا ہوتا ہے کہ ضرورت ومصلحت کے پیش نظر خلاف مزاج وطبیعت ایسی مصلحت آمیز عارضی وظاہری اور دکھاوے کی شکست خوردگی کے مظاہرے کرنے پڑیں جس سے دشمن کی فوج کسی نہ کسی حد تک غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہوکر کچھ نہ کچھ

غفلت ولاپرواہی سے ضرور دو چار ہوجائے گی اور ایسی حالت میں موقع کو غنیمت جان کر اس پر اچانک حملہ کردینے سے اس میں افراتفری پیدا ہوجانے اور اس کے تتر بتر ہوکر منتشر ہوجانے کے قوی امکانات ہوں گے اور اس صورت حال میں اس مصلحت آمیز حکمت عملی کو بروئے کار لاکر فوج دشمن کو شکست دینا آسان ہوجائے گا۔ اسی حکمت عملی سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں مرد میدان شجاعت، شیر کردگار، حیدرؑ کرار نے اپنی فوج کی حوصلہ افزائی اس طرح فرمائی ہے کہ

”اگر وقت پڑ جائے تو ضرورتاً مصلحتاً دوبارہ حملہ کرنے کے ارادے سے پیچھے ہٹ جانا اور فرار کرنے کے بعد پھر آگے بڑھ کر دشمن پر ہجوم کرنا اور دوبارہ حملہ کرنا تم کو ناگوار اور حوصلہ شکن نہ ہو۔ اور تلواروں کو انکا حق اور حصہ یعنی دشمن دے دو اور انہیں ان کی قتل گاہ پر پہنچادو اور اپنے آپ کو پورے دل وجان سے سخت اور خطرناک نیزہ بازی اور قوی ومضبوط شمشیر زنی کے لئے پوری طرح تیار کرلو۔ اپنی آوازوں کو دبادو اور خاموش رہو کیونکہ یہ چیز خوف وہراس اور پریشانی کو دور کرنے والی ہے۔“[۸]

اصول وآداب جنگ

محاذ جنگ کے لئے ضروری جنگی حکمت عملی تیار کرنے اور مناسب حربی منصوبہ بندی کرنے کے بعد دوسرا نہایت اہم مرحلہ میدان جنگ میں فوج کی تنظیم اور لشکر کی ترتیب سے متعلق ہوتا ہے کہ کس دستے کو کس جگہ رکھا جائے اور کس جتھے کو کہاں متعین کیا جائے۔ ضرورت اور حفظ مراتب کے اعتبار سے فوج کی صفوں کی صحیح تنظیم اور لشکر کے سپاہیوں کی درست ترتیب سے جہاں ان کی عزت کو تسکین وتقویت حاصل ہوتی ہے وہیں ان کی خود داری وخود اعتمادی بھی مضبوط ومستحکم ہوتی ہے جوان کی قوت ارادی کی تقویت کے ساتھ ہی ان کے عزم واستقامت کا سبب بھی بنتی ہے۔ جس کی وجہ سے سپاہی نہایت خوش دلی کے ساتھ جذبۂ فداکاری وجاں نثاری اور جوش وفاداری وسرفرازی سے سرشار موت سے بے خوف ہوکر میدان کارزار کے آتش بار طوفان خون وآہن میں کود پڑتا ہے۔ فوج کی تنظیم اور لشکر کی ترتیب کے ساتھ ہی پرچم کی تنصیب اور علم کی تقسیم اور حسب مراتب ومناسب سردار وسپہ سالار اور علم دار وپرچم بردار کے تقرر کا معاملہ بھی نہایت مزاج شناسی اور معاملہ فہمی کے ساتھ طے کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ لشکر کی جنگی سرگرمی اور حربی کارکردگی کا انحصار اور فوج کی جانبازی وسرفرازی کا

دارومدار بڑی حدتک سردار وسپہ سالار کی باحوصلہ اور جرائت مندانہ فوجی قیادت اور بروقت صحیح قوت فیصلہ پر ہوتا ہے۔ اور علم کی سربلندی سے فوجیوں اور سپاہیوں کے حوصلے اور ارادے بھی بلند رہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ذوالفقار فاتح کارزار حضرت علیؑ نے جنگ کے اصول وآداب تعلیم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

''میدان جنگ میں جوزرہ پوش ہیں انہیں آگے بڑھاؤ اور جو بے زرہ ہیں انہیں پیچھے رکھو اور دانتوں کو مضبوطی سے جمالو، کیونکہ میدان کارزار میں استقامت اور ثابت قدمی کے طفیل تلواریں سر سے دور چلی جاتی ہیں، نیزوں کے اطراف میں پیچ وخم کے ساتھ لپٹے رہو کیونکہ اس طرح سے نیزہ بازی کرنا زیادہ موثر ہے۔ نگاہیں نیچی رکھو (گھوم گھوم کر ادھر ادھر ہر طرف نہ دیکھو) کیونکہ آنکھوں کا نیچا رکھنا قوت قلب کی زیادتی اور تقویت دل کا باعث ہوتا ہے، آوازوں کو خاموش کردو (ہنگامہ آرائی نہ کرو) کیونکہ متانت اور سنجیدگی اور سکون وشائستگی ہر طرح کے خوف وہراس کو دور کردیتی ہے۔ اپنے پرچم کو اپنی جگہ سے حرکت نہ دو اور اس کے دور کو خالی نہ رہنے دو۔ نہ اسے ہر شخص کے ہاتھ میں تھمادو سوائے ان بہادروں اور دلاوروں کے جو ہر حادثے کو روکنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگاکر ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں۔ اور جو اس کی حفاظت ونگہداری ونگہبانی کو لازم سمجھ کر مصروف دفاع رہتے ہیں کیونکہ جو لوگ (میدان جنگ میں) سختی اور بلا برداشت کرتے ہیں اور صابر رہتے ہیں وہی اپنے پرچموں کے اردگرد مستعد رہتے ہیں اور دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ نہ یہ پیچھے ہٹتے ہیں کہ گویا اسے دشمن کے حوالے کردیں اور نہ یوں آگے بڑھ جاتے ہیں کہ پرچم کو تنہا چھوڑ دیں۔[۹]''

اسی طرح انسانی فطرت کی ایک نفسیاتی خاصیت وخصوصیت کے حوالے سے انسان کے ضبط نفس اور اس کی قوت برداشت کے اسباب وعلل کے تجزیے اور تجربے کی روشنی میں ایک انتہائی اہم نفسیاتی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنگ جمل کے موقع پر لشکر کا علم اپنے بیٹے حضرت محمد حنفیہ کو عطا کرکے آپ نے جو اصول جنگ اور آداب حرب تعلیم فرمائے ہیں وہ میدان جنگ کے بہترین اصول وآداب ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں دور اندیشی وانجام بینی اور ثابت قدمی وسرفروشی کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''اے بیٹے! پہاڑ اپنی جگہ سے متزلزل ہوکر ٹل جائیں مگر تمہارے پائے عزم واستقلال

واستقامت میں لغزش وجنبش نہ پیدا ہو، اپنے دانتوں کو مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے میں پیوست رکھنا۔ اپنا کاسۂ سر خدا کو عاریت دے دینا (اور سربکف ہوکر خود کو خدا کے حوالے کردینا) زمین میں اپنے قدموں کو میخ کی طرح گاڑ دینا۔تمہاری نگاہوں کی زد اور اس کا نشانہ دشمن کی آخری صف پر رہے،اور اپنی نظر جھکائے رکھنا۔اور اے بیٹے! یہ جان لو اور اس پر محکم ومکمل ایمان رکھو کہ نصرت ومدد اور فتح وظفر صرف خدا کی طرف سے ہے۔[۱۰]''

بسیار خوری وبسیار خوابی اور عیش کوشی وعشرت پسندی انسان کو کاہلی وتساہلی اور کسل مندی کا شکار بنا کر سست اور پست ہمت بنا دیتی ہے۔ اور کیفیت خاص طور سے محاذ جنگ پر اور میدان جنگ میں سپاہیوں کو شکست سے دوچار کردیتی ہے۔ اسلئے جنگ کے موقع پر فوج کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے اور ہر وقت ہر طرح سے چاق وچوبند اور چست ودرست رہ کر جنگ کے لئے تیار اور شکست سے کمر بستہ رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس سلسلے میں ذراسی بھی لاپرواہی اور معمولی سی بھی غفلت کی وجہ سے دوچار اور ہزیمت کا شکار ہونا پڑسکتا ہے۔ ایسی ہی صورت حال سے خبردار وہوشیار کرتے ہوئے لشکر اسلام کے سردار وسپہ سالار،صفدر وجرار جناب حیدرؑ کرار فرمارہے ہیں کہ

''اپنے زیر جاموں کو مضبوطی کے ساتھ کس لو (میدان جنگ میں چست وچالاک رہو) عزیمت (ایثار وقربانی) اور ولیمہ (عیش وعشرت وکامرانی) ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ رات کا سونا دن کے خوابوں کو کس (بری) طرح توڑ دیتا ہے اور تاریک راتیں مہمات کی یاد داشت کو کس طرح کمزور کردیتی ہیں، غفلت کی نیند ہمتوں کو شکست میں تبدیل کردیتی ہے۔[۱۱]''

جنگی اخلاقیات

حقوق انسانی کی بنیاد پر انسان کی عزت وحرمت کی حفاظت اور انسانی قدروں کی پاسداری ونگہداری کے لئے جنگ وجدل کی تباہ کاری اور حرب وضرب کی گرم بازاری میں بھی انسانی عظمت وشرافت کے تقاضوں اور تہذیبی واخلاقی روایتوں اور ثقافتوں کے مطالبے کی بنا پر جنگی اخلاقیات کا بھی بہر حال اپنا ایک اہم مقام ہے۔ اور اس کی اہمیت وافادیت بھی مسلّم ہے۔ اور جنگی اخلاقیات کے حوالے سے انسانی اقدار اور اخلاقی وتہذیبی روایات کے تحفظ کا سلسلہ آغاز جنگ سے پہلے ہی فوجوں اور لشکروں کی تنظیم نیز سپاہیوں کے انتخاب اور افسروں اور سرداروں کے تقرر کے وقت ہی سے شروع

ہوجاتا ہے۔خاص طور سے فوجیوں کے انتخاب اور افسروں کی تقرری اور سرداروں کی تعیناتی کے معاملے میں بہت ہی دور اندیشی ، باریک بینی، معاملہ فہمی ، حاضر دماغی ،نسب شناسی ومردم شناسی اور تجربہ کاری وہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ سپاہیوں کے انتخاب کے معاملے میں اور افسروں اور سرداروں کے تقرر کے سلسلے میں کسی قسم کے جبر وقہر اور زور زبردستی یا اقربا پروری واحباب نوازی سے کام نہ لے کر رضائے الٰہی کی خاطر حق وحقانیت کی سربلندی کے لئے نہایت خوش اخلاقی وخوش اسلوبی اور سلیقہ مندی وحق پسندی کے ساتھ حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے اور عدل وانصاف کو پورا کرتے ہوئے پورے جذبۂ صادق کے ساتھ یہ کام انجام دینا چاہیے۔ جہاں سپاہیوں کی تعیناتی میں ان کے پس منظر اور ذاتی صفات حسنہ اور شخصی شرافت نفس کو پیش نظر رکھنا چاہئے وہیں افسروں اور سرداروں کی نامزدگی اور تقرری میں بطور خاص اس بات کو خصوصی اہمیت دینی چاہئے کہ وہ جذباتی وعصبانی اور مغلوب الغضب اور عجلت پسند نہ ہوں بلکہ ایسے موقع شناس و مردم شناس ومزاج آشنا اور سنجیدہ وبرد بار ہوں۔ وقت کی ضرورت کے لحاظ سے سخت گیر بھی ہوں اور حالات کی نزاکت کے اعتبار سے نرم دل ونرم خواور خدا ترس وانسان دوست بھی۔ اس سلسلے میں میانہ روی اور غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے افراط وتفریط سے گریز وپرہیز کریں۔ اور چستی وسستی اور نرمی وسختی برتنے میں بہت ہی دانشمندی وہوشمندی اور جرأت مندی سے کام لیں ۔ چنانچہ امیر المومنین ، خلیفۃ المسلمین ، انسان کامل ، امام عادل حضرت علی مرتضیٰ نے جناب مالک اشتر کے نام تحریر کردہ نہایت جامع اور مکمل ''دستور حکومت'' میں نصیحت وہدایت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ

''دیکھو اپنی فوج کے معاملے میں ہوشیاری سے کام لینا۔ انہیں لوگوں کو افسر بنانا جوتمہارے خیال میں اللہ کے رسولؐ کے اور تمہارے امامؑ کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں ، صاف دل ہوں۔ ہوشمند ہوں ، جلد غصے میں نہ آجاتے ہوں، عذر ومعذرت قبول کرلیتے ہوں، کمزوروں پر ترس کھاتے ہوں، زبردستوں پر سخت ہوں، نہ سختی انہیں جوش میں لے آتی ہو اور نہ کمزوری انہیں بٹھادیتی ہو۔ فوج کے لئے انہیں کو منتخب کرنا جن کا حسب نسب اور خاندان اچھا ہے اور جن کا ماضی صاف اور بے داغ ہو۔ جو بہت جرأت ،شجاعت وشہامت اور جود وسخا سے آراستہ ہوں۔ کیونکہ شرافت وبزرگی اور نیکی وجوانمردی ایسے ہی لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ [۱۲]''

اسی طرح حقوق انسانی کے تقاضوں کے مطابق فوجیوں اور سپاہیوں کے حقوق کو بھی جنگی

آداب و اخلاقیات میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ جن میں حکام وعمال اور افسروں وسرداروں کی طرف سے فوجیوں اور سپاہیوں کے ساتھ پدرانہ ومادرانہ ہمدردی ورحم دلی، دلسوزی ودلجوئی اور خیر اندیشی وخبر گیری نیز کشادہ ذہنی و وسیع القلبی اور فراخ دلی وخندہ پیشانی کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ اس انسانی عدالت واخوت، الفت ومروّت کے نقیب اور بشری شفقت ومحبت اور رحمت ورافت کے علم بردار لطف وعنایت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''ان فوجیوں کے معاملات کی ایسی ہی فکر کرنا جیسی فکر والدین کو اولاد کی ہوتی ہے۔ ان کی تقویت اور درستی حالات کے لئے جو کچھ بھی بن پڑے اور جتنا کچھ بھی ہوسکے کرتے رہنا۔ اور جو کچھ بھی کرنا اسے بہت زیادہ نہ سمجھنا۔ اپنے کم سے کم لطف واحسان کو بھی معمولی نہ سمجھنا کیونکہ اس سے ان کی خیر خواہی بڑھے گی اور ان کے حسن ظن میں اور اضافہ ہوگا۔ ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورتوں سے بھی بے پروائی اس بھروسے پر نہ کرنا کہ بڑی ضرورتوں کا خیال رکھ ہی رہے ہو۔ کیونکہ تمہاری معمولی سی رعایت وعنایت بھی ان کے لئے نعمت ہوگی۔ اور بڑی ضرورتوں میں تو وہ سراسر تمہارے لطف وکرم کے ہمیشہ ہی محتاج ونیاز مند رہیں گے۔ وہی فوجی سردار تمہارے سب سے زیادہ مقرب رہیں جو فوجیوں کی سب سے زیادہ خدمت کرتے ہوں۔ اپنے ہاتھ کی دولت سے سپاہیوں کو ان کی ضرورتوں اور بال بچوں کی فکروں سے آزاد کرتے رہو تاکہ پوری فوج ایک دل ہوجائے اور اس کے سامنے صرف ایک ہی خیال ہو۔ بس دشمن سے جنگ فوج کے سرداروں پر تمہاری توجہ فوج کے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ کردے گی۔. [۱۳]''

حقوق انسانی کے حوالے سے جنگی اخلاقیات اور حربی ضابطۂ اخلاق کا ایک بشرنواز ومعاشرہ ساز پہلو یہ بھی ہے کہ جنگ سے غیر متعلق شہری اور معصوم و بے قصور افراد متاثر نہ ہوں۔ لوگوں کو جبرواکراہ کے ساتھ جنگ میں ملوث کرکے میدان جنگ میں لاکر معرکہ آرائی اور نبردآزمائی کے لئے مجبور نہ کیا جائے اور انہیں جبراً جنگ میں شریک کرکے اپنے اقتدار واستعمار اور اجبار واستکبار کی قربان گاہ پر اپنی ہوس آمریت کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ بلکہ فریقین حتی الامکان آپسی گفت وشنید اور باہمی افہام وتفہیم سے اختلافی معاملات کو حل کرلیں یا پھر بصورت جنگ دونوں خود ہی میدان میں ایک دوسرے کے مدمقابل آکر جنگ وجدل اور حرب وضرب کے ذریعے فیصلہ کرلیں جیسا کہ داعیٔ امن وآشتی اور نقیب صلح وسلامتی مولائے انسانیت امیر المومنین حضرت علیؑ نے امیر شام معاویہ ابن ابی

سفیان کے دھمکی بھرے تخویف آمیز خط کے جواب میں اپنے مکتوب گرامی میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ

''اور تم نے مجھے جنگ کی دعوت دی ہے تو بہت اچھا سب لوگوں کو ایک طرف کردو اور انہیں ایک طرف الگ چھوڑ کر تم خود میرے مقابلے پر نکل آؤ اور ہم دونوں کی فوجوں کو لڑائی سے معاف کردو۔ ہم دونوں خود اکیلے ہی ایک دوسرے سے نپٹ لیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ گمراہی کس کے دل پر چھاچکی ہے۔ (پردہ کس کی آنکھوں پر پڑچکا ہے۔) ''۱۴

جنگی اخلاقیات اور حربی تہذیب کے مذکورہ ضابطۂ اخلاق کی روشنی میں جنگ انہیں لوگوں سے کی جانی چاہئے جو اپنی خودسری کے زیر اثر سرکشی اور بغاوت کی بنا پر خود اپنی مرضی سے خوشی خوشی میدان جنگ میں کود پڑتے ہوں اور اپنی فوج میں بھی انہیں لوگوں کو شامل کیا جانا چاہئے جو بلا جبر و اکراہ برضاو رغبت شریک جنگ ہونے کے لئے خلوص نیت کے ساتھ آمادہ وتیار ہوں۔ چنانچہ سرکشی وخودسری سے کنارہ کشی اختیار کرکے خود سپردگی وسپراندازی کرنے والوں اور بغاوت کو چھوڑ کر اطاعت وفرماں برداری قبول کرلینے والوں سے جنگ نہیں کی جائے گی۔ جنگی اخلاقیات کے اسی ضابطۂ اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے امام اولیاء مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اگر وہ سرکش ہدایت کے ٹھنڈے سائے کی طرف لوٹ آئیں تو ہمیں یہی پسند ہے۔ لیکن اگر شقاق وافتراق اور شقاوت وبغاوت اور عصیان وعدوان پر ان کے دل جم چکے ہیں تو جو لوگ تمہاری فرماں برداری کا دم بھر رہے ہیں انہیں کو ساتھ لے کر نافرمانوں کی سرکوبی کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اور یہ خیال رکھو کہ جو دل وجان سے تمہارے ساتھ ہیں انہیں پر بھروسہ کرنا اور انہیں سے کام لینا۔ جو تم سے بدسلوکی کررہے ہیں ان کی کچھ پرواہ نہ کرنا۔ جو شخص خوشی اور خوش دلی سے تمہارے ساتھ نہیں ہے اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے اور اس کا بیٹھے رہنا کھڑے ہونے سے زیادہ مفید اور سودمند ہے۔''۱۵

جنگی اخلاقیات پر مبنی ومشتمل یہ حربی ضابطۂ اخلاق حقوق بشر کے تحفظ کی علامت اور بقائے حرمت انسانی کی ضمانت کے طور پر صرف میدان کارزار اور محاذ جنگ ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ جنگ کے آغاز سے لے کر جنگ کے انجام واختتام تک باقی ونافذ رہتا ہے۔ جس کا سلسلہ جنگ کی ابتدا سے بھی قبل شروع ہوجاتا ہے اور جنگ کی انتہا کے بعد تک بھی جاری رہتا ہے۔ چنانچہ اس میں جہاں

ایک طرف دشمن کی فوج کی طرف سے کسی شر پسندی اور اشتعال انگیزی بغیر جارحانہ طور پر پہلے حملہ ہی کر کے جنگ کی ابتدا اپنی طرف سے نہ کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے وہیں دوسری طرف جنگ کے بعد اگر میدان جنگ میں مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی، مجروحین کے قتل، محاذ جنگ سے فرار کرنے والوں کے تعاقب اور قتل، زخمیوں کی خوں ریزی، سپراندازی اور خود سپردگی کرنے والوں کے کشت وخون سے منع کیا گیا ہے تو میدان جنگ سے باہر شہروں کی تاراجی وغارت گری اور عورتوں بچوں کی ایذارسانی کی بھی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں محافظ حقوق بشر، حامیٔ حرمت انسانی، شاہ لافتیٰ، شیر خدا نے جنگ صفین کے موقع پر امیر شام معاویہ ابن ابی سفیان کی تمام تر تجاوز کاریوں اور جنایت کاریوں کے باوجود جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی فوج کو سخت تاکیدی نصیحت ووصیت کرتے ہوئے حکم دِیا ہے کہ:

''لڑائی میں تم پہل نہ کرو، دشمن کو پہل کرنے دو، دشمنوں سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ کیونکہ تم بحمد اللہ حق کی حجت وحمایت پر استوار ہو۔ ان کے حملہ کرنے سے پہلے تمہارا حملہ نہ کرنا تمہاری طرف سے ان پر ایک اور اتمام حجت ہوجائے گا۔ پس جب حکم خدا سے دشمن کو شکست ہوجائے تو پیٹھ دکھا کر بھاگنے والوں کو قتل نہ کرنا، نہ ہتھیار ڈالنے والے کو اور نہ ہی کسی زخمی کو مارنا، اور نہ کسی عورت کو ستانا اگرچہ وہ تمہیں گالیاں دیں اور تمہارے افسروں اور امیروں کو کوسیں۔ کیونکہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں اپنے اعضاء وجوارح میں بھی، اپنے نفسوں میں بھی اور اپنی عقلوں میں بھی [۱۶]۔''

اس طرح جب جنگی اخلاقیات کے بارے میں ہم مولائے کائنات کے اقوال وارشادات اور ہدایات وافادات کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ کا بیان کردہ جنگی ضابطۂ اخلاق ہر دور میں میدان جنگ کے دونوں متحارب حریفوں اور گروہوں کے لئے جنگی آداب واخلاقیات اور حربی تہذیب واخلاق کا بہترین اور مکمل ترین اور مفید ترین نمونہ ہے۔

حوالے:

۱۔قرآن مجید، سورۂ نمل، آیت ۳۴

۲۔قرآن مجید، سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۱

۳۔قرآن مجید،سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۷

۴۔قرآن مجید،سورۂ مائدہ، آیت ۳۲

۵۔قرآن مجید،سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۳

۶۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۱۱، (لشکر کو نصیحت)

۷۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۱۲،

۸۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۱۶،(جنگ کے موقع پر امیر المومنینؑ کا اپنے ساتھیوں کو فرمان)

۹۔نہج البلاغہ حصہ اول، خطبات نمبر ۱۲۴ (آداب جنگ)

۱۰۔نہج البلاغہ حصہ اول، خطبات نمبر ۱۱ (آداب شجاعت)

۱۱۔نہج البلاغہ حصہ اول، خطبات نمبر ۲۱۱ (جہاد کی دعوت)

۱۲۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۵۳ (دستور حکومت۔ مالک اشتر کے نام)

۱۳۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۵۳ (دستور حکومت، مالک اشتر کے نام)

۱۴۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۱۰ (معاویہ کے نام مکتوب)

۱۵۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۴ (ایک سپہ سالار کے نام مکتوب)

۱۶۔نہج البلاغہ حصہ دوم، مکتوبات ورقعات نمبر ۱۴ (جنگ صفین شروع ہونے سے پہلے فوج کو نصیحت)

﴾○﴿

نہج البلاغہ میں
امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کی وصیت

پروفیسر منظر عباس نقوی، امروہہ

یوں تو نہج البلاغہ میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے سب ہی ارشادات، خواہ وہ بصورت خطبات ہوں، مکتوبات ہوں یا اقوال، جابجا ایسی ہدایتوں اور نصیحتوں سے مملو ہیں جن پر عمل پیرا ہو کے ہم اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کو فلاح و سعادت سے ہمکنار کر سکتے ہیں، لیکن اس کے حصۂ مکتوبات میں چار ایسی تحریریں بھی شامل ہیں جنھیں مرتب نے بطور خاص 'وصیت' کا عنوان دیا ہے۔ اس مقالے کا موضوع یہی وصیتیں ہیں، جنھیں نہج البلاغہ مترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ کی جلد سوم کے صفحات نمبر ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۹۰ اور ۷۳۷ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ان میں پہلی وصیت مولائے کائناتؑ کا وہ ارشاد ہے جو آپؑ نے مسجد کوفہ میں ابن ملجم ملعون کی ضربت سے مجروح ہونے کے بعد فرمایا۔ اس میں ذات باری تعالیٰ میں شرک کے تصور سے بچنے اور جناب رسالتمآبؐ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کے بعد مولاؑ نے فرمایا ہے کہ "اگر میں زندہ رہا تو مجھے اپنے خون کا اختیار ہوگا اور اگر مرجاؤں تو موت میری وعدہ گاہ ہے۔ اگر معاف کردوں تو یہ میرے لئے رضائے الٰہی کا باعث ہے اور تمہارے لیے (مراد ورثا) بھی نیکی ہوگی"۔[۱]
اس وصیت سے مولاؑ کی کشادہ قلبی، جذبۂ عفو و درگزر اور اشتیاق رضائے الٰہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی قسم کی اعلیٰ انسانی اقدار کا اظہار اس وصیت سے بھی ہوتا ہے جس میں امیر المومنینؑ نے اپنے بیٹوں کو تاکید فرمائی تھی کہ "دیکھو! میرے بعد صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے، اور دیکھو! جب میں مرجاؤں تو اس میں ایک ضرب کے بدلے میں ایک ہی ضرب لگانا، اور اس شخص کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ "خبردار، کسی کے بھی ہاتھ پیر نہ کاٹو اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی ہو"۔[۲]

دوسری وصیت جو ہمیں نہج البلاغہ کے صفحہ ۶۶۹ پر ملتی ہے، مولاؑ نے صفین سے واپسی کے بعد

کوفے میں قلم بند فرمائی۔ یہ ان اموال یعنی اوقاف کے بارے میں ہے جن کا متولّی حضرت امام حسن علیہ السلام کو مقرر کیا گیا تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی بنیادی طور پر ایک مجاہد عالم اور کاشتکار کی زندگی تھی۔ سرکار رسالتمآب ﷺ کے دور حیات میں حضرت علی علیہ اسلام کا بیشتر وقت دشمنان اسلام سے دفاع کرتے ہوئے جہاد میں صرف ہوا تھا۔ وفات رسولؐ کے بعد حضرتؑ کے لئے حالات کچھ ایسے ناساز گار ہوگئے کہ آپؑ کو گوشہ نشینی اختیار کرنا پڑی۔ اب مولا کا سارا وقت قرآن مجید کی جمع وترتیب اور علوم کے فروغ میں صرف ہوتا تھا، البتہ اسلام کے وسیع تر مفادات میں وقتاً فوقتاً عند الطلب ارباب حل وعقد کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ اس چوبیس سال کی مدت میں جب جب علمی کاموں سے فرصت نصیب ہوئی آپؑ نے اپنی فطری دلچسپی کا یہ کام ضرور کیا کہ مدینۂ منورہ کے مضافات میں اور مدینہ سے باہر ینبع اور سویعہ جیسے مقامات میں زمین کھود کر متعدد چشمے برآمد کیے اور افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنا کر یہاں وہاں کھجور کے باغات نصب کیے۔ مدینۂ منورہ کے ان نواحی چشموں میں سے مسجد شجرہ کے قریب واقع ابیار علیؑ، آج بھی زیارت گاہ خاص وعام ہیں۔ مولاؑ نے ان املاک کو اپنی ذاتی جائیداد نہیں بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے وقف کردیا اور ان کا انتظام بحثییت متولی فرزندان جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سپرد فرمایا۔ اس وصیت نامے سے پتا چلتا ہے کہ وہ بحثییت متولّی اس جائیداد سے بس بقدر کفاف روزی حاصل کرسکیں گے۔ باقی سب کچھ امور خیر میں صرف کریں گے۔ ۳

امیر المومنینؑ کی بقیہ دو وصیتیں عمومی نوعیت کی ہیں اور ہم سب کے لئے جو نسب یا ارادت وعقیدت کی بنا پر مولائے کائناتؑ کے دامن عطوفت سے وابستہ ہیں بڑی اہمیت اور معنویت کی حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ان وصیتوں کی تعمیل بجالاتے ہوئے اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کو کامیاب بناسکیں۔ ان دونوں میں سے ہم قارئین کی توجہ اس وصیت کی جانب بطور خاص مبذول کرانا چاہتے ہیں جسے ابن ملجم ملعون کی ضربت سے مجروح ہونے کے بعد ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ گویا یہ آخر وقت کی وصیت ہے۔ اس کا نافذی جملہ (OPERATIVE SENTENCE) بڑا غور طلب ہے لازم ہے کہ ہم سب جنہیں ان کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے یا وابستگان در امامت ہیں اسے یادرکھیں اور اس کی رو سے جو ذمہ داری ہم سب پر عاید ہوتی ہے اس سے روگردانی نہ کریں:

أُوصِيكُمَا وَجَمِيعَ وَلَدِىَ وَاَهلِى وَمَن بَلَغَهُ كِتَابِى ؎

یعنی میں وصیت کرتا ہوں کہ تم کو (مراد حضرات حسنین علیہم السلام) اور اپنی سب اولاد کو اور اپنے کنبے والوں کو اور ان سب کو جن تک میری یہ تحریر پہنچے۔

اس وصیت نامے کے مشتملات بیشتر دینی نوعیت کے ہیں اور ان میں تقویٰ پر بطور خاص زور دیا گیا ہے۔ اور اسی حوالے سے ان فرائض کی جانب ہماری توجہ بتاکید مبذول کرائی گئی ہے جن کا تعلق دین اور اخلاقیات سے ہے، مثلاً یہ ہدایت کہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا یا باہمی تعلقات کے بارے میں یہ تاکید کہ اپنے معاملات کو درست اور باہمی تعلقات کو سلجھائے رکھنا حسب ارشاد رسولؐ صلاح ذات البین افضل من عامة الصّلوٰة و الصّیام یعنی آپس کی کشیدگی کو مٹانا عام نماز روزے سے افضل ہے ؎

آگے چل کر اس وصیت نامے میں بتکرار اللہ کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے جن اہم امور کی مولاؑ نے ہمیں یاددہانی کرائی ہے وہ ہیں یتیموں کی نگہداشت، ہمسایوں سے حسن سلوک، قرآن مجید سے وابستگی اور اس کے احکام کی پیروی، نماز، حج بیت اللہ اور راہ خدا میں جان، مال اور زبان سے جہاد جیسے فرائض کی بجاآوری نیز امر بالمعروف اور نہی عند المنکر پر عمل درآمد۔

اس وصیت نامے کے حاشیے کی عبارت سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ علامہ سید رضی اس کا مخاطب حضرت امام حسن علیہ اسلام کو سمجھتے ہیں لیکن مترجم نے اس سلسلے میں جعفر ابن بابویہ قمی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وصیت نامہ محمد ابن حنفیہ کے نام تحریر کیا گیا تھا۔ ہمیں بہر طور فاضل مترجم کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ ''مخاطب خواہ امام حسنؑ ہوں یا محمد ابن حنفیہ یہ منشور امامت تمام نوع انسانی کیلئے درس ہدایت ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے سعادت وکامرانی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ ؎

اس مبسوط وصیت نامے میں مولائے کائناتؑ نے ہماری دنیاوی اور اخروی فلاح کے لئے جو بیش قیمت نصائح قلمبند فرمائے ہیں، اس مختصر مقالے میں ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہ تھا اس لئے جستہ جستہ انتخاب کرکے تفہیم مطالب کے خیال سے انہیں چار بڑے زمروں میں تقسیم کردیا گیا ہے اور ہر ہدایت کو ایک مناسب عنوان دے کر متعلقہ عربی متن کا محوری فقرہ بھی نقل کردیا گیا ہے تاکہ قارئین

کے ذہنوں میں محفوظ رہے۔ حوالے سب اردو ترجمے کے ہیں۔

۱۔ دینی امور:

الٰہیات سے متعلق افکار میں حزم واحتیاط:

لا تَعلمُ فإن اَشکَلَ عَلَیکَ....

جو چیز اس میں (مراد الٰہیات) کی تمہاری سمجھ میں نہ آئے اسے اپنی لاعلمی پر محمول کرو۔[۷]

تقویٰ: اُوصِیکَ بِتَقویَ اللہ....

اللہ سے ڈرتے رہنا، اس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا اور اس کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔[۸]

تزکیۂ قلب: اَحیِ قَلبِکَ بِالمَوعِظَۃِ....

وعظ و پند سے دل کو زندہ رکھنا، زہد سے اس کی خواہشوں کو مارنا، یقین سے سہارا دینا، حکمت سے پر نور بنانا اور دنیا کے حادثات اُسے یاد دلانا۔[۹]

اطاعت رسولؐ: فَارضَ بِہٖ رائداً وَاِلیٰ النّجاۃِ قائداً....

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا پیشوا مانو اور نجات کا رہبر جانو۔[۱۰]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: اَمُر بالمَعرُوف وَتکُن مِن اَھلِہٖ....

نیکی کی تلقین کرتے رہو تاکہ خود بھی اہل خیر میں شمار ہو۔ ہاتھ اور زبان سے برائی کو روکتے رہو۔

جہاد فی سبیل اللہ: جَاھِدُ فِی اللہ حَقَّ جِھَادِہٖ....

خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرتے رہو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ لو۔[۱۱]

دعا وسیلۂ نعمت: جَعَلَ فِی یَدیکَ مَفَاتِیحَ خَزائنِہٖ....

اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں اپنے خزانوں کی کنجیاں دیدی ہیں۔ جب چاہو دعا کے وسیلے سے اس کی نعمت کے دروازوں کو کھلوالو۔[۱۲]

۲۔ اخلاقی امور:

صبر: نِعمَ الخلقِ التَصبرُ فِی الحق....

حق کی راہ میں صبر و شکیبائی بہترین سیرت ہے۔ [۱۳]

توکل: اَبعی نَفسَکَ فِیْ اُمُورِ کُلّھا اِلیٰ الٰھکَ...

ہر معاملے میں خود کو اللہ کے حوالے کردو، کیونکہ ایسا کرنے سے تم خود کو ایک مضبوط پناہ گاہ اور قوی محافظ کے سپرد کردو گے [۱۴]

تجدید سوال: اَخْلِص فِی مَسألَۃِ لِربِّکَ....

صرف اپنے پروردگار سے سوال کرو، کیونکہ دینا نہ دینا بس اسی کے اختیار میں ہے۔ [۱۵]

علم نافع: لاَ خَیرَ فِی العِلمِ لاَیَنفَعُ.....

اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جو فائدہ رساں نہ ہو۔ [۱۶]

معاشرتی عدل: جَعَلَ نَفسَکَ مِیزاناً فِیمَا بَینَکَ وَبَینَ غَیرِکَ....

اپنے اور دوسروں کے درمیان ہر معاملے میں خود کو میزان قرار دو۔ جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو اور جو اپنے لیے نہیں چاہتے وہ دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو [۱۷]

آداب کلام: لاَتقُل مَالاَتعلَم.....

جو بات نہیں جانتے اس کے بارے میں کچھ نہ بولو اور دوسروں کے لئے وہ بات نہ کہو جو اپنے لیے سننا گوارا نہیں کرتے۔ [۱۸]

نیکوں کی صحبت: قَارِنْ اَھلَ الخَیرِ تَکُنْ مِنھُم.....

نیکوں سے میل جول رکھو گے تو تم بھی نیک ہوجاؤ گے۔ بروں سے بچو گے تو ان کے اثرات سے محفوظ رہو گے۔ [۱۹]

اکل حرام اور بدترین ظلم: بِئسَ اطعَامُ الحَرَامُ وظُلم الضَعِیفِ افحش اظلم...

بدترین کھانا وہ ہے جو حرام ہو اور بدترین ظلم وہ ہے جو کسی کمزور پر کیا جائے۔ [۲۰]

۳۔ معاشی اور معاشرتی امور:

کسب معاش: فَاسْعَ فِی کَدْحِکَ وَلَاتَکُنْ خَازِناً لِغَیْرِکَ....

روزی کمانے میں دوڑ دھوپ کرو اور دوسروں کے خزانچی نہ ہو ۲۱

کفایت شعاری: حِفْظُ مَافِی یَدَیْکَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ طَلَبِ مَافِی یَدِ غَیْرِکَ....

جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو محفوظ رکھنا دوسروں کے آگے دست سوال بڑھانے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ ۲۲

حلال کمائی: اَلْحِرْفَةُ مَعَ الْعِفَّةِ خَیْرٌ مِنَ الْغِنَی مَعَ الْفُجُور......

پاک دامنی کے ساتھ محنت مزدوری کر لینا فسق و فجور سے آلودہ دولت مندی سے بہتر ہے۔ ۲۳

اصل ولی نعمت: اِنَّ الْیَسِیرَ مِنَ اللهِ سُبْحَانَهٗ اَعْظَمُ وَاَکْرَمُ مِنَ الْکَثِیرِ مِنْ خَلْقِهٖ....

وہ تھوڑا جو اللہ تعالیٰ سے ملے باعث عز و شرف ہے بمقابلہ اس کثیر کے جو اس کی مخلوق سے ملے۔

عزت نفس اَکْرِمْ نَفْسَکَ عَنْ کُلِّ دَنِیَّةٍ.....

ہر ذلت سے اپنے نفس کو بلند تر سمجھو۔

بندۂ آزاد لَاتَکُنْ عَبْدَ غَیْرِکَ وَقَدْ جَعَلَکَ اللهُ حُرّاً....

دوسرے کے غلام نہ بنو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد بنایا ہے۔ ۲۴

دوستی کا راز لَاتَتَّخِذَنَّ عَدُوَّ صَدِیْقِکَ صَدِیْقاً....

اپنے دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ ورنہ اس دوست کے دشمن قرار پاؤ گے۔ ۲۵

حق دوستی امحض اَخَاکَ النَّصِیحَةَ حَسَنَةً کَانَتْ اَوْقَبِیحَةً....

اپنے دوست کو اچھی اچھی نصیحتیں کرو چاہے اسے اچھی لگیں یا بری ۲۶

غصہ پی جاؤ تَجَرَّعِ الْغَیْظَ فَاِنِّی لَمْ اَرَجُرْعَةً اَحْلَی.....

غصے کے گھونٹ پی جاؤ کہ اس سے شیریں کوئی گھونٹ نہیں ۲۷

۴۔ذاتی اور گھریلو امور:

ہم سفر اور ہمسائے کا انتخاب سَلْ عَنِ الرَّفِيقِ قَبْلَ الطَّرِيقِ وَعَنِ الْجَارِ قَبْلَ الدَّارِ...

راستے سے پہلے شریک سفر اور گھر سے پہلے ہمسائے کے بارے میں پوچھ گچھ کر لو۔[۲۸]

مزاح سے بچو أَنْ تَذْكُرُ فِي الْكَلَامِ مَايَكُوْنُ مُضْحِكاً...

اپنی گفتگو میں ہنسانے والی باتیں نہ لاؤ چاہے ان کی حیثیت نقل قول ہی کیوں نہ ہو۔[۲۹]

اپنے مخالف کو کیسے رام کیا جائے خُذْ عَلىٰ عَدُوِّكَ بِالْفَضْلِ...

اپنے دشمن پر لطف وکرم کر کے اس کا دل جیت لو۔

عورتوں سے مشورہ نہ کرو۔

إِيَّاكَ وَمُشَاوَرَةَ النِسَاءِ...

عورتوں سے اپنے معاملات میں مشورہ نہ کرو کیونکہ ان کی رائے کمزور اور ارادہ سست ہوتا ہے۔[۳۰]

پردے کی پابندی وَاكْفُف عَلَيْهِنَّ مِنْ اَبْصَارِ هِنَّ بِحِجَابِكَ...

عورتوں کو پردے میں بٹھا کر ان کی آنکھوں کو تاک جھانک سے روکو کیونکہ پردے کی سختی ان کی عزت وآبرو کو برقرار رکھنے والی ہے۔[۳۱]

عورت کا دائرہ عمل لَاتُمَلِّكِ الْمَرْاةَ مِنْ اَمْرِهَا مَاجَاوَزَنَفْسَهَا....

عورت کو ذاتی امور کے علاوہ دوسرے اختیارات نہ سونپو۔[۳۲]

عورت بمنزلہ پھول ہے، حکمراں نہیں اَلْمَرْأَةُ رَيْحَانَةٌ وَلَيْسَتْ بِقَهْرَمَانَةٍ...

عورت ایک پھول ہے۔ وہ کارفرما اور حکمراں نہیں [۳۳]

خدمت گاروں میں تقسیم کار وَاجْعَلْ لِكُلِّ إِنْسَانٍ مِنْ خَدَمِكَ عَمَلاً تَاخُذُهُ بِهِ....

اپنے خدمت گزاروں میں ہر شخص کے لئے ایک کام معین کر دو، جس کی جواب دہی اسی سے کر سکو۔

اس طریقہ کار سے وہ تمہارے کاموں کو ایک دوسرے پر نہیں ٹال سکیں گے۔ ۴۴؎

مذکورہ بالا وصایائے امیر المومنین علیہ السلام ایسے حکیمانہ اقوال پر مشتمل ہیں جن کی شرح کی جائے تو لاریب دینی سماجی اور فلسفیانہ موضوعات پر کتنے ہی پر مغز مقالات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو، حضرات محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین اللہ تعالیٰ کے وہ منتخب بندے ہیں جن کا ہر قول وعمل بلاشبہ کتاب الٰہی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ الّٰلہم صلّ علی محمد وآل محمدؐ

ان وصیتوں میں مولائے کائناتؑ نے عورتوں کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں، ہوسکتا ہے کہ آج کی ترقی کے نام پر فریب خوردہ دنیا کو ان کے قبول کرنے میں قدرے تامّل محسوس ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج اندرون خانہ اور بیرون خانہ نامحرم مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط جن بھیانک برائیوں کو جنم دے رہا ہے اور جس طرح جنسی جرائم پولیس اور قانون کے ہوتے ہوئے بھی قابو سے باہر ہوتے جارہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ہمیں باب مدینۃ العلم امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے نصائح پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنا چاہیے۔ دنیا یاد رکھے کہ آج ہمارے سماج میں عورت کی سر بازار جو بے حرمتی ہورہی ہے اس کا علاج صرف اور صرف حجاب ہے۔ گھریلو زندگی کی کامیابی کا راز مرد وعورت کی منفرد اور مخصوص جسمانی توانائیوں ذہنی صلاحیتوں اور جذباتی عوامل کے پیش نظر تقسیم کار اور تخصیص کار میں مضمر ہے۔ کاش یہ بات ہماری سمجھ میں آجائے جو مساوات کے نام پر فریب خوردگی کا شکار ہیں!

اس مقالے کا اختتام حجۃ الاسلام علاّمہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مرحوم کے ان الفاظ پر کرنا چاہوں گا:

"اس میں (وصایائے امیر المومنینؑ میں) دنیا وآخرت کو سنوارنے، اخلاقی شعور کو ابھارنے اور معیشت ومعاشرت کو سدھارنے کے وہ بنیادی اصول درج ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے علماء وفلاسفہ کے ضخیم دفتر قاصر ہیں۔" ۴۵؎

حوالے:

۱۔ نہج البلاغہ ص ۶۶۹

۲۔ نہج البلاغہ ص ۶۳۹

۳۔نہج البلاغہ ص ۶۷۰

۴۔نہج البلاغہ ص ۷۳۷

۵۔نہج البلاغہ ص ۷۳۸

۶۔نہج البلاغہ ص ۷۱۰

۷۔نہج البلاغہ ص ۶۹۶ (ترجمہ)

۸۔نہج البلاغہ ص ۶۹۱ (ترجمہ)

۹۔نہج البلاغہ ص ۶۹۱ (ترجمہ)

۱۰۔نہج البلاغہ ص ۶۹۷ (ترجمہ)

۱۱۔نہج البلاغہ ص ۶۹۲

۱۲۔نہج البلاغہ ص ۷۰۲

۱۳۔نہج البلاغہ ص ۶۹۲

۱۴۔نہج البلاغہ ص ۶۹۲

۱۵۔نہج البلاغہ ص ۶۹۳

۱۶۔نہج البلاغہ ص ۶۹۳ (ترجمہ)

۱۷۔نہج البلاغہ ص ۶۹۹

۱۸۔نہج البلاغہ ص ۶۹۹

۱۹۔نہج البلاغہ ص ۷۰۵

۲۰۔نہج البلاغہ ص ۷۰۵

۲۱۔نہج البلاغہ ص ۶۹۹

۲۲۔نہج البلاغہ ص ۷۰۵

۲۳۔نہج البلاغہ ص ۷۰۵ (ترجمہ)

۲۴۔نہج البلاغہ ص ۷۰۴

۲۵۔نہج البلاغہ ص ۷۰۷

۲۶۔نہج البلاغہ ص ۷۰۷

۲۷۔نہج البلاغہ ص ۷۰۷

۲۸۔نہج البلاغہ ص ۷۰۹

۲۹۔نہج البلاغہ ص ۷۰۹

۳۰۔نہج البلاغہ ص ۷۰۹

۳۱۔نہج البلاغہ ص ۷۰۹

۳۲۔نہج البلاغہ ص ۷۱۰

۳۳۔نہج البلاغہ ص ۷۱۰

۳۴۔نہج البلاغہ ص ۷۱۰

۳۵۔نہج البلاغہ ص ۷۱۰

RAH-E-ISLAM

A Quarterly Research Journal of Islamic and Cultural Studies

No. 217-18, July to December 2010. R. N. I. No. 4914788
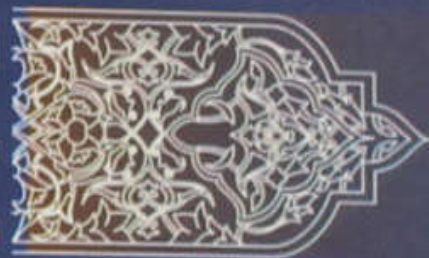
Special Issue on:
Nahaj-ul-Balagheh